

خطیبانہ انداز میں منفرد تفسیر



خُطَبَات

سُورَةُ
الْحَجَرِ

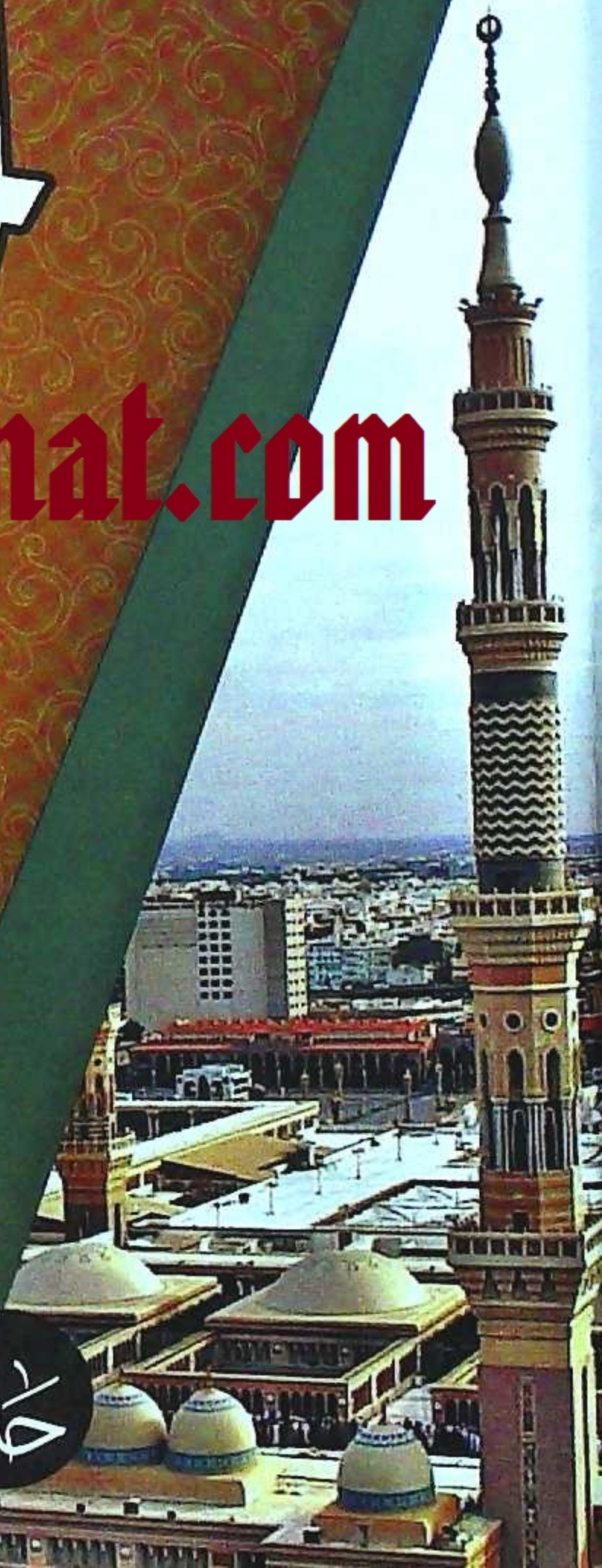
www.KitaboSunnat.com



تالیف

پروفیسر حافظ عبدالستار حامد

حَامِدُ الْكَدِّيُّ ط
وزیر آباد
پاکستان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس
پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

خطیبانہ انداز میں منفرد تفسیر

خُطَبَات

سُورَةُ
الْحَجَرِ

www.kitabosunnat.com

تالیف

پروفیسر حافظ عبدالستار حامد

حامد اکیڈمی

وزیر آباد - پاکستان

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب خطبات سُورۃ الحجّ

مرتب پروفیسر حافظ عبد الستار حامد

طبع اول اکتوبر 2013ء

کمپوزنگ مکتبہ اسلامیہ پرنٹرز

ناشر حماد پبلشرز وزیر آباد

قیمت



☆ مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

☆ مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

☆ نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

☆ اسلامی اکادمی، اردو بازار۔ لاہور

☆ المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ۔ لاہور

☆ والی کتاب گھر، چوک نیائیں۔ گوجرانوالہ

☆ مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار۔ گوجرانوالہ

☆ مکتبہ اسلامیہ، کوتوالی روڈ۔ فیصل آباد

☆ مکتبہ اہل حدیث، امین پور بازار۔ فیصل آباد

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
54	تقویٰ کا لباس	11	ابتدائیہ
56	تبلیغِ نوح علیہ السلام	13	(۱) فرمانِ رسول ﷺ کا احترام
58	دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ	13	سورۃ کا تعارف
60	سیدنا ابراہیم علیہ السلام	14	سورۃ کے مضامین
62	سیدنا عیسیٰ علیہ السلام	16	وجہ تسمیہ
64	وصیتِ مصطفیٰ ﷺ	17	حجرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا
65	تقویٰ کی برکات اور ثمرات	20	آیت کے مفہیم
70	(۳) ذاتِ رسول کا احترام	21	شانِ نزول
71	تمہیدی کلمات	23	لَیْسَ مِنِّیْ
73	احترامِ رسول ﷺ کی اہمیت	27	فیصلہ رسول کی حیثیت
76	صحابہ کرام کا ادبِ رسول ﷺ	30	فاروقِ اعظم کا فیصلہ
80	بڑا کون ہے؟	34	افسوس صد افسوس
82	احترامِ رسول ﷺ کا عجب انداز	38	الفاظ میں تبدیلی
84	احترامِ رسالت کے پہلو	40	(۲) تقویٰ کی اہمیت و ضرورت
84	اجازت حاصل کریں	41	اللہ تعالیٰ سے ڈرو
86	جلدی واپس جائیں	44	تقویٰ کا مفہوم
88	اجازت لے کر جائیں	45	تقویٰ کا مقام
89	آگے نہ بڑھیں	47	تقویٰ کی مثال
90	امامت آپ کروائیں	49	فلسفہ عبادات
92	ذو معنی الفاظ استعمال نہ کریں	51	تعمیر مسجد اور تقویٰ
93	آواز بلند نہ کریں		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
151	امتحانی سنٹر نمبر ۲	94	شانِ نزول
153	دونو جوانوں کا مثالی کردار	96	ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی فکر مندی
157	امتحانی سنٹر نمبر ۳	97	اخلاقی اصول
162	دیگر امتحانی سنٹرز	98	حدیث رسول کا احترام
164	نتائج کا اعلان اور انعامات	101	(۴) نام رسول ﷺ کے آداب
167	کون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم؟	102	افتتاحی کلمات
169	ممتحن کے تاثرات	103	آپ ﷺ کے ذاتی نام
171	(۶) گستاخانِ رسول کا انجام	106	ذاتی ناموں کے معانی
172	ربط خطبات	109	صفاتی ناموں کی تعداد
174	با ادب اور بے ادب	110	چند قرآنی اسماء مبارکات
176	شانِ نزول	114	مزید قرآنی نام
179	عتیبہ بن ابی لہب	120	اسماء رسول بزبان رسول
183	گستاخ رسول..... ابولہب	125	نام لے کر آواز نہ دیں
185	گستاخی کی انتہاء	128	ندائے یا مُحَمَّد
187	ابولہب کا نام کیوں؟	130	نام سن کر درود شریف
189	عبرت ناک انجام	132	درود نہ پڑھنے والے
191	ابولہب کی بیوی	134	ضروری وضاحت
194	یہودی گستاخ..... کعب بن اشرف	136	(۵) صحابہ کرام کے امتحانات
195	قتل رسول کی سازش	137	تمہیدی الفاظ
198	گستاخ رسول کے قتل کا حکم	139	تقویٰ ہی تقویٰ
201	گستاخ رسول کی سزا..... سرتن سے جدا	141	صحابہ کرام اور تقویٰ
203	گستاخ مصطفیٰ..... ابورافع کا قتل	144	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان
207	گستاخ رسول..... قبر کو قبول نہیں	147	صحابہ کرام کا امتحانی سنٹر نمبر ۱
210	(۷) تحقیق خبر	149	علامہ اقبال اور سید نابال رضی اللہ عنہ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
268	سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ	211	ربط خطبات
270	خبیب رضی اللہ عنہ کی کرامت و شہادت	213	قبیلہ بنو مطلق کا تعارف
273	گناہوں سے نفرت	214	سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا
276	(۹) اہل ایمان کے درمیان صلح	216	حارث کا قبول اسلام
276	ربط آیات	219	آیت حجرات کا شان نزول
278	باہمی لڑائی کی مذمت	221	اصل صورت حال
281	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل	223	خالد بن ولید کا دستہ
283	صلح کیلئے جھوٹ بولنا جائز ہے	227	ولید بن عقبہ کی معافی
284	شان نزول	228	ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی لغزش
286	اوس اور خزرج کے مابین اختلاف	232	ابولبابہ کی توبہ
288	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری	233	پیغمبر زادوں کی جھوٹی خبر
291	میاں بیوی کے درمیان صلح	236	جناب یعقوب علیہ السلام کی تحقیق
292	طلاق اور حلالہ	239	بگاڑ کا اصل سبب
295	سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا مصالحانہ کردار	242	(۸) صحابہ کرام کا مثالی ایمان
297	سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح	243	ربط آیات
299	منافقین کی سازش	244	اوصاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
304	(۱۰) اسلامی اخوت	248	انتخاب الہی
305	ربط آیات	250	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب مطہرہ
306	علمی اور ادبی نکتہ	253	سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ
307	اخوت کا مفہوم	256	صہیب رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان
309	اسلامی اخوت کی بنیاد	259	حبیب بن زید رضی اللہ عنہ
311	مواخات مدینہ	261	سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
315	ایشیاد کا انوکھا واقعہ	264	سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
317	اسلامی اخوت کے سنہری اصول	266	جناب سعد رضی اللہ عنہ کا اعلان حق

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
367	اللہ تعالیٰ سے بدگمانی	318	باہم حسد نہ کرو
370	اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کی دیگر صورتیں	322	قیمت نہ بڑھاؤ
372	گمان کے مطابق سلوک	323	ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو
375	سیدنا یعقوب علیہ السلام کی خوش گمانی	325	منہ نہ موڑو
377	مشرکوں کی بدگمانی	328	سودے پر سودا نہ کرو
381	بدگمانی سے کفر تک	329	بھائی بھائی بن جاؤ
382	اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کی سزا	332	(۱۱) معاشرتی آداب
384	بدگمانی کی اقسام اور احکام	333	ربط آیات
387	ایک رات کی کہانی..... اندیشہ بدگمانی	334	اخوت کے منافی کام
389	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط	336	تمسخر کا مفہوم
391	ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو	338	شان نزول
394	(۱۳) غیبت کی مذمت	341	خواتین کیلئے خاص حکم
395	ربط کلام	342	سبب نزول
396	غیبت کا معنی و مفہوم	344	مذاق اڑانے والوں کا انجام
399	مفہوم میں وسعت	346	مذاق اور مزاح میں فرق
404	مردوں کی غیبت	348	بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی
406	غیبت کی مذمت	350	ایک دیہاتی سے مزاح
409	غیبت اور چغلی میں فرق اور سزا	351	طعنہ زنی کی ممانعت
412	چغل خور کو قبر اور آخرت کا عذاب	354	لقب کا مفہوم اور اقسام
414	سبب نزول	357	برے القاب سے نہ پکارو
417	مردار کا گوشت کھانا	359	(۱۲) بدگمانی اور جاسوسی
418	غیبت کے جواز کی صورتیں	360	ربط آیات
419	ظلم کی شکایت کرنا	361	ظن کا قرآنی مفہوم
421	غیبت برائے اصلاح عیوب	364	بدگمانی کی ممانعت

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
475	دیگر قرآنی آیات	422	غیبت بغرض استفتاء
478	(۱۶) اطاعتِ رسول کے فوائد	424	غیبت برائے مصلحت عامہ
480	اطاعتِ رسول کی اہمیت	425	غیبت برائے مشورہ
483	نام کے مسلمان	426	معروف نام سے پکارنا
486	فلاح و کامیابی اور نجات	428	(۱۴) انسانی مساوات
489	ہدایت کا حصول	429	ربط آیات
491	بہترین جزا	431	شانِ نزول
494	رحمتِ الہی کا نزول	433	خطبہ رسول ﷺ
495	محبوبِ الہی اور گناہوں کی معافی	436	دوسرا شانِ نزول
497	جنت میں داخلہ	437	شیطانی فتنہ
499	جنت میں رفاقتِ انبیاء	439	تیسرا شانِ نزول
502	اختلافات کا خاتمہ	441	تفہیم القرآن سے اقتباس
505	باعثِ خیر و برکت اور بھلائی	443	خطبہ حجۃ الوداع
507	جزا میں کمی نہ ہوگی	445	نسب کا منہ آئے گا
508	(۱۷) حقیقی مومن کی پہچان	449	عملی نمونہ
509	ایمان کا معنی و مفہوم	452	خلاصہ کلام
511	اسلام کے بنیادی عقائد	455	(۱۵) ایمان اور اسلام
512	اللہ تعالیٰ پر ایمان (عقیدہ توحید)	456	تمہیدی کلمات
515	عبادات اور اختیارات	458	شانِ نزول
517	رسالتِ محمدی پر ایمان	459	بدوی کون تھے؟
519	فضائلِ مصطفیٰ ﷺ	463	ایمان کیا ہے؟
521	شک میں مبتلا نہ ہو	466	ایمان اور اسلام
524	جہاد کا مفہوم اور فضیلت	469	مترادف الفاظ
526	جہاد کی اقسام	473	ایمان میں اضافہ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
545	ضروری وضاحت	528	صحابہ کرام کا مالی جہاد
547	ملائکہ غیب نہیں جانتے	531	صحابہ کرام کا جانی جہاد
548	جِنّات کو بھی علم غیب نہیں	534	(۱۸) علم الہی کی وسعت
550	انسان..... عالم الغیب نہیں	535	شان نزول
552	علم غیب اور آدم علیہ السلام	537	اللہ تعالیٰ تو وہ ہے
553	جد الانبیاء بھی عالم الغیب نہیں تھے	538	غیب کیا ہے؟
555	انبیاء کرام علیہم السلام غیب دان نہیں	540	غیب کی کنجیاں
556	اگر میں غیب دان ہوتا	542	پانچ غیبی امور
560	اظہارِ تشکر و امتنان	544	شان نزول

دعائیں اور التجائیں

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَانَا ۖ رَبَّنَا وَلَا تَحِثْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۖ رَبَّنَا وَلَا تُحِثْ عَلَيْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا ۖ وَاعْفِرْ لَنَا ۖ وَارْحَمْنَا ۖ إِنَّكَ مُوَلِّنَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝۴۳ ﴾ (البقرة: ۲۸۶)

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝۴۴ ﴾
(ابراہیم: ۴۱)

﴿ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝۴۵ ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳)
﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِخْوِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝۴۶ ﴾
(الاعراف: ۱۵۱)

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۴۷ ﴾ (البقرة: ۱۲۷)

آمین۔ یارب العالمین

مصنف کا مختصر تعارف

نام: عبدالستار حامد ولدیت: حاجی نیک محمد رحمۃ اللہ علیہ
تاریخ ولادت: ۱۸ فروری ۱۹۶۰ء جائے ولادت: منڈی ڈھاباں ضلع شیخوپورہ
تعلیم:

☆ فاضل جامعہ اسلامیہ۔ گوجرانوالہ ☆ فاضل وفاق المدارس السلفیہ (اول پوزیشن)
☆ ایم اے اسلامیات (پنجاب یونیورسٹی) ☆ فاضل عربی (لاہور بورڈ)
اساتذہ کرام:

☆ استاذ المحدثین مولانا ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ ☆ استاذ العلماء مولانا محمد اعظم رحمۃ اللہ علیہ
☆ شیخ الادب قاری محمد یحییٰ بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ ☆ شیخ الحدیث حافظ محمد الیاس اثری رحمۃ اللہ علیہ
☆ استاذ القراء قاری احمد دین رحمۃ اللہ علیہ لاہور ☆ استاذ الحفظ قاری محمد صابر چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ

موجودہ ذمہ داری:

☆ خطیب جامع مسجد توحید یہ اہل حدیث وزیر آباد
☆ اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ مولانا ظفر علی خان ڈگری کالج وزیر آباد

تالیفات:

☆ خطبات سورۃ فاتحہ ☆ خطبات آیت الکرسی ☆ خطبات سورۃ یوسف
☆ خطبات سورۃ کہف ☆ خطبات سورۃ مریم ☆ خطبات سورۃ نور
☆ خطبات سورۃ یسین ☆ خطبات سورۃ تکوین ☆ خطبات سورۃ العصر
☆ خطبات سورۃ کوثر ☆ خطبات سورۃ حجرات ☆ خطبات سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
☆ انوار رمضان ☆ توحید اور شرک

ابتدائیہ

قرآن حکیم اللہ رب العزت کی نازل فرمودہ آخری کتاب ہدایت ہے۔ جس کا پڑھنا، سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ آج ہم من حیث المجموع قرآنی احکام سے روگرداں، اسلامی قوانین سے بے گانہ اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات و احادیث سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ اگر ہم اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیں، اپنے عقائد و نظریات درست کر لیں اور اپنے اعمال و افعال کی اصلاح کر لیں تو ہماری عظمت رفتہ بحال ہو سکتی ہے، ہم دنیا میں معزز و محترم قوم بن سکتے ہیں اور ہمارے لیے اخروی کامیابی یقینی ہو سکتی ہے، مگر اس کے لیے ہمیں واپس پلٹنا ہوگا اپنے اصل دین کی طرف..... قرآن مجید کی طرف..... سیرت رسول ﷺ کی طرف اپنانا ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا طرز عمل..... بلند کرنا ہوگا اپنے خیالات و تصورات کو..... سنوارنا ہوگا اپنے اخلاق و کردار کو..... اور عمل کرنا ہوگا قرآن و حدیث کے احکام پر۔ اور یہ سب کچھ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم قرآنی احکام سے آگاہی، ربانی ارشادات سے آشنائی اور اسلام کی آفاقی تعلیمات سے واقفیت حاصل نہ کریں۔

چنانچہ قرآنی ہدایات و احکام کو عام کرنے کی غرض سے ہم نے گزشتہ کئی سالوں سے خطبات جمعہ میں مختلف قرآنی سورتوں کی تشریح و تذکیر کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ ان قرآنی خطبات کو مرتب کر کے افادہ عام کے لیے چھپوانے کا کام بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک سورۃ فاتحہ..... آیت الکرسی..... سورۃ یوسف..... سورۃ کہف..... سورۃ مریم..... سورۃ نور..... سورۃ یسین..... سورۃ تکوین..... سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر کے خطبات علماء، خطباء، طلبہ اور عوام میں مقبولیت کا شرف حاصل کر چکے ہیں اور اسی طرز پر ”خطبات

سیرۃ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ایک جلد بھی کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

سورۃ الحجرات کی اٹھارہ آیات مبارکات میں ایجاز و اختصار کے ساتھ ایسے اہم مضامین بیان فرمائے گئے ہیں جن پر اعتقاد، اخلاق، سیرت اور کردار کا خوب صورت اور پائیدار محل تعمیر کیا جاسکتا ہے اور ان اوصاف کی برکت سے امن، محبت، انس اور ایثار کی فضا پیدا کی جاسکتی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کے ان اہم موضوعات کے باعث اسے دسمبر 2010ء تا مارچ 2011ء کے خطبات جمعات کا موضوع بنایا گیا اور اب بتوفیق اللہ تعالیٰ اس عظیم البرکت سورۃ کے خطبات کو تحریری صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیْبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ۔

مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا پورا ادراک و احساس ہے۔ بس قرآنی معارف و حقائق کو عام کرنے کا ایک جذبہ ہے جو مجھے کتاب الہی کی زبانی اور قلمی خدمت پر انگیزت کرتا رہتا ہے اور میں تنظیمی، تبلیغی اور حصولِ رزق کی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال ”خدمتِ قرآن مجید“ کا فریضہ سرانجام دیتا رہتا ہوں۔ اس میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ خالق کائنات کا احسان عظیم، والدین کی دُعاؤں کا ثمر اور اساتذہ کرام کے فیض کی تاثیر ہے اور تمام غلطیوں اور خامیوں کا میں اکیلا ذمہ دار، معترف اور رب العزت سے عفو و درگزر کا طلب گار ہوں۔ رب العالمین مجھے فرقانِ حمید اور سیرت رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مزید لسانی اور تحریری خدمت کی سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَالِیْہِ اُنِیْبُ

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ ہجری

مطابق ۴ فروری ۲۰۱۳ء بروز سوموار

عبدالستار حامد

چیمہ کالونی وزیر آباد

خطبہ نمبر ۱

فرمانِ رسول ﷺ کا احترام

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ
اللّٰهَ سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے آگے نہ
بڑھو۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے
والا ہے۔“

ہر قسم کی مدح و ثناء خالق ارض و سماء اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہے جو اپنی ذات، صفات،
کمالات، اختیارات اور عبادات میں وحدہ لا شریک ہے، وہی سچی اور قیوم، وہی نظام
کائنات کا خالق، مدبر اور متصرف ہے۔

درود و سلام کے لائق امام الانبیاء، قدوة الصالحاء اور شافع روز جزا جناب احمد مجتبیٰ محمد
مصطفیٰ ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کی طرف سے رحمت
عالم ﷺ پر لا تعداد و بے شمار درود و سلام اور برکات نازل فرمائے۔ صحابہ کرام، تابعین و تبع
تابعین عظام، صلحاء اُمت، بزرگان دین، مفسرین و محدثین، اولیاء کرام، علماء عظام اور تمام
فوت شدہ اہل ایمان کی قبور کو اللہ تعالیٰ روشن اور منور فرمائے اور تمام زندہ مسلمانوں کو قرآن و
حدیث کے مطابق زندگی گزارنے کی سعادت نصیب فرمائے، خاتمہ بالا ایمان فرمائے اور
صالحین و ابرار کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین۔

سورة کا تعارف :

اللہ ارحم الراحمین کے خاص فضل و احسان، لطف و کرم اور اسی کی توفیق و اذن سے ہم
خطبات جمعہ میں کتاب الہی کے چھ بیسویں پارے سے ”سورة الحجرات“ کی تشریح و تفسیر اور
تذکیر و تعبیر کا آغاز کر رہے ہیں، رب العزت کتاب و سنت کے مطابق بیان کرنے، سمجھنے،

سمجھانے اور ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین
یہ سورت مبارکہ دور کو عموں اور اٹھارہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے تین سو بیالیس الفاظ
وکلمات اور ایک ہزار چار سو چھتر حروف مبارکات ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا
أَقُولُ آلَمَ حَرْفٌ وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَاَمٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ۔

(جامع ترمذی، کتاب ثواب القرآن باب ما جاء فی من قرء حرفاً من القرآن)

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کا ایک حرف پڑھے گا تو اسے ہر حرف
کے بدلے ایک نیکی عطاء فرمائی جائے گی اور ہر نیکی کا ثواب دس گناہ دیا جائے گا
(یعنی ایک حرف کی قراءت کرنے والے کو دس نیکیوں کا ثواب عطاء فرمایا
جائے گا) اور میں یہ نہیں کہتا کہ آلم ایک حرف ہے بلکہ الف الگ حرف، لام
الگ حرف اور میم الگ حرف ہے۔ یعنی آلم کی تلاوت کرنے والے خوش
نصیب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیس نیکیوں کا اجر و ثواب دیا جائے گا۔“

اس فرمان رسول ﷺ کے مطابق اگر کوئی سعادت مند سورۃ الحجرات کی ایک مرتبہ
تلاوت کا شرف حاصل کرے تو اسے رب ارض و سماء کی طرف سے چودہ ہزار سات سو ساٹھ
نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔ سبحان اللہ۔

یہ سورت مبارکہ امام الرسل ﷺ کی ذات گرامی پر مدنی زندگی میں نازل فرمائی گئی اور
یہ سورت کریمہ، سورت مجادلہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورت میں بیان کردہ مضامین سے
مترشح ہوتا ہے کہ اس سورت مقدسہ کی اکثر آیات رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے
مدنی دور کے آخری حصہ میں نازل ہوئیں۔

سورۃ کے مضامین:

اگرچہ اس سورۃ مبارکہ کی آیات کی تعداد صرف اٹھارہ ہے مگر اس میں نہایت اہم
موضوعات بیان فرمائے گئے ہیں۔ جن میں اعتقادات، اخلاقیات اور انسانی سیرت و کردار کو

سنوارنے کے احکامات شامل ہیں۔ یہ سورت مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو خوش گوار اور اُن کے باہمی تعلقات کو اُستوار کرنے کے سنہری اُصولوں پر مشتمل ہے۔ بالفاظ دیگر یہ سورۃ اہل اسلام کے شہری اور سماجی قوانین پر مشتمل ہے۔ اگر اس سورت کے اہم موضوعات کی فہرست مرتب کی جائے تو وہ حسب ذیل ہوگی:

(۱) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے پیش قدمی کی ممانعت۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم۔

(۳) ذات رسالت مآب ﷺ کی تعظیم و توقیر۔

(۴) فرمان رسول ﷺ کا ادب و احترام۔

(۵) نامِ مصطفیٰ ﷺ کی توقیر و تکریم۔

(۶) گستاخانِ رسول کا انجام۔

(۷) معاملات اور خبروں کی تحقیق و تفتیش۔

(۸) اصلاح بین المؤمنین کے ضابطے۔

(۹) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اور فضائل۔

(۱۰) اسلامی اخوت و ہمدردی اور ایثار۔

(۱۱) استہزاء اور تمسخر کی ممانعت۔

(۱۲) کسی کی عیب جوئی نہ کرنے کا حکم۔

(۱۳) ایک دوسرے کو برے القابات سے یاد کرنے کی حرمت۔

(۱۴) بدگمانی سے اجتناب و پرہیز۔

(۱۵) کسی کے عیوب و نقائص تلاش کرنے کی مذمت۔

(۱۶) غیبت اور چغلی کے نقصانات۔

(۱۷) مساواتِ انسانی اور فضیلت کا معیار۔

(۱۸) ایمان اور اسلام کا مفہوم۔

(۱۹) قبولِ ایمان، اللہ تعالیٰ کا احسان۔

(۲۰) علم الہی کی وسعت۔

ہم ان شاء اللہ العزیز آئندہ خطبات میں سورۃ الحجرات کے انہیں مضامین، موضوعات اور عنوانات کو بتوفیق اللہ تعالیٰ بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا فرمائے اور قرآن مجید فرقان حمید کے ساتھ ہم سب کی محبت و اُلفت کو مقبول و منظور فرما کر ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

وجہ تسمیہ:

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے کہ اس سورۃ کریمہ کا نام ”سورۃ الحجرات“ ہے۔ یہ لفظ ”حجرۃ“ کی جمع ہے جس کا معنی کمرہ یا مکان ہے، اس سورت کی چوتھی آیت میں اُن بابرکت، مقدس اور متبرک حجرات کا تذکرہ ہے جنہیں رسول کریم ﷺ نے مسجد نبوی کے متصل اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی رہائش کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ آج کی اصطلاح میں ان حجرات کو ”شاہی محلات“ کہا جاسکتا ہے۔ مگر یہ شاہی محلات سادگی اور بے تکلفی کا ایسا نامور نمونہ تھے جس کی مثال بادشاہوں، حکمرانوں اور اُمراء کے بنگلوں میں ملنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سرور کونین ﷺ کی بے نیازی، استغناء اور دُنیا سے بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ فتوحات کے باعث دُنیا کے خزانے آپ کے قدموں پر نچھاور ہو رہے تھے مگر آپ کا سرمایہ افتخار ”فقرو زہد“ ہی تھا۔ آپ اموال غنیمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بے دریغ تقسیم فرماتے مگر اپنے لیے کچھ جمع کرنا پسند نہیں تھا۔ بقول شاعر۔

ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زرو گھر

اپنا یہ حال ہے کہ چولہا بجھا ہوا

کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے

اور بویا کھجور کا گھر میں بجھا ہوا

محسن انسانیت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے جو حجرات مبارکات تعمیر کروائے وہ کھجور کی شاخوں، پتوں اور اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے ”اللہ تعالیٰ کا گھر“ تعمیر کروایا اور خود

معمار اور مزدور کی حیثیت سے مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے۔ مسجد کی تعمیر سے فراغت کے بعد اُم المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے حجرات مبارکات بنوائے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی محترمہ کو اپنی زوجیت کا شرف عظیم عطا فرماتے تو اُس کی رہائش کے لیے علیحدہ ”حجرہ“ تعمیر کروا لیتے۔ اس طرح مسجد نبوی سے متصل حجرات نبوی کی تعداد نو (۹) ہو گئی۔ ان حجرات مبارکات کا تفصیلی تعارف ان شاء اللہ العزیز اس بابرکت سورۃ کی چوتھی آیت کی تشریح میں کروانے کی کوشش کی جائے گی۔ فی الحال صرف اس سورت کی وجہ تسمیہ یعنی نام رکھنے کی وجہ عرض کر رہا ہوں کہ چونکہ اس سورت میں ازواج مطہرات کے رہائشی حجروں اور کمروں کا ذکر خیر آیا ہے اس لیے اس سورت کا نام ”سورۃ الحجرات“ ہے۔ واہ! کیا فضیلت و شان ہے اُن سادہ کمروں اور چھوٹے چھوٹے حجروں کی جن کے تذکرے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات نازل فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن حجرات میں رہائش اختیار کرنے والی اُمت کی روحانی ماؤں کا احترام کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

حجرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا:

ان حجرات مبارکات میں ایک حجرۃ عظیمہ وہ بھی ہے جس میں سید الکونین، امام القبلتین اور فاتح بدر و حنین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات حسرت آیات اور انتقال پر ملال سے قبل یہ فرما دیا تھا کہ اَلنَّبِيُّ يُدْفَنُ حَيْثُ يُقْبَضُ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جہاں قبض ہوگی انہیں وہاں ہی دفن کیا جائے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک نے آپ کے جسد اطہر سے ”حجرۃ عائشہ“ میں پرواز فرمائی تھی لہذا حکم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ کو اسی حجرۃ مقدسہ میں دفنایا گیا اور آج بھی آپ کی قبر مبارک اور روضۂ مطہرہ اُسی حجرۃ عائشہ کے اندر ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کی طرف سے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مطہرہ پر لا تعداد رحمتیں، برکتیں اور سلام نازل فرمائے۔ آمین۔

مُبلِّغِ اسلام مولانا عبد المجید سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب اور سیرت و کردار کے موضوع پر اپنی کتاب ”سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا“

میں اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کے اُس حجرہ مبارکہ کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے جسے ”مدفنِ رسول“ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ عقیدت و محبت سے لبریز تصورات و خیالات میں ”اماں محترمہ رضی اللہ عنہا“ سے عرض گزار ہیں۔ ماں جی!

تیرا حجرہ امین خاص ہے ذاتِ رسالت کا
ارض پر یہی ملکُرا ہے باغِ جنت کا
اسی میں رحمۃ للعالمیں رہتے تھے رہتے ہیں
تیرا حجرہ ہے جس کو گنبدِ خضریٰ بھی کہتے ہیں
اسی سے حشر کے دن سرورِ کونین اٹھیں گے
مگر تنہا نہ اٹھیں گے مع الشیخین اٹھیں گے

صحابی رسول سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ وَدَخَلَ
الْمَسْجِدَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، أَحَدُهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرُ عَنْ
شِمَالِهِ وَهُوَ أَخَذَ بِأَيْدِيهِمَا وَقَالَ: ((هَكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ)).

(جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر و عمر۔)

بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن (اپنے گھر سے) نکل کر مسجد میں داخل ہوئے تو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف اور دوسرے بائیں طرف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے (دائیں ہاتھ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اور بائیں ہاتھ میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس خوش کن منظر سے مسرور ہوئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہم قیامت کے دن بھی اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔“ سبحان اللہ۔

اسی سے حشر کے دن سرور کونین اٹھیں گے
مگر تنہا نہ اٹھیں گے مع الشیخین اٹھیں گے

.....اور.....

شفاعت کی تیرے در رحمت سے ابتداء ہو گی
اسی پر اُمتوں کی مغفرت کی انتہاء ہو گی
رسول مکرم ﷺ نے بھی اپنی زبان حق ترجمان سے ”حجرۃ عائشہ“ کا خصوصی تذکرہ
فرمایا ہے اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے کمرۃ معظمہ کو ”اپنا گھر“ قرار دیا ہے۔ سیدنا
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ میرے گھر سے لے کر میرے منبر
تک کی زمین، دیکھنے میں مسجد نبوی کی زمین کا ٹکڑا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے
اسے ”جنت کا باغ“ بنا دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رَّيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى
حَوْضِي۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل المدینہ، باب کرامۃ النبی ﷺ ان تعری المدینہ)

”میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی زمین جنت کے باغوں میں سے
ایک باغ ہے۔ اور میرا منبر قیامت کے دن میرے حوض پر ہوگا۔“

جن حضرات کو اللہ رب العالمین نے مسجد نبوی کی زیارت کی سعادت عطاء فرمائی ہے
انہوں نے یقیناً ”جنت کا یہ باغ“ بھی دیکھا ہے اور وہاں نماز (نفل یا فرض) ادا کرنے کا
اعزاز و شرف بھی حاصل کیا ہے۔ اللہ کریم قبول فرمائے اور دوسروں کو یہ سعادت نصیب
فرمائے۔ آمین۔ وہاں بڑی ہی خوبصورت لکھائی میں آج بھی یہ حدیث مبارکہ تحریر ہے اور
جنت کے باغ کا تعارف کروا رہی ہے۔

”میرا منبر میرے حوض پر ہوگا“ ان الفاظ کے دو مفاہیم محدثین کرام نے بیان فرمائے ہیں:

① قیامت کے دن حوض کوثر اسی جگہ پر ہوگا جہاں میرا منبر ہے۔

② جہاں حوض کوثر ہوگا میرا یہ منبر وہاں رکھا جائے گا۔

آپ ﷺ اپنے منبر پر جلوہ افروز ہوں گے اور اہل ایمان کو اپنے دست مبارک سے جامِ کوثر پلائیں گے۔ اللہ کریم سب کو اپنے حبیب ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا جام نصیب فرمائے۔ آمین۔

آیت کے مفاہیم:

سورت الحجرات کی پہلی آیت طیبہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اہل ایمان کو نبی اکرم، رسول معظم، رحمت مجسم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت و تکریم کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ کے ادب و احترام کا طریقہ اور سلیقہ سمجھایا اور آپ ﷺ کی تعظیم کے آداب سکھائے ہیں کیونکہ:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

اہل علم نے اس آیت کریمہ کے مختلف مفاہیم بیان فرمائے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

① اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی حد درجہ تکریم و تعظیم کریں۔

② اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ارشادات و فرمودات کو ہر معاملہ میں مقدم رکھیں۔

③ احکام شرعیہ میں صرف کلامِ خدا اور حدیثِ مصطفیٰ سے فیصلہ کریں۔

④ کتاب و سنت کو اپنی اور دوسروں کی آراء اور قیاسات پر ترجیح دیں۔

⑤ جس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کچھ نہ فرمائیں وہاں اہل ایمان بھی خاموشی اختیار کریں۔

⑥ کسی قول و فعل میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر سبقت نہ کریں۔

⑦ جہاد اور قوانین دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم سے پہلے کوئی فیصلہ نہ کریں۔

⑧ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ جو فیصلہ کر دیں اُس کی اطاعت کریں اور دوسری راہیں تلاش نہ کریں۔

⑨ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر برائے تعظیم و اکرام ہے، اصل حکم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو اور آپ کے نقش قدم پر چلو۔

⑩ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے کہ:

لَا تَقُولُوا خِلَافَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

”کتاب و سنت کی خلاف ورزی نہ کرو۔“

(تفسیر ابن کثیر سورۃ الحجرات آیت ۱۔)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین اور رسول رحمۃ للعالمین ﷺ پر ایمان لانے کے بعد کسی کلمہ گو کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی مرضی، حکم اور منشاء کے خلاف کوئی بات کہے یا کام کرے۔ جب اہل ایمان اللہ رب العزت کی توحید اور آپ ﷺ کی نبوت، رسالت اور ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں تو درحقیقت یہ اس امر کا اعلان ہوتا ہے کہ اب ہماری خواہشات، مرضیات، جذبات، خیالات، معمولات اور معاملات اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کے تابع ہیں، جو حکم خدا اور ارشادِ مصطفیٰ ہوگا وہی ہمارا مدعا ہوگا اور ہم زندگی بھر اس امر کے پابند ہوں گے کہ:

مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس میں یہ صفائی ہو

ادھر فرمانِ محمد ہو، ادھر گردن جھکائی ہو

شانِ نزول:

علماء تفسیر نے اس آیت مبارکہ کے نزول کا جو پس منظر بیان فرمایا ہے وہ بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ہر فیصلے، فرمان، حکم، سنت اور عمل کے سامنے اپنی رائے، قیاس اور اجتہاد کو ترک کر دیا جائے اور صرف طریقہ رسول پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو سنوارنے کی کوشش کی جائے۔

عید الاضحیٰ یعنی عید قربان کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی سنت، طریقہ اور عمل یہ ہے قربانی کا جانور عید کی نماز ادا کرنے کے بعد ذبح کیا جائے جیسا کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحِرُ مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ

قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النَّسْلِ فِي شَيْءٍ۔

(صحیح بخاری، کتاب الاضاحی۔ باب سنۃ الاضحیہ۔)

”بے شک آج (عید الاضحیٰ) کے دن کی ابتداء ہم نماز (عید) سے کریں گے، پھر واپس آکر قربانی کریں گے، جو اس طرح کرے گا اُس نے ہماری سنت کے مطابق عمل کیا اور جس نے اس سے پہلے جانور ذبح کر لیا تو اُس کی حیثیت صرف گوشت کی ہوگی جو اُس نے اپنے گھر والوں کو دیا۔ اُس کا قربانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

زمانہ رسالت مآب ﷺ میں ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے دن ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کے طریقہ کے برخلاف نماز عید سے پہلے قربانی کے جانور کو ذبح کر دیا تو سورۃ الحجرات کی پہلی آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری سورۃ الحجرات)

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدَّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَبِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر ایک کی سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

آپ لمحہ بھر کے لیے اس معاملے پر غور فرمائیں کہ دن وہی ہے..... جانور وہی ہے..... قربانی کرنے والا وہی ہے..... ذبح کرنے والا وہی ہے..... چھری وہی ہے..... گلی، محلہ اور گھر وہی ہے..... مگر چند لمحات کی تقدیم و تاخیر نے صورتِ حال کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔..... وہی جانور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد ذبح کرے گا تو بارگاہِ الہی سے اجر، ثواب اور درجات پائے گا اور قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی قربانی کرنے والے کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و منظور ہو جائے گا..... اور اگر وہی جانور تھوڑی دیر قبل ذبح کر دے گا تو طریقہ رسول کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے اُس کا یہ عمل رائیگاں جائے گا۔ وہ ثواب سے محروم رہے گا بلکہ رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے مستوجب سزا ہوگا۔ سچ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کہ ﴿لَا تَقَدَّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ نہ پیش قدمی کرو، اللہ تعالیٰ سے اور

اُس کے رسول ﷺ سے۔

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اہل ایمان کو رمضان المبارک شروع ہونے سے چند دن قبل استقبال رمضان کے روزوں سے منع فرمایا ہے جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمٍ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ يَوْمًا فَلْيَصُمْ ذَلِكَ الْيَوْمَ۔

(صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب لا یتقدم رمضان بصوم یوم)

”رمضان سے ایک یا دو دن پہلے کوئی شخص روزہ نہ رکھے البتہ وہ آدمی جو اپنے معمول کے مطابق روزے رکھتا تھا وہ اس دن روزہ رکھ لے۔“

مثلاً کوئی مرد صالح اگر ہر سوموار یا جمعرات کو روزہ رکھتا ہے اور سوموار یا جمعرات ماہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے آجائے تو ایسے آدمی کو حسب معمول روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی محترم ﷺ کی حیات مبارکہ میں کچھ لوگوں نے (نیکی کے شوق میں) ماہ رمضان کا چاند نظر آنے سے پہلے ہی روزے رکھنے شروع کر دیے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ کے تقدم سے منع کرتے ہوئے فرمایا: (تفسیر مظہری سورۃ الحجرات)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔“

لَيْسَ مِنِّي:

ایسا بد نصیب انسان جو کلمہ پڑھنے کے باوجود، نبی کریم ﷺ کے ساتھ دعویٰ محبت کے باوصف اور آپ ﷺ سے تعلق و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بھی آپ ﷺ کے طریقے سے روگردانی کرے، آپ ﷺ کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم نہ کرے اور آپ ﷺ کے فرمان سے اعراض و انحراف کرے تو آپ ﷺ نے اُسے اپنی امت سے خارج قرار دیا ہے۔ یاد رکھئے، ذہن نشین کیجئے اور قلب و ذہن میں منقش فرمائیے کہ کوئی عمل ظاہری اعتبار

سے کتنا خوب صورت نظر کیوں نہ آئے۔ اُسے کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ کیوں نہ ہو اور اُس پر عمل کرنے والوں میں بزرگ ہستیاں اور نام ور شخصیات کیوں نہ ہوں اور لوگوں کی نظروں میں وہ عمل بڑا لائق تعریف اور قابل قدر کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر وہ فعل، حرکت اور عمل اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ کے مطابق نہ ہو تو دربارِ خداوندی میں اُس عمل کی کوئی حیثیت، حقیقت اور افادیت نہیں ہے بلکہ مخالفتِ الہ اور نافرمانیِ مصطفیٰ کے باعث وہ عمل قابلِ سزا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ نماز، روزہ اور عبادت کے لیے خلوت نشینی کتنے عظیم اور نیکی کے کام ہیں لیکن یہی اعمال اگر طریقہ رسول، سنت مصطفیٰ اور سیرت پیغمبر ﷺ سے ہٹ کر اپنی مرضی، خواہش اور خیال کے مطابق سرانجام دیئے جائیں تو یہی اعمال اجر و ثواب کی بجائے وجہ عذاب ہیں۔ آئیے! میں آپ کو اس بارے میں رسول اکرم ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارکہ سناتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطًا إِلَى بَيْوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَانَهُمْ تَقَالُوهَا فَقَالُوا: وَآيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ۔ قَالَ أَحَدُهُمْ أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أَصَلِّيَ اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أَفْطِرُ وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا۔ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ: أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًا وَكَذًا؟ أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)

”تین افراد (سیدنا علی، جناب عبداللہ بن عمرو اور جناب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم) نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی خدمات میں حاضر ہوئے اور ان سے نبی

کریم ﷺ کی (انفرادی اور نفلی) عبادت کے متعلق دریافت کیا۔ جب انہیں آپ ﷺ کا عمل بتایا گیا (کہ آپ راتوں کو خاصا طویل قیام فرماتے، کثرت سے نفلی روزے رکھتے اور اکثر اوقات عبادتِ الہی میں مصروف و مشغول رہتے ہیں) تو انہوں نے آپ ﷺ کی ریاضت کے مقابلے میں اپنی نفلی عبادت کو کم تر سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی محترم ﷺ سے کیا موازنہ؟ آپ ﷺ مغفور ہونے کے باوجود اتنی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر ہمیں تو آپ سے کہیں زیادہ عبادت گزار ہونا چاہیے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک نے اپنے بارے میں کہا کہ ”آج سے میں ہمیشہ ساری رات نفلی نماز پڑھا کروں گا۔“ دوسرے نے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ ”میں زندگی بھر روزانہ نفلی روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔“ تیسرے نے فیصلہ سنایا کہ ”میں ساری زندگی عورتوں سے الگ رہوں گا۔“ (نہ بیوی بچے ہوں گے، نہ اہل و عیال کی فکر ہوگی اور نہ عبادت سے غافل ہوں گا) رسول کریم ﷺ نے ان تینوں عبادت گزاروں کی گفتگو کو سماعت فرمایا تو آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا کیا تم نے یہ باتیں کی ہیں (اور آپس میں عہد معاہدہ کیا ہے؟) اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوں لیکن (میں نے تمہاری طرح کا کوئی فیصلہ نہیں کیا) میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں (رات کو نفلی) نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی (پوری) کرتا ہوں اور میں نے کئی عورتوں سے شادیاں بھی کی ہوئیں ہیں (لہذا تمہارا یہ فیصلہ میری سنت کے خلاف ہے اور یاد رکھو) جس نے میری سنت اور میرے طریقے سے روگرانی کی وہ میری اُمت میں سے نہیں ہوگا۔“

اس فرمانِ رسول نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ جو نبی کریم ﷺ کی سنت سے اعراض، طریقہ رسول سے روگردانی اور حدیثِ مصطفیٰ سے آگے بڑھے، پیش قدمی کرے اور تقدم اختیار کرے گا وہ اُمتِ رسول سے خارج ہو جائے گا۔ چاہے:

- ☆ سجدوں کی کثرت سے اُس کے ماتھے پر محراب پڑا ہو۔
- ☆ رکوع کر کے اُس کے کمر جھک گئی ہو۔
- ☆ زیادہ قیام کی وجہ سے گردن اکڑ گئی ہو۔
- ☆ وظیفے پڑھ پڑھ کے تسبیح ٹوٹ گئی ہو۔
- ☆ مجالسِ ذکر میں بیٹھ بیٹھ کے گھٹنے سوج گئے ہوں۔
- ☆ کثرتِ قعود سے ٹخنے متورم ہو گئے ہوں۔
- ☆ شب بیداری کے باعث آنکھیں سرخ ہو گئی ہوں۔
- ☆ اوراد و اذکار سے زبان تھک گئی ہو۔
- ☆ چلے کاٹ کاٹ کر جسم سوکھ چکا ہو..... لیکن.....

اگر اس کی ریاضت، عبادت اور وظائفِ سنتِ رسول ﷺ کے مطابق نہ ہوں تو اُن کی کوئی اہمیت، حیثیت اور افادیت نہیں ہے۔ کیونکہ سورۃ الحجرات اعلان کر رہی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔“

بلکہ پیچھے پیچھے رہو۔ اتباع کرو۔ نقش قدم پر چلو اور اطاعت و فرماں برداری کا راستہ اختیار کرو کیونکہ اصل اسلام، حقیقی دین اور اساسِ شریعت یہی ہے کہ:

﴿وَمَا أَمَّاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

(۵۹/الحشر: ۷)

”اور جو کچھ تمہیں رسول ﷺ عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کر دیں اُس سے باز آ جاؤ۔“

ہمارا عقیدہ، نظریہ، نصب العین اور دستور العمل یہ ہونا چاہیے کہ:

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور پر
میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ

رشتہ میرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ ہو جائے
چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامانِ مصطفیٰ

فیصلہ رسول کی حیثیت:

قرآن و حدیث کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ دین اور دنیا کے جس معاملے میں امام الرسل ﷺ کوئی فیصلہ اور حکم فرمادیں تو کسی مومن مسلمان کے لیے اُس سے انحراف کرنا، فیصلہ رسول پر تنقید کرنا اور اُسے تسلیم کرنے سے انکار کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی بد نصیب فیصلہ مصطفیٰ سے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے تو اُسے مومن و مسلمان کہلانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ قرآن حکیم کے بایسویں پارے کی آیت ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَ مَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ط﴾ (الاحزاب: ۳۶)

”کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ کسی کام کا فیصلہ فرمادیں تو ان کیلئے اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔“

اگر اس آیت طیبہ کے شان نزول پر غور کیا جائے تو مسلمان کے عقیدہ رسالت میں پختگی اور عقیدت رسول میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے کہ جس خاص واقعہ کے بارے میں یہ بابرکت آیت نازل ہوئی وہ ایک معزز و محترم خاندان کی ایک عورت کا بالکل ذاتی، گھریلو اور خاندانی معاملہ تھا مگر جب اُس بارے میں آپ ﷺ نے فیصلہ فرمادیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دیتے ہوئے اعلان فرمادیا کہ کسی بھی معاملے میں رسول کریم ﷺ کا فیصلہ آجانے کے بعد کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ اختیار ہی حاصل نہیں ہے کہ وہ اُسے ماننے، قبول کرنے اور تسلیم کرنے سے انکار کرے اور فرمان رسول کے مقابلے میں اپنی رائے، خیال اور مرضی پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

ہوایوں کہ آپ ﷺ نے اپنے خادم، آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے خاندان، قوم اور قبیلے سے اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگ لیا، اُس وقت کے عرب معاشرے میں آزاد اور غلام۔ شاہ و گدا۔ امیر و غریب۔ غلام اور آقا، مقامی اور اجنبی اور سید اور غیر سید کے واضح امتیازات کے باعث سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سید خانوادے کو آپ ﷺ کی یہ تجویز ناگوار محسوس ہوئی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی سید زادی اور اونچے خاندان کی عورت ہونے کے خیال سے اس بات سے اتفاق نہ کیا تو اللہ رب العزت نے بذریعہ وحی اُن کو پابند فرمادیا کہ تمہیں میرے رسول ﷺ کا فیصلہ ماننا ہوگا وگرنہ حلقہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے اور ضلالت و گمراہی تمہارا مقدر ہوگی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے یہ آیت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور دیگر ”ساداتِ کرام“ کو سنائی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم، فیصلے اور تجویز کو من و عن، ہو بہو اور پوری طرح دل و جان سے تسلیم و قبول کر لیا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آزاد کردہ غلام، غریب الدیار اور پردیسی مگر رسول اکرم کے صحابی رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔

اس آیت مبارکہ میں ایمان کی بنیادی شرط ”اتباع رسول“ کو قرار دیتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ ہر ایماندار کی تمنا، آرزو اور خواہش بھی آپ ﷺ کی تعلیمات، ہدایت اور ارشادات کے تابع ہونی چاہیے۔ کسی مومن اور مسلمان کو فیصلہ رسول سے سرِ مؤاخرف کرنے، چون و چرا کرنے اور حیل و حجت سے کام لینے کی اجازت نہیں ہے۔ ہر صاحب ایمان اور ہر مسلمان کوئی بھی کام سرانجام دینے سے قبل سوچے، سمجھے اور غور کرے کہ اس بارے میں رسول اکرم ﷺ کا حکم، طریقہ اور سنت کیا ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنے عزائم و اعمال اور خواہشات و جذبات کو ارشاداتِ نبوی کے تابع نہیں کرتا اُس کا اسلام، ایمان اور دین مکمل نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم اعلان فرما رہا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ

أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ١٥﴾ (النساء: ٦٥)

”(اے رسول ﷺ) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اُس وقت تک مومن

نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کے فیصلوں کو تسلیم نہ کریں پھر آپ جو فیصلہ کریں اُس کے متعلق اپنے دلوں میں گھٹن بھی محسوس نہ کریں اور اس فیصلہ کو پوری طرح تسلیم و قبول کر لیں۔“

حضرات! اسلامی تعلیمات کا خلاصہ، احکام اسلام کی تلخیص اور قرآنی آیات کا نچوڑ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمان برداری کی جائے۔ اُن کے فیصلوں کا احترام کیا جائے اور اُن کے احکام و فرمودات پر عمل کیا جائے اور ہر معاملے اور ہر مسئلے میں آپ ﷺ کے فیصلہ ہی کو حرفِ آخر تسلیم کیا جائے اور یہ عقیدہ اور عمل بنا لیا جائے کہ ہر ایک کے فیصلے کو چھوڑا، ترک کیا اور پسِ پشت ڈالا جاسکتا ہے مگر فیصلہ رسول کے ساتھ یہ سلوک اور رویہ نہیں اپنایا جاسکتا۔ اگر کوئی بد نصیب ایسا کرتا ہے تو اُسے اپنا برا انجام پیشِ نگاہ رکھنا چاہیے کہ:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝﴾

(۴/النساء: ۱۱۵)

”اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت کرے اور مؤمنین (صحابہ کرام) کے علاوہ کسی اور راستے کی اتباع کرے تو ہم اُسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا ہے اور ہم اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔“

آپ اس آیت کے الفاظ کی شدت پر توجہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ سے آگے بڑھنے والے، پیش قدمی کرنے والے اور آپ ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت کرنے والے کی کیسے شدید انداز میں مذمت فرمائی اور واشگاف الفاظ میں اُسے جہنمی قرار دیتے ہوئے اُس پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے کہ فیصلہ رسول کی مخالفت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور نافرمانی کرنا ہے۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و قرار

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والا فاسق، فاجر، منافق بلکہ کافر و مشرک تو ہو سکتا ہے مگر مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الحجرات کی پہلی آیت مبارکہ کے الفاظ کی روشنی میں اس کا امر اعلان و اظہار اشد ضروری ہے کہ دُنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے..... اللہ رب العالمین کی خوشنودی کے لیے..... جنت کے حصول..... جہنم سے آزادی..... قبر کے آرام..... حشر کی کامرانی..... اور آخری نجات کے لیے ”اتباعِ مصطفیٰ ﷺ“ سب سے ضروری، اہم اور بنیادی چیز ہے جو آپ ﷺ کا فرماں بردار و وفادار ہے وہ جنت کا حقدار ہے اور جو آپ ﷺ کا نافرمان، بے ادب، گستاخ اور مخالف ہے وہ اس جہان میں بھی ذلیل و ناکام ہے اور اُس جہان میں بھی مستحقِ نار ہے۔ قرآن حکیم واضح فرما رہا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدَّ مَوَابِينَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے فیصلوں سے آگے نہ بڑھو۔“

فاروقِ اعظم کا فیصلہ:

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نام، کام اور مقام سے آپ واقف ہیں، آپ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابی، مقتدر رفیق اور جاں نثار ساتھی تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی زبانِ رسالت سے آپ رضی اللہ عنہ کو ”فاروق“ یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی شخصیت قرار دیا ہے۔ اسلام کی تاریخ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت اس پر شاہدِ عدل ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کئی ایسے فیصلے فرمائے جس سے واقعتاً حق و باطل کے درمیان امتیاز و فرق واضح ہو گیا۔ حق غالب آیا۔ باطل کو شکست ہوئی اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ان فیصلوں کی تائید و تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے عرش سے قرآنی آیات کو نازل فرما دیا۔ موضوع کی مناسبت سے آپ رضی اللہ عنہ کا صرف ایک فیصلہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

مدینہ معظمہ میں ”بشر“ نامی ایک شخص رہائش پذیر تھا۔ جس نے دُنیاوی مفادات کی خاطر بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا مگر حقیقتاً وہ منافق اور نبی مکرم ﷺ کا مخالف اور

تا فرمان تھا۔

ایک مرتبہ اس منافق مگر بظاہر کلمہ گو اور ایک یہودی کے درمیان زمین یا کسی اور معاملے پر جھگڑا ہو گیا اور نوبت کسی تیسرے شخص سے فیصلہ کروانے تک جا پہنچی۔ یہودی نے بشر سے مطالبہ کیا کہ اس تنازعہ کا فیصلہ تمہارے پیغمبر، نبی اور رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے کروا لیتے ہیں، وہ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے مجھے من و عن قبول ہوگا اور میں ”فیصلہ رسول“ پر کوئی اعتراض اور تنقید نہیں کروں گا۔ اب حق تو یہ تھا کہ بشر فریق مخالف کی اس تجویز کو فوراً تسلیم کر کے اپنے مومن و مسلمان ہونے کا ثبوت فراہم کرتا اور اس یہودی کو ساتھ لے کر اسی وقت دربار رسالت میں حاضر ہو جاتا مگر چونکہ اس کے دل میں چور تھا اور اسے معلوم تھا کہ دربار رسالت سے حق اور سچ کا فیصلہ ہوگا۔ وہاں کوئی سفارش کام نہ آئے گی اور آپ ﷺ سے طرف داری کی اُمید بھی نہیں کی جاسکتی۔ لہذا اس نے متبادل تجویز دی کہ اس امر کا فیصلہ نبی اکرم ﷺ کی بجائے یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف سے کروایا جائے۔ یہودی اس نام نہاد مسلمان کی اس بات پر بڑا متعجب اور حیران ہوا اور اسے ملامت کے انداز میں کہا کہ ”تم کیسے مسلمان ہو جو اپنے رسول ﷺ سے فیصلہ کروانے کی بجائے ہمارے سردار سے فیصلہ کروانے کا مطالبہ کر رہے ہو؟“ چنانچہ اس کلمہ گو کو مجبوراً تنازعہ کا فیصلہ کروانے کے لیے نبی مکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونا پڑا۔ جب وہ دونوں دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ عدالت مصطفیٰ ﷺ میں پیش کیا تو شہنشاہِ عدل ﷺ نے فریقین کے دلائل کو بغور سماعت فرمانے کے بعد کسی قسم کی رعایت اور مذہب کی تمیز کے بغیر یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ (تفسیر روح المعانی سورۃ نور آیت: ۴۷)

حضرات! یہ اسلامی نظامِ عدل کا امتیاز اور اعجاز ہے کہ اس میں مذہب و ملت، اپنے اور بیگانے بلکہ مسلم و غیر مسلم کی تمیز کے بغیر حق و انصاف کے فیصلے کیے جاتے ہیں اور کسی عزیز، رشتہ دار اور ہم مذہب کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں فیصلہ کے وقت مدعی اور مدعا علیہ کی معاشرتی، مالی اور مذہبی حالت کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ حق و صداقت کو معیار بنایا جاتا ہے۔ اسلام کے عدالتی نظام میں کسی قسم کی سفارش، دھونس اور

دھاندلی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارا پیارا ملک، پاکستان جسے اسلام کے نام پر اور اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ یہاں کی عدالتوں میں انگریزی قانون کے مطابق فیصلے کیے جاتے ہیں اور اکثر ججوں، عدالتی اہل کاروں اور دوسرے عملے کی کرپشن کا یہ عالم ہے کہ یہاں قتل جیسے سنگین جرائم کے فیصلے سفارشوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور رشوت کے ذریعے فیصلے تبدیل کروائے جاتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس ملک اور دنیا بھر میں اسلام کو غلبہ نصیب فرمائے اور ہمارے ملک سمیت پورے عالم اسلام کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

جب رسولِ امین جناب محمد کریم ﷺ نے دلائل، شواہد اور قرآن کی بنیاد پر مقدمے کا فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا تو بشر نامی منافق (مگر بظاہر مسلمان) کو رسولِ اکرم ﷺ کا فیصلہ پسند نہ آیا اور وہ اس مبنی برحق فیصلے پر اظہارِ ناراضگی کرتے اور ناک منہ چڑاتے ہوئے دربارِ رسالت سے باہر آ گیا اور اپنے فریقِ مخالف یہودی کو کہا: نَتَّحَاكُمُ اِلٰی عُمَرَ۔ ”ہم اس تنازعے اور مقدمے کا فیصلہ جناب عمر رضی اللہ عنہ سے کروائیں گے۔“ وہ یہودی اس نام نہاد کلمہ گو کی بات سے مزید حیران ہوا ہو گا اور اُس نے اس منافق سے سوال کیا ہو گا کہ کلمہ تو تم محمد رسول اللہ ﷺ کا پڑھتے ہو اور مقدمے کا فیصلہ (آپ ﷺ کے فیصلے کے بعد) عمر رضی اللہ عنہ سے کرواتے ہو؟ جبکہ اصول، ضابطہ اور قانون یہ ہے کہ لوگ جس کا کلمہ پڑھتے ہیں اُس کی ہر بات اور حکم تسلیم کرتے ہیں۔ جب بشر نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانے پر اصرار کیا تو یہودی یہ سوچ کر کہ..... جب ان کے رسول ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے تو کوئی اُمتی خصوصاً جناب عمر رضی اللہ عنہ اپنے آقا ﷺ کے فیصلے کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں؟..... اس امر پر آمادہ اور تیار ہو گیا کہ چلو اس مقدمہ کا دوبارہ فیصلہ جناب عمر رضی اللہ عنہ سے کروا لیتے ہیں، چنانچہ وہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کلمہ گو منافق نے بڑی ہوشیاری، چالاکی اور تیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گفتگو شروع کر دی کہ اے عمر! میں مسلمان، مومن اور آپ کا ساتھی ہوں جبکہ یہ شخص یہودی، غیر مسلم اور مسلمانوں کا مخالف ہے۔ ہم دونوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے اور ہم اپنے تنازعہ کا فیصلہ کروانے آپ کے پاس آئے ہیں۔ لہذا آپ مہربانی

فرما کر مجھ مسلمان اور اس یہودی کے مابین حق و انصاف کا فیصلہ فرمادیں۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی سے صورت حال کی وضاحت چاہی تو اُس نے کہا: مجھے آپ سے فیصلہ کروانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے مگر آپ فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بات سن لیں کہ:

قَضَى لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرْضَ بِقَضَائِهِ۔

”اس مقدمہ کا فیصلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں فرما چکے ہیں۔ مگر یہ

(مسلمان) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہیں ہے۔“

اسی لیے یہ مجھے آپ کے پاس لایا ہے اور چاہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد آپ سے بھی فیصلہ کروائے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کی یہ بات سن کر بشر سے پوچھا۔ اے بشر! کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟ تو اُس نے کہا کہ ہاں۔ بات تو اس کی ٹھیک ہی ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شدید غصہ آیا کہ یہ کیسا مسلمان ہے جو فیصلہ رسول کے بعد کسی دوسرے سے فیصلہ کروانے کا خواہش مند ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں سے فرمایا: ”تم دونوں یہیں ٹھہرو، میں اندر سے ہو کر آتا ہوں“ آپ اپنے گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اندر ہی اپنی تلوار کو نیام سے باہر نکال لیا اور اُن کے پاس آتے ہی ننگی تلوار منافق کی گردن پر ماری اور اُس کا سرتن سے جدا کرتے ہوئے فرمایا:

هَكَذَا أَقْضِي لِمَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔

”جو شخص (مسلمان ہو کر) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی

نہیں ہوتا اُس کے بارے میں میرا یہی فیصلہ ہے کہ اُسے دُنیا میں زندہ رہنے کا

کوئی حق نہیں ہے۔“

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے مدینہ طیبہ میں کہرام برپا ہو گیا، ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگ آپس میں تبصرے کرنے لگے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ گو مسلمان کو قتل کر دیا ہے لہذا آپ سے قصاص لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کی توثیق و تائید کے لیے قرآن حکیم کی آیت نازل فرمادی اور واضح کر دیا کہ جو شخص دعوائے ایمان کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم و قبول نہیں کرتا وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے،

اور عمر رضی اللہ عنہ نے کسی مسلمان کو نہیں بلکہ منافق کو قتل کیا ہی اور عمر رضی اللہ عنہ سے منافق کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ارشاد ہوا۔

﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۖ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝﴾ (النور: ۴۷، ۴۸)

”اور وہ کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور (اُس کے) رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ہم فرماں بردار ہیں پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ نے (ایمان و اطاعت سے) منہ پھیر لیا اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک جماعت روگردانی کرتی ہے۔“

مفسر قرآن علامہ سید آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اس آیت طیبہ کی تفسیر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ پھر جناب جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور نبی اکرم ﷺ سے فرمایا:

أَنَّ عُمَرَ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَسُمِّيَ لِذَلِكَ الْفَارُوقَ۔
”یقیناً عمر رضی اللہ عنہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی شخصیت ہیں۔ چنانچہ اسی (واقعہ کی) وجہ سے ہی سیدنا عمر کا نام ”فاروق“ رکھا گیا۔“

(روح المعانی، سورۃ نور، آیت: ۴۸)

افسوس صد افسوس:

حضرات! ہم میں سے ہر شخص اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات و معمولات پر غور کرے اور سوچے کہ کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں یا آگے بڑھ رہے اور تقدم اختیار کر رہے ہیں۔ آئیے فکر کریں۔

☆ کیا ہماری خوشیاں، رسول اکرم ﷺ کی خوشیوں کے مطابق ہیں؟

☆ کیا ہم اپنے صدمات اور غم کے لمحات آپ ﷺ کی سیرت کے مطابق گزارتے ہیں؟

- ☆ کیا ہماری تجارت اور معیشت اُسوۂ رسول ﷺ کے مماثل ہے؟
 - ☆ کیا ہماری رشتے داریاں اور تعلق داریاں آپ ﷺ کی سیرت کے مطابق ہیں؟
 - ☆ کیا ہماری مخالفتیں اور دشمنیاں رسول اکرم ﷺ کے لیے ہیں؟
 - ☆ کیا ہمارا اپنے بیوی بچوں سے سلوک آپ ﷺ کے سلوک جیسا ہے؟
 - ☆ کیا ہماری خانگی اور گھریلو زندگی نبی معظم ﷺ کی زندگی جیسی ہے؟
 - ☆ کیا ہماری عبادت، آپ ﷺ کی عبادات سے کچھ تعلق رکھتی ہیں؟
 - ☆ کیا ہمارا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، پہننا، سنورنا، آنا، جانا، بولنا، تولنا، ملنا، بچھڑنا، سونا، جاگنا، اور لینا، دینا رحمت مجسم ﷺ جیسا ہے؟
 - ☆ کیا ہمارے شب و روز۔ لیل و نہار اور صبح و شام آپ ﷺ کی طرح ہیں؟
 - ☆ کیا ہماری دوستیاں اور دشمنیاں آپ ﷺ کی خاطر ہیں؟
 - ☆ کیا ہماری مساجد کے انتظام و انصرام کی مسجد نبوی کے انتظام کے ساتھ کوئی مماثلت ہے؟
 - ☆ کیا ہمارے کاروبار، طریقہ رسول ﷺ کے مطابق ہیں؟
 - ☆ کیا ہمارا اپنے ملازمین و خادمین سے سلوک امام الرسل کے سلوک سے کوئی مطابقت رکھتا ہے؟
 - ☆ کیا ہماری سیاست و ریاست حاکم مدینہ ﷺ کے اصولوں کے موافق ہے؟
 - ☆ کیا ہمارا آئین و قانون نبی کریم ﷺ کی شریعت سے متصادم نہیں ہے؟
 - ☆ کیا ہمارا اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا اسلام ایک جیسا ہے؟
 - ☆ کیا ہمارا لباس، حجامت، وضع، قطع، اور طرز زندگی آپ ﷺ کے سیرت کے مماثل ہے؟
- افسوس صد افسوس کہ زندگی کے کسی شعبہ کے بارے میں بھی ہم دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ کہ ہمارا طرز عمل اور طریقہ رسول پاک ﷺ کی تعلیمات و ہدایات اور احکامات کے مطابق ہے۔ تو پھر سوچئے! کیا ہم آپ ﷺ سے آگے بڑھ رہے ہیں یا بہت پیچھے رہ رہے ہیں۔ جبکہ قرآن حکیم ہم سے تقاضا اور مطالبہ کرتا ہے کہ تمہاری زندگی کا ہر عمل محسن انسانیت ﷺ کی سیرت پاک کے موافق ہونا چاہیے۔ یہ آیت مبارکہ ہر فرد و بشر کیلئے مشعل راہ ہے کہ۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۲۳/ الاحزاب: ۲۱)

”البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے۔“

آج مسلمانوں کی اکثریت ”تقدم رسول“ کے جرم میں ایسی مبتلا ہوئی ہے کہ ”اتباع رسول“ کا جذبہ ختم ہو رہا اور احساس مٹ رہا ہے۔ جس کا جو جی چاہے کرتا پھرتا ہے اور اُسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، ہم نے دین اسلام کو صرف چند مخصوص عبادات تک محدود کر لیا اور اس کی عالمگیریت اور جامعیت کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ ہماری نوجوان نسل علم و عمل سے عاری اور چند جذباتی نعروں کو ہی محبت رسول کی انتہاء سمجھ رہی ہے۔ ہمارے مذہبی رہنما اسلام کے زریں آفاقی اصولوں سے نا آشنا اور مخصوص فقہی مسائل کی تبلیغ و اشاعت کو ہی اسلام کی خدمت قرار دے رہے ہیں اور مناظرات و مباحثات میں الجھ کر منافرت کا ماحول پیدا کر کے۔ یَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ پر عمل پیرا ہیں۔ ہمارے سیاسی قائدین غیر مسلم اقوام کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو چکے اور انہیں کے مقاصد کی تکمیل کیلئے کوشاں ہیں۔ کسی کا قبلہ و اشگلشن اور کسی کا کعبہ لندن ہے، کوئی جمہوریت کے نام پر اپنی چاندی کھری کر رہا اور کوئی آمریت کی گود میں پل رہا ہے۔ کوئی کشتکول توڑنے کا اعلان کر کے عوام کو بے وقوف بنا رہا اور کوئی کا سہ گدائی لیے ملک ملک مانگتا پھر رہا ہے۔ کوئی زلزلہ زدگان کیلئے آئی ہوئی امداد پر ہاتھ صاف کر رہا اور کوئی سیلاب زدگان کے نام پر مال بٹور رہا ہے۔

ان تکلیف دہ اور ناگفتہ بہ حالات میں رجوع فرمائیے۔ قرآن و حدیث کی طرف۔ مطالعہ کیجئے سیرت رسول ﷺ کا۔ اور کوشش کریں معاملات کو سنوارنے اور سدھارنے کی۔ آئیے! قرآنی احکام کے مطابق سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں۔ پھر اپنے اہل خانہ بیوی اور بچوں کی تربیت کریں۔ پھر اپنی گلی اور محلے کے لوگوں کو دین کی دعوت دیں۔ پھر اپنے شہر کے باشندوں کو دینی علوم سے آشنا کریں۔ پھر اپنے ملک کے عوام تک اسلام کا پیغام محبت عام کریں اور پھر ساری دنیا کو ایک اللہ تعالیٰ کا غلام بنانے کیلئے رسول اکرم ﷺ کے دعوتی اسلوب اور طریق کار کو اپنا کر دنیا اور آخرت میں سرخرو اور کامیاب ہو جائیں۔ اور اس کا ایک

ہی طریقہ۔ ایک ہی سلیقہ اور ایک ہی اصول ہے کہ۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

”اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔“

یاد رکھیے! اگر ہم نے اپنی اس ذمہ داری کو ادا نہ کیا۔ اپنے فرائض میں کوتاہی کی اور اسی طرح سستی، کاہلی اور بے عملی کا شکار رہے تو قرآن حکیم فرماتا ہے۔

﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾

(۴۷/ محمد: ۳۸)

”اور اگر تم روگردانی کرو گے تو وہ (اللہ تعالیٰ) تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے

گا، جو تمہاری طرح (نافرمان اور باغی) نہیں ہوگی۔“

حقیقت یہ ہے کہ لَا تَقْدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کے مختصر مگر جامع الفاظ و

کلمات میں معانی و مطالب اور مفہامیم و معارف کا ایسا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے کہ:

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

یہ فرمان الہی صرف ایمانداروں کی انفرادی، شخصی اور ذاتی زندگی تک ہی محدود و مقید نہیں

ہے بلکہ اجتماعی، قومی اخلاقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، اور اقتصادی زندگی کے تمام گوشوں پر

محیط ہے۔ کسی فرد، افراد، اسمبلی، ادارے، عدالت اور کونسل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کوئی ایسا

قانون، آئین اور ضابطہ تشکیل دے جو کتاب و سنت سے متصادم اور اللہ تعالیٰ اور رسول

اللہ ﷺ کے احکام کے خلاف ہو۔ کیونکہ قرآن عزیز تمام ایمان والوں کو پابند فرما رہا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔“

خلاصہ یہ ہے کہ۔

یہی فیصلہ ہے کتابِ ہدی کا

مخالف نبی ہے مخالف خدا کا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو احکام خدا اور سنت مصطفیٰ پر عمل کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

الفاظ میں تبدیلی:

احادیث مبارکات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ کسی شخص، اشخاص جماعت، تنظیم، انجمن، ادارے، عالم، فاضل، مفتی، مجتہد، امام، خطیب، استاد، شیخ، مصنف، مؤلف، مفسر، محدث، اور فقیہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ نبی آخر الزماں، سرور کون و مکاں، رسول جہاناں جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرمان، ارشاد، حکم، یہاں تک کہ دُعائیہ الفاظ و کلمات اور حروف میں بھی رد و بدل، تحریف اور تغیر کر سکے۔ اس ضمن میں صرف ایک حدیث پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سیدنا براء بن عازب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھے حکم فرمایا کہ جب تم رات کو سونے کے لیے اپنے بستر کی طرف آؤ تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرو۔ پھر اپنی دائیں کروٹ لیٹ کر یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اَسَلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَالْجَاثُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَا وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ۔

”اے میرے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا اور اپنا معاملہ تیرے ہی سپرد کیا اور میں نے اپنی کمر کو تیرے لیے جھکا دیا، تیری طرف (ثواب کیلئے) رغبت کرتے ہوئے اور (تیرے عذاب سے) ڈرتے ہوئے۔ تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور راہ نجات نہیں ہے۔ اے میرے اللہ! جو تو نے کتاب نازل فرمائی میں اس پر ایمان لایا اور جو نبی تو نے بھیجا میں اس پر ایمان لایا۔“

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

”اگر تم یہ کلمات پڑھ کر سوئے اور اسی رات فوت ہو گئے تو تجھے فطرت اسلام پر موت آئے گی۔“

سیدنا براء بن عازب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا بیان ہے کہ:

میں نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے ان دعائیہ کلمات کو یاد کرنے کے لیے دوبارہ پڑھا۔

تو میں نے ”آمَنْتُ بِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ“ کی بجائے ”بِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ“ یعنی ”نبی“ کے لفظ کی بجائے ”رسول“ کا لفظ بول دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایسے نہیں، بلکہ ”نَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ“ ہی کہو۔

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات۔ باب اذابات طہرا)

آپ غور فرمائیں کہ ”رسول“ سے مراد بھی آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور ”نبی“ بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔ مگر آپ ﷺ نے اپنے صحابی کو ”نبی“ کی جگہ ”رسول“ پڑھنے سے روک دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

”اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔“

بلکہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلو، آپ کی کامل اتباع کرو اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرو۔ اسی میں دنیا کا بھلا اور اسی میں آخرت کی نجات ہے۔

حضرات! یہی ہماری دعوت، یہی ہمارا مشن، یہی ہماری تبلیغ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی عقیدہ و فکر پر زندہ رکھے اور اسی پر موت نصیب فرمائے۔ آمین.....

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

www.kitabosunnat.com

خطبہ نمبر ۲

تقویٰ کی اہمیت و ضرورت

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ
 اللّٰهَ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے آگے نہ
 بڑھو اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، سب
 کچھ جاننے والا ہے۔“

تسبیحات و تحمیدات کے لائق صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے جو ساری کائنات کا
 خالق و مالک، رازق اور حاکم و متصرف ہے۔ ذات الہی کی ابتداء ہے نہ انتہاء۔ اُس کا کوئی
 آغاز ہے نہ اختتام۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا اور وہ وحدہ لا شریک اور
 عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِير ہے۔ ساری کائنات اُس کی محتاج مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ
 سب کو کھلاتا ہے مگر خود کھانے کی حاجت سے مبرا ہے۔ وہی ہر ایک کا حاجت روا اور مشکل کشا
 ہے۔ وہی اولاد دینے والا، رزق عطا فرمانے والا اور حیات و ممات کا مالک و خالق ہے۔

اللہ رب العالمین ہم سب کی طرف سے لاتعداد، بے شمار اور ان گنت درود و سلام نازل
 فرمائے اُس ذات گرامی پر جن کا نام نامی اسم گرامی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہے، جنہیں خالق
 کائنات نے اپنی تمام مخلوقات میں سب سے افضل، اعلیٰ اور بہتر و برتر بنایا ہے۔ وہ خاتم
 النبیین، رحمۃ للعالمین اور امام المرسلین ہیں۔ اُن کی فرماں برداری دنیا اور آخرت کی نجات کا
 ذریعہ اور نافرمانی دونوں جہانوں کے نقصان اور عذاب کا سبب ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
 اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
 اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی

إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ

گزشتہ خطبہ جمعۃ المبارک میں سورۃ الحجرات کی پہلی آیت مبارکہ کی تشریح و تفسیر اور تعبیر و تذکیر کے ضمن میں اس امر کی وضاحت کی گئی تھی کہ ہر مومن و مسلمان کی شرعی ذمہ داری اور دینی فریضہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات اور جمیع معمولات میں قرآن و حدیث سے راہنمائی حاصل کرے اور کسی صورت بھی کتاب و سنت سے روگردانی و اعراض کرنے اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ اس سورت مطہرہ کی پہلی آیت کریمہ کا دوسرا حکم یہ ہے کہ تمام اہل ایمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں ”تقویٰ“ اختیار کریں، پرہیزگاری کو اپنائیں اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ

اللَّهُ سَبِيعٌ عَلِيمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱)

”اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور تم اللہ

تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سب کی سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے ڈرو:

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مفہوم قطعاً یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ رب کائنات کی شکل و صورت

ڈراؤنی ہے لہذا اس سے ڈرنا اور خوف کھانا چاہیے۔ نہیں بالکل نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی

خوبصورت، حسین و جمیل، باکمال اور بے مثل و بے مثال ذات ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ

(صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب تحریم الکبر و بیانہ)

”بیشک اللہ از حد خوبصورت ہے اور جمال و نفاست کو پسند فرماتا ہے۔“

بلکہ قرآن حکیم کے مطالعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آواز بھی بہت خوب

صورت، دل نشین اور پُرکشش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ

سبحانہ و تعالیٰ کی پیاری پیاری آواز سنی تو آپ بے ساختہ پکار اٹھے۔ اے اللہ! مجھے اپنے دیدار

سے مشرف فرما۔ کتاب الہی کا نوداں پارہ فرماتا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ طور پر چالیس روزہ اعتکاف کرو۔ یعنی چالیس دن یہاں آکر مسلسل میری عبادت کرو تو میں تمہیں قانون کی کتاب ”تورات“ عطا فرماؤں گا۔ چنانچہ بحکم الہی جناب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے اور مقررہ جگہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ چالیس دن کی شبانہ روز عبادت و ریاضت کے بعد اللہ رب العزت نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو ”ہم کلامی“ کا اعزاز و شرف عطا فرمایا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے جب بلا واسطہ کلام الہی کی سماعت فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی زبان قدرت کے الفاظ سنتے ہی ایسی عجیب لذت، سرور اور خوشی حاصل ہوئی کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے بے خود اور فرط محبت سے مغلوب ہو کر دربار الہی میں درخواست پیش کر دی کہ اے مولائے کریم! درمیان سے یہ حجابات، رُکاوٹیں، اور پردے دور فرما دے تاکہ میں تیرے دیدار اور زیارت کی سعادت حاصل کر سکوں۔

عرش سے آواز آئی۔ اے موسیٰ: تم اس فنا ہو جانے والے وجود اور ان فانی آنکھوں سے میرے دیدار کے متحمل نہیں ہو سکو گے، میں تمہارے جذبات و احساسات کی قدر کرتا ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس پہاڑ کی طرف بغور دیکھو۔ میں اس پر اپنی تجلیات کی چند کرنیں ڈالنے والا ہوں۔ اگر یہ پہاڑ میرے جلال و جمال کی چند شعاعیں برداشت کر گیا اور اپنی جگہ پر قائم رہا تو پھر تم بھی میرا دیدار کر سکو گے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنے نور کی ایک کرن ڈالی تو بے انتہاء وزنی پہاڑ کا وہ حصہ ریت کے ذرات میں تبدیل ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام اس منظر کو برداشت نہ کر سکے اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو فوراً پکار اٹھے۔ اے اللہ! میں تیری عظمت و جلالت کا اقرار کرتا ہوں۔ اپنے مطالبے سے رجوع کرتا ہوں اور اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ اس فانی دنیا میں ان فانی آنکھوں سے تیرا دیدار ممکن نہیں ہے۔

قرآن مجید اس عجیب داستان کو اپنے معجزانہ اختصار کے ساتھ یوں بیان فرماتا ہے کہ:

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِبِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ قَالَ رَبِّ ارِنِي ۖ أَنْظُرْ إِلَيْكَ ط

قَالَ لَنْ تَرِيَنِي وَلَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرِيَنِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٠﴾

(٤/ الاعراف: ١٢٣)

”اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت اور جگہ آگئے اور اُن سے اُن کے رب نے کلام فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے پروردگار! مجھے اپنا آپ دکھائیے تاکہ میں ایک نظر تجھے دیکھ لوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔“ اور لیکن اس پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو پھر تم مجھے دیکھ سکو گے۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر جلوہ ڈالا تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب انہیں افاقہ ہوا تو عرض کرنے لگے (اے میرے پروردگار!) تیری ذات پاک ہے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔“

قرآن مجید فرقان حمید کے بیان فرمودہ اس سچے واقعہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ پُر انوار کی زیارت اور دیدار اس جہان فانی میں ممکن نہیں ہے۔ البتہ روزِ حشر اور جنت میں اہل ایمان اور صالحین و ابرار کو اللہ تعالیٰ اپنا دیدار نصیب فرمائے گا جیسا کہ سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ فَنَظَرْنَا إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً يَعْنِي الْبَدْرَ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرُونَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تَصَافُونَ فِي رُؤْيَيْهِ۔

(صحیح بخاری، کتاب مواقیات الصلاة، باب فضل صلاة العصر)

”ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف دیکھا یعنی چودھویں کے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا: ”جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اسی طرح تم اپنے رب کا دیدار کرو گے اور تمہیں اس چاند کو دیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی (اور رب العالمین کی زیارت کے وقت بھی کوئی زحمت نہیں ہوگی)۔“ سبحان اللہ۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شکل و صورت سے خوف کھایا جائے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات اور بات تو انتہائی خوبصورت، باکمال، بے مثال، لاجواب اور پُر جلال ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے عذاب، گرفت اور سزا سے ڈرا جائے۔ اور ایسے اعمال و افعال کیے جائیں جن کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کے عذابِ جہنم سے محفوظ و مامون رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَبِيعٌ عَلِيمٌ﴾

”اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

تقویٰ کا مفہوم:

سورۃ الحجرات کے یہ الفاظ: ”اتَّقُوا اللَّهَ“ اللہ تعالیٰ کی آخری مقدس و متبرک کتاب قرآن عزیز میں تقریباً پچپن ۵۵ بار استعمال فرمائے گئے ہیں۔ کہیں حکم ہوا۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ کبھی فرمایا: فَاتَّقُوا اللَّهَ اور کبھی ارشاد فرمایا: ”اتَّقُوا اللَّهَ“ اس تکرار اور ایک ہی حکم کو بار بار بار دہرانے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، تقویٰ اختیار کرتے اور پرہیزگاری اپنانے کی اہمیت و فضیلت واضح ہوتی ہے۔

”تقویٰ“ کا لغوی معنی ڈرنا، بچنا، پرہیز کرنا، حفاظت کرنا، تکلیف دہ اور اذیت ناک چیز سے احتیاط اور نگرانی کرنا ہے، شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل پیرا ہونے گناہوں سے بچنے اور اپنے اعضاء و جوارح کی نگرانی کرنے کا نام ”تقویٰ“ ہے۔

معروف سیرۃ نگار سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”تقویٰ اصل میں وقوی ہے۔ عربی زبان میں اس کے لغوی معنی بچنے، پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں۔ لیکن وحی محمدی ﷺ کی اصطلاح میں یہ دل کی اُس کیفیت کا نام جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اُس احساس کا نام

ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اُس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔“

(سیرۃ النبی ﷺ، جلد ۵ عبادات قلبی)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ”الدر المنثور“ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام رحمہم اللہ اور دیگر اکابر امت کی زبانی ”تقویٰ“ کی متعدد تعریفات بیان فرمائی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے اور احکام الہی پر عمل پیرا ہونے کا نام ”تقویٰ“ ہے۔

☆ کبیرہ گناہوں سے اجتناب و پرہیز ”تقویٰ“ کہلاتا ہے۔

☆ ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچنے کو ”تقویٰ“ کہا جاتا ہے۔

☆ ادائے فرائض اور ترکِ محرمات کا نام ”تقویٰ“ ہے۔

☆ ولی رضا مندی سے اسلامی احکام پر عمل کرنے اور شرعی ممنوعات سے بچنا ”تقویٰ“ ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر ہدایت پر ڈٹے رہنے اور گناہوں کو ترک کر دینا ”تقویٰ“ کہلاتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر صبر اور قضاء الہی پر راضی رہنا ”تقویٰ“ ہے۔

☆ ہر وقت اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رکھنے کا نام ”تقویٰ“ ہے۔

(الدر المنثور، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲)

تقویٰ کا مقام:

جیسا کہ تقویٰ کی تعریفات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تقویٰ کا اصل مقام اور مرکز انسان کا دل ہے۔ اگر دل میں خوفِ خدا موجزن نہ ہو، قلب میں ملاقاتِ الہی کا شوق فراواں نہ ہو اور سینہ نورِ اسلام سے منور نہ ہو تو کوئی چیز انسان کو گناہوں سے بچا نہیں سکتی اور نیک اعمال بجالانے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ اسی لیے اسلامی تعلیمات میں دل کی اصلاح پر زور دیا گیا اور شبہ میں ڈالنے والی چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:
 الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ
 مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِزِّهِ وَمَنْ
 وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَّاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ
 يُوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ
 أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا
 فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدينه)

”حلال چیزوں کا حکم واضح ہے اور حرام اشیاء کا حکم بھی واضح ہے اور ان دونوں
 یعنی حلال و حرام کے درمیان کچھ امور شبہ میں ڈالنے والے ہیں جن (کی حلت و
 حرمت) کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہ پیدا کرنے والی چیزوں سے بچ
 گیا تو اُس نے اپنا دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جس کسی نے ان شبہات میں
 ڈالنے والے امور کو اختیار کر لیا (تو وہ آخر کار حرام کام میں پڑ جائے گا) جیسے کوئی
 چرواہا اگر اپنے جانوروں کو چراہ گاہ کے آس پاس چرائے گا تو ہو سکتا ہے کہ اُس
 کے جانور چراہ گاہ میں داخل ہو جائیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی ایک چراہ گاہ ہوتی
 ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراہ گاہ اُس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ خبردار! جسم میں گوشت
 کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو
 جائے تو سارا جسم خراب ہو جائے گا۔ خبردار! یہ گوشت کا ٹکڑا ”دل“ ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا دل ہی اُس کے جذبات، احساسات، خیالات اور جسم کی
 حرکات و سکنات کا مرکز و محور ہے۔ سب سے پہلے دل ہی میں کسی کام کے کرنے کی خواہش
 پیدا ہوتی ہے پھر انسان اُسے عملی جامہ پہنانے کی تگ و دو کرتا ہے، اس لیے قرآن و حدیث
 میں دل کی اصلاح و پاکیزگی اور طہارت قلب کی بار بار تلقین و تاکید کی گئی ہے۔ اس حدیث
 مبارکہ میں اس امر کی بھی نشان دہی فرمائی گئی ہے کہ حرام و مکروہات کے ساتھ ساتھ کراہت یا
 حرمت کا شبہ پیدا کرنے والی چیزوں کو بھی ترک کر دینے کا نام ہی ”تقویٰ“ ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کے مقام کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین بار اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”التَّقْوَىٰ هَهُنَا“ اصل تقویٰ یہاں ہے۔“

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم.....)

ایک دوسری حدیث طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ اور قلب کا تعلق واضح کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَىٰ صُورِكُمْ..... وَفِي رِوَايَةٍ وَأَمْوَالِكُمْ. وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَأَشَارَ إِلَىٰ صَدْرِهِ..... وَفِي رِوَايَةٍ وَأَعْمَالِكُمْ.

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم وخذله.....)

”یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اجسام، تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال (کی قلت و کثرت) کو نہیں دیکھتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب و اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔“

تقویٰ کی مثال:

تقویٰ کی اہمیت، افادیت اور حیثیت کے باعث بزرگان سلف ایک دوسرے سے اس کے بارے میں سوال و جواب فرماتے اور تقویٰ کی حقیقت اور اصلیت سے واقفیت کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ:

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ”تقویٰ“ کے بارے میں سوال فرمایا تو جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: هَلْ أَخَذْتَ طَرِيقًا ذَا شَوْكٍ؟ کیا آپ کبھی خاردار راستے پر چلے ہیں؟ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا تو جناب ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آپ کو کانٹوں والی راہ پر چلنے کا اتفاق ہو تو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر میں اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر بڑی احتیاط سے

چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تو جناب اُبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فَذَاكَ التَّقْوَى۔ یہی تقویٰ ہے۔“ (تفسیر قرطبی سورۃ البقرۃ آیت: ۲)

یعنی دُنیا کی زندگی کے خاردار راستے پر انتہائی احتیاط، پرہیز اور بچاؤ کے ساتھ چلنے اور قرآن و حدیث کے مطابق حیاتِ مستعار کو گزارنے کا نام ”تقویٰ“ ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو سوچنا اور غور کرنا چاہیے کہ کیا میں نے تقویٰ کی اس راہ کو اپنایا ہے اور کیا میں اس عارضی، فانی اور ختم ہو جانے والی زندگی کی رنگینیوں، خوب صورتیوں اور دلفریبیوں کے کانٹوں میں الجھ گیا ہوں یا ان کانٹوں سے اپنا دامن بچا کر آخرت کی تیاری میں مصروف و مشغول ہوں۔

حضرات! شاہراہِ زندگی پر پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے کیونکہ شیطان نے انسان کو راہِ راست سے ہٹانے کے لیے چاروں طرف اپنے جال پھیلا اور بچھا رکھے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان کو کسی نہ کسی طرح دُنیا کے کانٹوں میں الجھا کر گمراہ کر دے تاکہ انسان جنت سے دور ہو کر جہنم کے عذاب کا مستحق بن جائے۔ اب یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو شیطان کی چالوں، اُس کے حملوں اور وسوسوں سے کیسے بچاتا اور اپنے دامن کو گناہوں اور نافرمانیوں سے کیسے محفوظ رکھتا ہے۔ جس خوش نصیب نے محتاط زندگی گزاری اور دُنیا کی خاردار پگڈنڈی سے بحفاظت گزر گیا، وہ کامیاب و کامران ٹھہرے گا اور جنت میں داخل ہوگا اور جس بد نصیب نے اپنے آپ کو دُنیا کے کانٹوں سے نہ بچایا اور دین سے دور ہو کر ضلالت و گمراہی کا شکار ہو گیا وہ دوزخی اور جہنمی قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات میں فرماتا ہے کہ وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ اے اہل ایمان! تقویٰ اختیار کرو، اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور اپنے آپ کو عذابِ الہی سے بچالو۔

عربی شاعر نے تقویٰ کی وضاحت کرتے ہوئے بڑی خوب صورت بات کہی ہے۔

خَلَّ الدُّنُوبَ صَغِيرَهَا وَكَبِيرَهَا ذَاكَ التَّقْوَى
وَاصْنَعْ كَمَا شِ فَوْقَ اَرْضٍ الشُّوكِ يَحْذَرُ مَا يَرَى
لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيرَةً اِنَّ الْجِبَالَ مِنْ الْحِصَى

”ہر چھوٹے اور بڑے گناہ کو چھوڑ دو، یہی تقویٰ ہے۔ تم ایسے محتاط زندگی گزارو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا کانٹوں سے ڈرتے ہوئے چلتا ہے۔ چھوٹے

گناہ کو کبھی حقیر خیال نہ کرو۔ بے شک کنکریوں سے ہی پہاڑ بن جاتے ہیں۔“
جس طرح چھوٹی چھوٹی کنکریاں جمع ہو کر پہاڑ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اسی طرح
صغیرہ گناہ اکٹھے ہو کر کبیرہ گناہوں کے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ اس لیے یہ خیال کر کے کہ صغیرہ
گناہ تو نیکیوں سے معاف ہو ہی جائیں گے صغیرہ گناہوں پر ذلیر نہیں ہونا چاہیے بلکہ زندگی کی
راہ پر ایسے دامن بچا کر چلنا چاہیے جیسے کانٹے دار جھاڑیوں کے درمیان چھوٹی سی پگڈنڈی پر
کیڑے سمیٹ کر اور سکڑ کر انتہائی احتیاط سے گزرا جاتا ہے۔

فلسفہ عبادات:

قرآن حکیم میں اس بات کی وضاحت اور صراحت فرمائی گئی ہے کہ اللہ رب العزت
نے کائنات ہست و بود کی تمام اشیاء کو خدمتِ انسان کے لیے اور انسان کو ”عبادتِ
رحمان“ کے لیے تخلیق فرمایا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ⑤﴾ (الذاریات: ۵۶)

”اور میں نے جن اور انسان تو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے انسانوں پر جو عبادات فرض فرمائی ہیں یا وہ
اجتماعی امور جن کے بجالانے کا حکم فرمایا ہے اُن کی اصل حکمت، فلسفہ اور غرض و غایت
”حصولِ تقویٰ“ ہے۔ گویا مسلمان کا اصل زیور تقویٰ ہی ہے۔

خالق ارض و سماء اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے اس کی غرض و
غایت بھی بیان فرمائی۔ ارشاد ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَتَّقُونَ ⑥﴾ (البقرة: ۲۱)

”اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا

فرمایا تاکہ تم پر ہیزگار اور متقی بن جاؤ۔“

اسلام کے نظامِ عبادات میں ”روزہ“ ایک اہم عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر عاقل،
بالغ، مقیم اور تندرست مسلمان مرد و عورت پر ہر سال رمضان المبارک کے روزے فرض قرار

دیئے ہیں اور ماہ رمضان کے روزوں کی حکمت بھی حصولِ تقویٰ ہی بیان فرمائی ہے۔ کتاب الہی کی مشہور آیت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم ”متقی“ بن جاؤ۔“

گویا پورا ایک ماہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے، پینے، فسق و فجور اور نفسانی خواہش کی تکمیل سے باز رہنے اور اس دورانِ حلال و طیب اشیاء سے بھی اجتناب کرنے کا اصل مقصد ”تقویٰ کا حصول“ ہے۔

عباداتِ اسلامی میں ”حج“ بڑی فضیلت اور اجر و ثواب والی عبادت ہے جو زندگی میں صرف ایک بار صاحبِ استطاعت مسلمان پر فرض ہے۔ یہ سب سے مشکل اور صبر آزما عبادت ہے اس لیے سفرِ حج پر روانہ ہونے والے مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس مبارک سفر کے لیے ”زادِ راہ“ یعنی سفر خرچ گھر سے ساتھ لے کر روانہ ہو اور ساتھ ہی فرما دیا کہ ایک مومن کامل کا زادِ راہ تو ”تقویٰ“ ہی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَةٌ ۖ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ ۖ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۚ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ﴾ (البقرة: ۷۹۱)

”حج کے چند مہینے معلوم ہیں، پس جو شخص ان مہینوں میں حج کا پختہ عزم کر لے تو وہ حج کے ایام میں شہوت کی باتیں نہ کرے، نہ گناہ کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے اور تم جو بھی نیکی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے اور سفر خرچ لے لو اور سب سے بہتر سفر خرچ تو ”تقویٰ“ ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔“

وہ مقامات مقدسہ جہاں فریضہ حج ادا کیا جاتا ہے اُن کی تعظیم و احترام کو دلوں کا تقویٰ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝﴾

(الحج: ۲۲/۳۲)

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو بلاشبہ یہ دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔“

قرآن وحدیث میں پنج گانہ نماز کی جواہریت، فضیلت اور حیثیت بیان فرمائی گئی ہے اُس سے آپ پوری طرح باخبر ہیں کہ مومن بندے اور کافر بندے کے درمیان فرق و امتیاز صرف نماز کو قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں بیان فرمایا گیا ہے کہ نماز انسان کو برائی، بے حیائی اور گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے اور اسی کا نام ”تقویٰ“ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ ذی شان ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط﴾ (العنکبوت: ۴۵)

”بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔“

ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر پوری دنیا کے مسلمان سنتِ ابراہیمی کی یاد میں لا تعداد بے شمار جانور ذبح کرتے، اُن کا خون بہاتے اور گوشت کھاتے اور تقسیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ قربانی کا مقصد محض..... گوشت کھانا..... خون بہانا اور جانور ذبح کرنا نہیں ہے بلکہ اس سنتِ رسول ﷺ کی اصل اور حقیقی غرض و غایت۔ ”تقویٰ“ خلوص نیت اور للہیت ہے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ط﴾

(الحج: ۳۷/۳۲)

”اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے اور لیکن اُسے تو

صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔“

تعمیر مسجد اور تقویٰ:

اللہ تعالیٰ کی عبادت، نماز پنج گانہ کی ادائیگی، قرآن مجید کی تلاوت و تعلیم اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذکر کے لیے مسجد تعمیر کرنا بہت بڑی سعادت، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور بڑے اجر و ثواب کا کام ہے جب کوئی نیک بخت زمین کے کسی حصہ پر رضائے الہی کی خاطر مسجد تعمیر کرتا ہے۔ اپنی طاقت، ہمت اور استطاعت کے مطابق اللہ کے گھر کی تعمیر کرتا ہے تو رسول

محترم ﷺ کے مبارک فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ اُس کے بدلے میں اُس کے لیے جنت میں محل تیار فرما دیتا ہے۔ دامادِ مصطفیٰ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ)) (صحیح بخاری)

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی عبادت کے لیے مسجد بناتا ہے، اللہ تعالیٰ

اُس کا گھر جنت میں بنا دیتا ہے۔“

اس حدیث مبارکہ کے الفاظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جنت میں گھر بنوانے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے مسجد کی تعمیر کا مقصد ریاکاری، دکھلاوا، شہرت، فخر و مباہات اور نمود و نمائش نہ ہو بلکہ صرف اور صرف رضائے الہی کی غرض سے مسجد تعمیر کرنے اور کروانے والے پر رب السموات والارض اتنا خوش اور راضی ہوتا ہے کہ اس خوش بخت کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔ سبحان اللہ۔

ایسی مسجد جس کی بنیاد تقویٰ، خلوص اور جذبہٴ رضائے الہی پر رکھی جائے اُس کی تعمیر زمین پر ہو رہی ہوتی ہے اور تذکرے عرش بریں پر ہوتے ہیں۔ واہ کیا شان ہے مسجد بنانے والوں کی کہ اینٹیں لگائی جا رہی۔ سیمنٹ اوریت ملائی جا رہی۔ دیواریں کھڑی کی جا رہی۔ چھت ڈالی جا رہی۔ پلستر ہو رہا ہے اور مسجد بنانے والے، بنوانے والے۔ حصہ لینے والے، خدمت کرنے والے اور تعاون کرنے والوں کی شان و عظمت عرشِ معلیٰ پر بیان ہو رہی ہے۔ میری ان باتوں کو آپ مبالغہ آرائی پر محمول نہ فرمائیں بلکہ آئیے! تصورات کی دُنیا میں ”مسجدِ قُبَاء“ چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اسلام کی اس اولین مسجد کی زیارت اور وہاں نماز پڑھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلَّى فِيهِ صَلَاةً كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ))

(سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعة، باب ماجاء فی الصلاة فی مسجد قباء)

”جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد قباء میں آئے اور وہاں نماز پڑھے تو اسے ایک عمرے کے برابر اجر و ثواب دیا جائے گا۔“

حضرات! امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں اور مدینہ منورہ میں داخلے سے قبل چند کلومیٹر کے فاصلے پر ”قباء“ نامی بستی میں چند روز قیام فرماتے ہیں۔ دورانِ قیام آپ اہل قباء کے سامنے ”تعمیر مسجد“ کی خواہش کا اظہار فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص رفقاء میں سے ایک صحابی جناب کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ اس نیک مقصد کے لیے فوراً قطعہ اراضی وقف فرما دیتے ہیں۔ اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست حق پرست سے مسجد کی بنیاد رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود معمار ہیں اور صحابہ کرام مزدور بنے ہوئے ہیں۔ کوئی پتھر اٹھائے لا رہا ہے اور کوئی گارا..... کوئی دیواریں بنا رہا ہے..... اور..... کوئی چھت کا ساز و سامان جمع کر رہا ہے۔ ادھر قباء کی سرزمین پر مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے ادھر جبریل امین وحی لے کر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!

﴿لَسَجْدُ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ط فِيهِ

رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ط وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿١٠٨﴾ (التوبة: ١٠٨)

”البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن ہی ”تقویٰ“ پر رکھی گئی۔ اُس مسجد کا حق ہے کہ آپ وہاں قیام فرمائیں (یعنی وہاں نماز کے لیے جایا کریں) اس (مسجد والی بستی) میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاکیزہ لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔“

اس حکم الہی پر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح عمل فرماتے، اس کی وضاحت

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زبانی سنئے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ مَا شِئًا وَرَاكِبًا

فِيصَلِّي فِيهِ رَكَعَتَيْنِ))۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل مسجد قباء)

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے پیدل یا سوار ہو کر مسجد قباء تشریف لے جاتے اور وہاں

دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔“

تقویٰ کا لباس:

لباس ہر انسان کی بنیادی ضرورت اور اُس کے جسم کا لازمہ ہے کیونکہ لباس کے ذریعے ہی انسان موسمی اثرات و نقصانات سے محفوظ رہ سکتا ہے اور لباس ہی آدمی کی زینت اور ستر پوشی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ”تقوٰے کے لباس“ کو بہترین لباس قرار دیا ہے۔۔۔۔۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿يَبْنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِيْ سَوَاتِكُمْ وَرِيْشًا ط وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ط ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝﴾

(۷/ الاعراف: ۲۶)

”اے آدم کی اولاد! ہم نے تم پر لباس نازل فرمایا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ”لباس تقویٰ“ زیب تن کرنے کا حکم دیا ہے، وہ تقویٰ کا لباس کیا ہے۔ آئیے! اسے مختصر الفاظ میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ”لباس تقویٰ“ یعنی پرہیزگاروں کا لباس وہ ہوتا ہے جو:

☆ پردہ پوش اور ستر ہو، اتنا باریک اور شفاف نہ ہو کہ پہننے کے باوجود جسم کی ساختیں اور پردے کے مقامات واضح ہوں۔

☆ متکبرانہ، فاخرانہ اور مسرفانہ، نہ ہو اور نہ ہی گندہ، بدبودار اور متعفن ہو۔

☆ مردوں کا لباس عورتوں جیسا اور عورتوں کا لباس مردوں کے مشابہ نہ ہو۔

☆ لباس موسمی حالات اور علاقائی اثرات کی مناسبت سے تیار کیا گیا ہو۔

☆ لباس کسی غیر اسلامی تہذیب و تمدن کا عکاس نہ ہو۔

☆ مردوں کے لیے ریشمی لباس زیب تن کرنا ممنوع اور حرام ہے۔

☆ مردوں کے لیے اپنی چادر، شلوار، پائجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے۔

- ☆ مسلمان خواتین کھلا، سادہ اور غیر جاذب لباس پہنیں تو زیادہ بہتر ہے۔
- ☆ ہر شخص کا لباس اُس کے قد و قامت اور وضع قطع کے مطابق ہونا چاہیے۔
- ☆ ہمیشہ ایک ہی رنگ کا لباس پہننا اور کسی خاص رنگ کو ہی اپنا خاص تنظیمی اور وصفی شعار قرار دینا درست نہیں ہے۔

☆ سفید لباس بکثرت استعمال کرنا بہتر مگر دوسرے مناسب رنگوں کا لباس بھی جائز ہے۔

لباس کا ایک مقصد انسانی جسم کو ظاہری کثافت و نجاست سے بچانا، موسموں کی حدت و برودت سے محفوظ رکھنا اور فضا کے برے اثرات کو روکنا ہے جبکہ دوسرا مقصد شرم و حیا کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مخصوص اعضاء کو چھپانا، ڈھانپنا اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھنا ہے۔ قرآن کریم اسے ”تقویٰ“ سے تعبیر فرماتا ہے۔ اگر لباس موسم کے مطابق نہ ہو تو صحت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر لباس شریعت کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو حیا کے رخصت ہونے کا خدشہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ط﴾ (۷/ الاعراف: ۲۶)

”اور تقویٰ کا لباس سب سے بہترین ہے۔“

اب تک کی گزارشات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ:

☆ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کی اصل غرض ”تقویٰ“ ہے۔

☆ رمضان المبارک کے روزوں کا مقصد ”تقویٰ“ ہے۔

☆ نماز پنجگانہ کی ادائیگی کی حکمت ”تقویٰ“ ہے۔

☆ حج بیت اللہ کا بنیادی فلسفہ ”تقویٰ“ ہے۔

☆ عید الاضحیٰ پر جانوروں کی قربانی کی اصل غایت ”تقویٰ“ ہے۔

☆ شعائر اللہ کی تعظیم کا مقصد وحید ”تقویٰ“ ہے۔

☆ مساجد کی تعمیر سے مطلوب ”تقویٰ“ ہے۔ اور.....

☆ اسلامی لباس کا حقیقی مقصد ”تقویٰ“ ہے۔

قرآن حکیم اس امر کی بھی صراحت فرماتا ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف کے قیام کی غرض

وغایت بھی پرہیزگاری اور ”تقویٰ“ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۖ اْعْدِلُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾ (۵/ المائدہ: ۸)

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے (اور) انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں نا انصافی پر آمادہ نہ کرے۔ تم عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔“

حضرات! تقویٰ کی اسی اہمیت، فضیلت اور عظمت کے باعث اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، معاونت اور مدد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ فرمان الہی ہے۔

﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝﴾ (۵/ المائدہ: ۲)

”تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

تبلیغ نوح علیہ السلام:

انسانیت کی رشد و راہنمائی اور ہدایت کے لیے کائنات کے خالق و مالک نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ انبیاء کرام کی دعوت و تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کی توحید، اپنے دور کے نبی کی اطاعت اور ”تقویٰ“ یعنی اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف مشترک اور بنیادی نکات ہیں۔ قرآن حکیم کے انیسویں پارے میں پانچ انبیاء و رسل کی تبلیغی خدمات اور ان کے دعوتی موضوعات کو الگ الگ تفصیلاً بیان فرمایا گیا ہے اور اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ان سب نے اپنی اُمتوں اور قوموں کو شرک سے اجتناب کرنے اور دیگر

اخلاقی برائیوں سے باز رہنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے یعنی تقویٰ اختیار کرنے اور رسولِ وقت کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ اور سورت الحجرات کی پہلی آیت کے یہی دو موضوعات و عنوانات ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کے رسول کی اتباع کرو اور آپ کے احکام سے آگے نہ بڑھو۔

② اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی تقویٰ اختیار کرو۔

آئیے! سورۃ شعراء کی آیات طیبات سے انبیاء کرام علیہم السلام کے ان دونوں مشترکہ تبلیغی موضوعات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سیدنا نوح علیہ السلام کے نام، کام اور مقام سے آپ متعارف ہیں۔ آپ کی قوم دریائے فرات کے مغرب میں عراق کے شہر کوفہ کے آس پاس آباد تھی۔ ایک روایت کے مطابق نوح علیہ السلام کی قوم دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر موجودہ شہر موصل کے بالمقابل ”نینوی“ میں آباد تھی اور یہ مشرک و نافرمان قوم تھی۔ آپ علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال رُشد و راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا مگر قوم شرک اور بت پرستی سے باز نہ آئی اور سوائے چالیس یا اسی افراد کے ساری قوم نے نوح علیہ السلام کے پیغام حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ پیغام حق کیا تھا؟ یہی کہ ”اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“ قرآن حکیم اعلان فرماتا ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِن أَجْرِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ﴾ (الشعراء: ۱۱۰)

”نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تھا جب اُن کے بھائی نوح علیہ السلام نے انہیں کہا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ میں تمہارے لیے امانتدار رسول ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس (تبلیغ و دعوت) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

ان آیات میں ہماری زیر خطبہ آیت کے الفاظ ”إِتَّقُوا اللَّهَ“ دو بار آئے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین و تاکید فرمائی۔ دیگر انبیاء کی تبلیغ:

نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد جس قوم نے دُنیا میں نام وری، سر بلندی اور شہرت حاصل کی وہ سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم تھی جسے ”عادِ اُولیٰ“ سے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اُن کا اصل وطن اور مسکن ”احقاف“ تھا۔ احقاف، حقف کی جمع ہے جس کا لغوی معنی ہے ریت کے طویل و عریض ٹیلے۔ اور اس سے مراد ریت کے وہ لمبے لمبے اور اونچے نیچے ٹیلے ہیں جو عمان سے یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہیں علاقوں میں ”قوم عاد“ آباد تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی قوم کی ہدایت و اصلاح کے لیے سیدنا ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی مشرک قوم کو جو تبلیغ فرمائی اُس میں بھی ہمارا زیر بحث موضوع ”تقویٰ“ یعنی خوفِ خدا غالب ہے۔ قرآنِ عزیز فرماتا ہے:

﴿كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ ﴿١٣٧﴾ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٣٨﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٤٠﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ﴿١٤١﴾ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٢﴾﴾ (الشعراء: ۱۳۳ تا ۱۴۲)

”قوم عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ جب اُن کے بھائی ہود علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ ”کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔“ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس (دعوتِ دین) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میری جزا تو اللہ رب العالمین کے ہی ذمہ ہے۔“

عاد یوں کی ہلاکت کے بعد ”قوم ثمود“ نے بڑی شہرت پائی جسے ”عادِ ثانیہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس قوم کا مسکن ”الحجر“ تھا۔ اور کتابِ الہی کے چودھویں پارے کی پہلی سورت کا نام بھی ”سورت الحجر“ ہے، یہ تین چار سو کلومیٹر لمبا اور تقریباً سو کلومیٹر چوڑا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان اُس راستے پر واقع ہے جو مدینہ طیبہ سے تبوک جاتا ہے۔ اس نافرمان اور شرکیہ عقائد کی حامل قوم کی رُشد و راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا صالح علیہ السلام کو منصبِ نبوت عطاء

فرمایا۔ آپ ﷺ نے شہودیوں کے روبرو جو تبلیغ فرمائی وہ بھی ہمارے موضوع کے نکات پر مشتمل تھی۔ کتاب الہی اس حقیقت کو یوں واضح کرتی ہے۔

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ ﴿١٣٢﴾
إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٣٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
أَجْرٍ ۚ إِنِ أَجْرِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣٥﴾﴾ (الشعراء: ۱۳۱ تا ۱۳۵)

”قوم ثمود نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔ جب اُن کے بھائی صالح ﷺ نے انہیں کہا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو؟ بلاشبہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ہی ذمہ ہے۔“

ان انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ پر اقوام کا ردِّ عمل اور نتیجۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے عذابوں کی تفصیلات فی الوقت میرا موضوع نہیں ہے۔ میں تو صرف سورت الحجرات کی پہلی آیت کریمہ کی تعبیر و تذکیر میں اس امر کے قرآنی دلائل عرض کر رہا ہوں کہ انبیاء سابقین نے بھی اپنی امتوں کو ان دو چیزوں کی تبلیغ و تاکید اور وعظ و نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اور ہمارے یعنی نبیوں، رسولوں اور پیغمبروں کے نقش قدم پر چلو تو دنیا اور آخرت میں کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور تم اللہ تعالیٰ کے مقرب، برگزیدہ اور محبوب بندے قرار دیے جاؤ گے۔

اسی سورۃ شعراء کے اگلے رکوع میں سیدنا لوط علیہ السلام کے تبلیغی نکات بیان فرمائے گئے ہیں۔ سیدنا لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز شرق اردن کا علاقہ ”سدوم“ تھا۔ قرآن حکیم آپ کے تبلیغی موضوعات میں تقویٰ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ ﴿١٣٧﴾
إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿١٣٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
أَجْرٍ ۚ إِنِ أَجْرِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٠﴾﴾ (الشعراء: ۱۳۶ تا ۱۴۰)

”قوم لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ جب اُن کے بھائی جناب لوط علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو؟ یقیناً میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو، اور میں تم سے اس (تبلیغی خدمت) پر کوئی اجر طلب نہیں کر سکتا، میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمہ ہے۔“

سیدنا شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک مشہور و معروف پیغمبر ہیں۔ آپ علیہ السلام کو اہل مدین کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ موجودہ جغرافیہ میں ”مدین“ سعودی عرب کے شہر تبوک کے بالمقابل واقع ہے۔ سیدنا شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور بحیثیت اللہ تعالیٰ کے نبی، اپنی اطاعت و فرماں برداری کی تلقین و نصیحت فرمائی۔ قرآن حکیم ذکر فرماتا ہے کہ:

﴿كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٨﴾ إِنْ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ﴿٢٠﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢١﴾﴾ (الشعراء: ۱۷-۲۱)

”ایکہ والوں (یعنی اہل مدین) نے بھی رسولوں کی تکذیب کی جب انہیں شعیب علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بلاشبہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو۔ اور میں (اس دعوت و تبلیغ) پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو صرف اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔“

سیدنا ابراہیم علیہ السلام:

تاریخ انبیاء میں امام الموحدین جناب ابراہیم علیہ السلام کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر، عظیم المرتبت اور اولوالعزم رسول تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جنوبی عراق میں ”کوئی“ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ بعض علماء تاریخ اُن کی جائے پیدائش ”بابل“ بعض ”فدان“ اور بعض ”اور“ بتاتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست جبکہ آپ کے والد بت تراش اور بت فروش تھے۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام بچوں کی بے بسی، محتاجی اور بے اختیاری پر مطلع ہوئے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، یکتائی اور قدرت آشکارا ہوئی تو

آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے والد ”آزر“ کے سامنے دعوتِ توحید پیش کی، پھر عوام کے روبرو توحید کا اعلان فرمایا اور آخر کار بادشاہِ وقت ”نمرود“ کے ساتھ ”توحید اور اختیاراتِ الہی“ کے موضوع پر مناظرہ کر کے اُسے ایسا مبہوت و خاموش کیا کہ پوری قوم پر یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا خالق، حاکم، مدبر اور متصرف ہے۔ وہی موت و حیات کا مالک اور عبادت کا مستحق ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم دلائل کی دُنیا میں شکست کھانے، اپنے باطل معبودوں کی بے کسی ملاحظہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اختیارات و قدرت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود قبولِ حق کی سعادت سے محروم رہی۔ حتیٰ کہ بادشاہِ نمرود نے انہیں آگ میں جلا کر بھسم اور ختم کرنے کا شاہی فرمان جاری کر دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے جلانے والی آگ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والا بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ:

﴿يُنَادُ كُوفِي بُرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝﴾ (الانبياء: ۶۹)

”اے آگ! ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔“

توحید پرستوں کے امام، خلیل اللہ الرحمن جناب ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی اسمِ گرامی آیاتو اُن کے ذکرِ خیر میں بے اختیار بات تھوڑی طوالت اختیار کر گئی۔ عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو تبلیغ فرمائی، جو دعوت دی اور اُن کے سامنے جو مشن پیش کیا، وہ یہ تھا کہ اے میری قوم!

☆ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اُس کے ساتھ کسی چیز اور کسی ذات کو شریک نہ بناؤ۔

☆ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو۔

اللہ تعالیٰ جناب ابراہیم علیہ السلام کے یہ دعوتی نکات یوں بیان فرماتا ہے:

﴿وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾ (العنکبوت: ۱۶)

”جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اُس سے ڈرتے

رہو (یعنی تقویٰ اختیار کرو) اگر تم جان لو تو یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے۔“

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر، صاحب کتاب رسول اور بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مبارک سیدہ مریم صدیقہ سلام اللہ علیہا ہے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے معجزانہ طور پر بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ آپ کی ولادت باسعادت بیت المقدس کے جنوب میں آٹھ کلومیٹر دور ”بیت اللحم“ میں ہوئی۔ آپ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد جب یہودیوں نے آپ کی والدہ طاہرہ سیدہ مریم سلام اللہ علیہا پر الزام لگایا تو آپ علیہ السلام نے باذن الہی ماں کی گود میں معجزانہ کلام کر کے اپنی والدہ کی عفت و پاک دامنی کی گواہی دی۔

نزول وحی کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام نے پورے زور و شور سے دعوت و تبلیغ شروع کی اور انتہائی حکمت و دانائی کے ساتھ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے اپنے خطابات میں خاص طور پر ان مذہبی پیشواؤں کو تنقید کا نشانہ بنایا جنہوں نے دنیوی مفادات کی خاطر دینی احکام کو مسخ کر کے اپنی خواہش کے مطابق فتوے جاری کرنا اپنا معمول بنالیا تھا۔ اور خالص توحید، خالص اسلام اور خالص دین نام کی کوئی چیز ان کے ہاں دستیاب نہیں تھی۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغی مساعی کی بدولت جب عوام کو اصل حقائق کا علم ہوا تو وہ ان نام نہاد مذہبی راہنماؤں سے دُور اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے قریب ہوتے چلے گئے۔ نوبت بایں جا رسید کہ حاکموں، راہبوں، کاہنوں اور بد مذہب درویشوں نے مل کر آپ کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ کے ایک خاص شاگرد کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک مذہبی تہوار کے موقع پر بیت المقدس تشریف لائے تھے اور اپنے حواریوں کے ہمراہ شہر کے باہر قیام فرماتے تھے کہ آپ علیہ السلام کے دشمنوں نے آپ کی قیام گاہ کا محاصرہ کر لیا تا کہ آپ کو گرفتار کر کے پھانسی دے دیا جائے۔ اسی دوران جب غدار شاگرد باہر آیا تا کہ محاصرین کو اندر کی صورتِ حال سے آگاہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اُسے جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ چنانچہ حکومتی کارندوں۔ سرکاری اہل کاروں اور یہودیوں نے اُس ”ہم شکل عیسیٰ“ کو عیسیٰ علیہ السلام گمان کر

کے پھانسی چڑھا دیا۔ قرآن حکیم وضاحت فرماتا ہے کہ:

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۖ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝﴾ (النساء: ۱۵۷-۱۵۸)

”اور نہ انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ اُن کے لیے اُس کا شبیہ بنا دیا گیا بلاشبہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا وہ خود شک میں مبتلا ہیں انہیں حقیقت کا کوئی علم نہیں، وہ تو صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں، یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے اُسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف اٹھا لیا تھا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔“

احادیث طیبات کی تصریح کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت آسمان سے اتریں گے، عادل حکمران کی حیثیت سے تشریف لائیں گے، صلیب توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ ختم کر کے شریعت محمدی کا احیاء کریں گے۔ قرآن و حدیث کے مطابق فیصلے کریں گے۔ چالیس یا پینتالیس سال زندگی گزارنے کے بعد طبعی موت فوت ہوں گے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرے میں آپ کی قبر اطہر کے پاس دفن کیے جائیں گے۔ (تفصیلات کے لیے خطبات سورۃ مریم کا مطالعہ فرمائیں)۔

بات پھر عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و خدمات کی طرف نکل گئی، کہنا میں یہ چاہتا تھا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جو نصیحتیں فرمائیں، جو دعوت دی۔ جو تبلیغ کی اور جو احکام سنائے اُن میں بھی سورت الحجرات کی پہلی آیت کے موضوعات شامل تھے یعنی ”اتباع رسول“ اور اللہ تعالیٰ کا ڈر، خوف اور تقویٰ و پرہیزگاری۔ کتاب الہی کی آیات مبارکات ہیں:

﴿وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝﴾ (النساء: ۶۳، ۶۴)

”اور جب عیسیٰ علیہ السلام واضح نشانیاں لے کر تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا تھا

کہ میں تمہارے پاس حکمت و دانائی کی باتیں لایا ہوں تاکہ تم پر بعض وہ باتیں واضح کر دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ لہذا ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو۔“ اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ اس لیے اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔“

وصیتِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم :

وصیت، اُس خاص عہد کا نام ہے جس کا تعلق مرنے کے بعد سے ہو، لیکن تاکیدِ حکم، خصوصی فرمان اور بہت ضروری اہم بات کو بھی وصیت کہہ لیا جاتا ہے۔ سیدنا عریاض بن ساریہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا بیان ہے کہ:

”ایک دن رسول مکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (مسجد نبوی میں) نماز فجر کے بعد ہمارے روبرو انتہائی فکر انگیز، پر تاثیر اور عبرت آمیز خطاب فرمایا۔ زبان نبوت سے نکلنے والے الفاظ ایسے درد انگیز تھے کہ انہیں سن کر تمام صحابہ کرام کے دل کانپ اُٹھے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔“

اس صورت حال کو دیکھ کر ایک صحابی نے دربار رسالت میں نہایت ادب سے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آج تو آپ ایسے نصیحتیں فرما رہے ہیں جیسے دُنیا سے رخصت ہونے والا شخص اپنے اعزہ و اقاب کو پسند و نصح کرتا ہے۔ (اگر خدا نخواستہ معاملہ ایسا ہی ہے تو) فَمَاذَا تَعْهَدُ اَلَيْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ اے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ ہمیں کیا وصیت فرمانا پسند کریں گے؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے جاں نثار ساتھیوں کی بے قراری، بے چینی اور پریشانی دیکھ کر فرمایا:

((اَوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ فَاِنَّهٗ مِّنْ يَّعِشُ مِنْكُمْ يَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا وَّاَيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْاُمُوْر فَاِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمُهَدِّيْنَ عَصُوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ))

(جامع ترمذی، کتاب العلم، باب الاخذ بالنسۃ واجتناب البدعۃ)

”میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے یعنی تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اسلامی حاکم کی بات سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس تم میں سے جو شخص (میرے بعد لمبا عرصہ) زندہ رہے گا وہ (امت میں) بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔ اور تم (دین میں) نئے کاموں یعنی بدعات سے بچنا کیونکہ وہ گمراہی اور ضلالت ہیں۔ تم میں سے جو کوئی وہ (زمانہ بدعات و اختلافات) پائے تو وہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے کو اس طرح لازم پکڑے جیسے دانتوں کے ساتھ کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑا جاتا ہے۔“

حضرات! اگر آپ نے رسول اکرم ﷺ کی زبان حق ترجمان کے الفاظ اور ترجمے پر غور فرمایا ہے تو یقیناً آپ نے ”تقویٰ“ کی اہمیت کو جان لیا ہوگا کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام اور امت کو جو وصیتیں فرمائیں۔ اُن میں پہلی وصیت تھی۔ تقویٰ اختیار کرنے کی۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور خوفِ خدا کی۔ اللہ کریم ہم سب آپ ﷺ کی ان تمام وصیتوں اور دوسرے تمام احکام پر عمل کی سعادت سے نوازے۔ آمین۔

سورۃ الحجرات بھی ہمیں اس امر کی طرف توجہ دلا رہی ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے پیش قدمی نہ کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَبِيعٌ عَلِيمٌ ①﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱)

”اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کی سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

تقویٰ کی برکات اور ثمرات:

”تقویٰ“ کی اہمیت و ضرورت اور فضیلت و حیثیت کا موضوع اتنا طویل ہے کہ اس کی تفصیلات کو ایک خطبہ، ایک نشست اور ایک مضمون میں سمونا اور بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے لہذا اس موضوع کی سینکڑوں آیات و احادیث سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم آخر میں

تقویٰ کے فوائد و ثمرات اور اثرات و برکات کی طرف اشارات کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو آئیے! کتاب و سنت کی روشنی میں تقویٰ کے نتائج پر غور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

① اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی:

تقویٰ، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، محبت اور دوستی کا ذریعہ ہے۔ فرمانِ الہی ہے۔

☆ ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ﴾ (۴۵/ الباقیہ: ۱۹)

”اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کا دوست ہے۔“

☆ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ (۹/ التوبہ: ۴)

”یقیناً اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ سے محبت فرماتا ہے۔“

☆ ﴿إِنْ أَوْلِيَاءُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ﴾ (۸/ الانفال: ۳۳)

”اللہ تعالیٰ کے دوست تو صرف اہل تقویٰ ہی ہیں۔“

② قبولیت اعمال:

اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اہل تقویٰ کے اعمال ہی درجہ قبولیت حاصل کرتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے۔

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (۵/ المائدہ: ۲۷)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو صرف اہل تقویٰ سے قبول فرماتا ہے۔“

جو لوگ ریا کاری، دکھلاوے اور نمود و نمائش کے لیے نیکیاں کریں۔ ایسی نیکیاں دربارِ الہی میں مقبول و منظور نہیں ہوتیں بلکہ درجہ قبولیت صرف اُن اعمال کو حاصل ہوتا ہے جو خلوص نیت اور تقویٰ کے ساتھ کی جائیں۔

③ گناہوں کی معافی:

تقویٰ اختیار کرنے کی بدولت اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرماتا، خطاؤں کو مٹاتا اور اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝﴾

(۶۵/الطلاق: ۵)

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (یعنی تقویٰ اختیار کرے) تو اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کو مٹا دیتا اور اُسے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔“

④ بے خوف و خطر:

اہل تقویٰ دنیا کی زندگی بلا خوف و خطر گزارتے ہیں، انہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اُن کا اصلی اور حقیقی محافظ ہے۔ اور ایسے خوش نصیبوں کو آخرت میں بھی کوئی غم و فکر لاحق نہیں ہوگا کیونکہ انہیں وہاں اپنی پرہیزگاری کے نتائج و فوائد کا یقین ہوگا۔

﴿فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾

(۷/الاعراف: ۳۵)

”اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی تو اُن کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔“

⑤ بصیرت و شعور:

اللہ تعالیٰ تقویٰ کے باعث انسان کو حق و باطل کی شناخت، ایمان و عمل کی برتری اور شعور و بصیرت عطا فرما دیتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا ۝﴾ (۸/الانفال: ۳۵)

”اے اہل ایمان! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں قوت تمیز عطا فرمائے گا۔“

⑥ غموں سے نجات:

اہل تقویٰ کو اللہ تعالیٰ غموں، پریشانیوں، مصیبتوں اور دکھوں سے نجات عطا فرما دیتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝﴾ (۶۵/الطلاق: ۲)

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا یعنی تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے (مشکلات سے) نجات کی راہ پیدا فرما دیتا ہے۔“

⑦ رزق میں برکت:

اللہ تعالیٰ متقی اور پرہیزگار شخص کے رزق میں برکت، وسعت اور ترقی عطاء فرماتا ہے۔
اوپر والی آیت سے اگلی آیت کے ابتدائی الفاظ ہیں:

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط﴾ (الطلاق: ۳)

”اور اُس (صاحبِ تقویٰ) کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق عطاء فرمائے گا جہاں
سے اسے وہم و گمان بھی نہ ہو۔“

⑧ آسانیاں ہی آسانیاں:

جو لوگ خدا ترس، مخلص اور متقی ہوں، اللہ تعالیٰ اُن کے معاملات، معمولات اور امور
میں آسانیاں، سہولیات اور بہتریاں پیدا فرما دیتا اور دشواریاں دور فرما دیتا ہے ارشادِ
خداوندی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝﴾ (الطلاق: ۴)

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (متقی بن جائے) تو اللہ تعالیٰ اُس کے کام
میں آسانی فرما دیتا ہے۔“

⑨ دشمن سے حفاظت:

تقویٰ اور پرہیزگاری کی بدولت اللہ تعالیٰ دشمن کی سازشوں، تدبیروں اور خفیہ چالوں
سے محفوظ رکھتا اور دشمن کے تمام حربے ناکام بنا دیتا ہے۔ اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے:

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۖ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ
مُحِيطٌ ۝﴾ (آل عمران: ۱۲۰)

”اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اُن (دشمنوں) کی خفیہ تدبیریں تمہارا کچھ
بھی نہیں بگاڑ سکتیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اُن (دشمنوں) کے اعمال کا احاطہ کیے
ہوئے ہے۔“

⑩ جنت کی نعمتیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی متعدد آیات مبارکات میں متقیوں، پرہیزگاروں اور صالحین

واہرار کے ساتھ جنت کی بے حساب، لا تعداد اور بے مثال نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝﴾ (۶۸/ القلم: ۳۳)

”بے شک پرہیزگاروں کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں نعمتوں والی جنتیں ہیں۔“

کتاب الہی کے چودھویں پارے میں اہل تقویٰ کو بشارت سنائی کہ:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۝۱۵۱ اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ۝۱۵۲ وَنَزَعْنَا مَا فِي

صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ۝۱۵۳ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ

وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝۱۵۴﴾ (۱۵/ الحجر: ۲۸۵-۲۸۴)

”یقیناً متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (اور اُن سے کہا جائے گا

کہ) اِن میں امن و امان سے داخل ہو جاؤ۔ اُن کے دلوں میں اگر کچھ کدورت

ہوئی تو ہم اسے نکال دیں گے (اور) وہ بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے

بیٹھیں گے۔ اُنہیں وہاں کوئی مشقت نہیں ہوگی اور نہ وہ وہاں سے نکالے

جائیں گے۔“ سبحان اللہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِن متقین، مخلصین اور صالحین میں شامل و داخل فرمائے آمین۔

یہ تمام فوائد و ثمرات اور نتائج و اثرات اُن سعادت مندوں، نیک بختوں اور خوش نصیبوں

کو حاصل ہوں گے جو سورۃ الحجرات کی پہلی آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے۔ تقویٰ

اختیار کریں گے اور پرہیزگار بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو حکم فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ

اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ

سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

خطبہ نمبر ۳

ذاتِ رسول ﷺ کا احترام

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
 بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا
 تَشْعُرُونَ ۝﴾ (۲۹/ الحجرات: ۲)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور آپ ﷺ کے ساتھ اونچی آواز میں بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔“

تمام قسم کی تعریفات و تحمیدات اور تعجیدات و تسبیحات صرف اور صرف اللہ جلّ جلالہ کے لیے ہیں جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، جس کی کوئی ابتداء و انتہاء نہیں ہے۔ ساری کائنات اُس کی محتاج مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہی سب کا خالق، مالک، رازق اور حاکم ہے۔ نظام کائنات اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اُس کی صفات باکمال اور اختیارات لامحدود ہیں۔ تمام انبیاء، اولیاء اور علماء و صلحاء اُسی کے در کے سوالی ہیں۔ وہ اپنی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور عبادات میں وحدہ لا شریک ہے۔ وہی موت و حیات کا مالک اور حی و قیوم ہے۔ اُس کا کوئی شریک، سہم اور حصہ دار نہیں ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کی طرف سے بے شمار و بے حساب درود و سلام اور برکات نازل فرمائے اپنے لاڈلے، محبوب اور پیارے رسول جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ پر جو سید الاولین والآخرین، امام المرسلین اور خاتم النبیین ہیں، جنہیں کائنات کے خالق و مالک نے یتیم پیدا کر کے دونوں جہانوں کا سردار اور انبیاء کرام کا امام بنا دیا۔ جن پر خود اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتے اور تمام اہل ایمان درود و سلام بھیجتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ
وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور دست بستہ دعا، دردمندانہ التجا اور عاجزانہ استدعا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ تمام صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین عظام، مفسرین و محدثین، صلحاء اُمت، بزرگانِ دین، اولیاء کرام، علماء عظام اور تمام فوت شدہ اہل ایمان کی قبروں کو نور سے منور فرمائے۔ جنت کے باغات بنائے اور انہیں عالم برزخ میں راحت و آرام مہیا فرمائے۔ آمین۔ اور تمام زندہ اہل ایمان کو مولائے کریم کتاب و سنت کے مطابق اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنے اور قرآن و حدیث کے احکام پر عمل کی توفیق و سعادت مرحمت فرمائے۔ ہم سب کا خاتمہ بالا ایمان فرمائے۔ بوقتِ موت ہماری زبانوں پر کلمہ شہادت جاری فرمائے۔ موت کی تلخیوں اور سختیوں سے محفوظ و مامون فرمائے۔ روزِ حشر سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا جام نصیب فرمائے۔ رحمتِ کائنات ﷺ کی شفاعت کا حقدار بنائے۔ آپ کے لواءِ الحمد تلے جگہ مہیا فرمائے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی جنت کا داخلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

تمہیدی کلمات:

بتوفیق اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات کی تشریح و تفسیر کا تیسرا خطبہ جمعہ ہے۔ اس سورتِ مبارکہ کے تعارف میں آپ جان چکے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اس بابرکت کی ابتدائی آیات طیبات میں محسنِ انسانیت، رحمتِ مجسم، سرکارِ دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے آداب، احترامات، تکریم، تعظیم اور توقیر کے احکام و مسائل بیان فرمائے ہیں اور اس ضمن میں تین قسم کے آداب کا تذکرہ فرمایا ہے۔

① فرمانِ رسول، حدیثِ رسول اور ارشادِ رسول ﷺ کے آداب..... جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

② ذاتِ رسول ﷺ کے احترامات و آداب..... جو آج کی گفتگو کا موضوع ہے۔

③ نام رسول ﷺ کی تعظیم و تکریم..... ان شاء اللہ العزیز اس عنوان پر آئندہ خطبہ جمعہ میں گفتگو کی کوشش کی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم، رسول معظم ﷺ کی عزت و تکریم آپ کا احترام و اکرام اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر ہر مسلمان کے ایمان کا جزو لا ینفک اور لازمی حصہ ہے۔ مسلمان کٹ تو سکتا ہے۔ مرنے تو سکتا ہے اور جان کی بازی تو لگا سکتا ہے مگر وہ کسی صورت بھی رسول محترم ﷺ کی شان اقدس و اطہر میں گستاخی اور بے ادبی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بے عمل سے بے عمل مسلمان ناموس رسالت کے لیے اپنا مال اور جان قربان کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے۔ عام مسلمان اپنے باپ، ماں، بھائی، بہن اور بیٹی کو گالی شائد برداشت کر لے مگر امام الرسل ﷺ کی معمولی بے ادبی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر مسلمان یہ جذبات و خیالات رکھتا ہے کہ آپ ﷺ کی عزت و احترام اور تکریم و تعظیم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سب سے مقدم اور ضروری ہے۔ بقول مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحاء کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا
اور ہر کلمہ گو یہ جذبہ صادقہ رکھتا ہے کہ:

عقیدہ توحید پر کامل ایمان ہے..... اور.....

حرمت رسول پر جان بھی قربان ہے
اور یہ محض جذباتی، عارضی اور وقتی نعرہ نہیں ہے بلکہ عزت رسول ﷺ کا حکم خدا نے دیا ہے۔ خود مصطفیٰ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرآن نے دیا ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان نے دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ

بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢٩﴾

(۴۹/ الحجرات: ۲)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور آپ ﷺ کے ساتھ اونچی آواز میں بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔“

احترامِ رسول ﷺ کی اہمیت:

اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک احترامِ مصطفیٰ ﷺ کا موضوع اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ ذات باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آدابِ رسول ﷺ کی تفصیلات بلکہ اس موضوع کی جزئیات بھی بیان فرمائی ہیں تاکہ اہل ایمان سے تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کا کوئی پہلو پوشیدہ اور مخفی نہ رہے۔ قرآن عزیز ہماری رہنمائی فرماتا ہے کہ:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَاعَزَّزُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۖ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥٧﴾﴾ (۷/ الاعراف: ۱۵۷)

”پس وہ لوگ جو اُن (نبی اکرم ﷺ) پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی تعظیم کی اور آپ (کے دین) کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُن پر نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید کی اتباع کی۔ یہی لوگ (دُنیا اور آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں۔“

اس آیتِ معظمہ نے وضاحت فرمادی کہ دنیوی اور اخروی فلاح و نجات کے لیے رسول اکرم ﷺ پر صرف ایمان لانا کافی نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی حد درجہ تعظیم، بہت زیادہ ادب اور انتہائی احترام بھی ضروری ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کے دین کی نصرت و امداد اور قرآن و حدیث کی پیروی بھی لازم ہے۔ اسی امر کا تذکرہ کتاب الہی کے چھ بیسویں پارے میں یوں کیا گیا ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَ مُبَشِّرًا وَ نَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

وَتُعِزُّوهُ وَتُقِرُّوهُ ۖ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَآخِرًا ۝﴾ (۳۸/ الفتح: ۸-۹)

” (اے نبی اکرم ﷺ) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اُن (کے دین) کی مدد کرو اور اُن کی (حد درجہ) تعظیم کرو اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔“

ان آیات مبارکات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے چار اوصاف و خصوصیات بیان فرمانے کے بعد اللہ سبحانہ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے، آپ ﷺ کے دین کی جانی و مالی اعانت و امداد کرنے اور آپ ﷺ کا ادب، احترام اور تکریم و تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر صبح و شام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ کے جو چار اوصاف ان آیات میں ذکر کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

❶ رسول: رسول کا لغوی معنی ”پیغام پہنچانے والا“ ہے اور شرعی اصطلاح میں ”رسول“ اُس برگزیدہ انسان کو کہا جاتا ہے جس پر اللہ کریم کی طرف سے وحی کا نزول ہو، اُسے احکامِ الہی کی تبلیغ کا حکم دیا جائے اور اُس پر اللہ رب العالمین کی طرف سے کتاب یا شریعت بھی نازل فرمائی گئی ہو۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام میں سے صرف تین سوتیرہ ہستیوں کو ”رسالت“ کا منصب عطاء فرمایا گیا۔

(زاد المعاد فی ہدی خیر العباد جلد اول ذکر ما اختار اللہ من مخلوقاته)

ان تین سوتیرہ رسولوں میں عظیم المرتبت، اولوالعزم اور جلیل القدر رسولوں کی تعداد پانچ ہے۔ ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے اُن کے نام یہ ہیں:

- ❶ سیدنا نوح نجی اللہ علیہ السلام
- ❷ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام
- ❸ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام
- ❹ سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام
- ❺ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

ان تمام رسولوں، نبیوں، پیغمبروں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سب سے افضل، اعلیٰ، اشرف، اکرم، احسن، اجمل اور برتر ذات سید الرسل جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ

ہیں۔ یاد رہے کہ ”رسالت“ کا منصب عطیہ الہی اور رحمت خداوندی ہے۔ اس میں کسی انسان کی محنت، کوشش اور ریاضت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (۶/ الانعام: ۱۲۳)

”اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا منصب کسے عطا فرمائے۔“

❧ شاہد: سورۃ فتح کی اس آیت تعظیم میں آپ ﷺ کا دوسرا وصف ”شاہد“ بیان فرمایا گیا ہے۔ جس کا معنی ”گواہ“ ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ رسول مکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی..... ذات الہی کی صفات و کمالات..... اپنی رسالت و نبوت..... قرآن مجید کی صداقت و حقانیت..... کے شاہد اور گواہ ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ حشر و نشر..... جنت و دوزخ..... قیامت و آخرت..... عرش و کرسی..... کلمہ طیبہ..... اذان و نماز..... زکوٰۃ و صدقات..... حج و عمرے..... بدر و احد..... خیر و حنین..... خندق و تبوک..... اور دیگر غزوات و سرایا کے گواہ ہیں اور رسول اکرم ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صداقت..... عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت..... عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سخاوت..... علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت..... ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی امانت..... زبیر رضی اللہ عنہ کی حمایت..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت..... صحابیات رضی اللہ عنہن کی فضیلت..... حسنین رضی اللہ عنہما کی رفعت..... اپنی امت کی عزیمت..... پہلی امتوں کی حقیقت..... بلکہ پہلے نبیوں، رسولوں اور پیغمبروں کی تبلیغی جدوجہد کے بھی گواہ ہیں۔ (یہاں تفصیلات کی گنجائش نہیں ہے۔ خواہش مند احباب ہماری کتاب خطبات سیرۃ مصطفیٰ میں ”شان مصطفیٰ بزبان الہ“ کا مطالعہ فرمائیں)۔

❧ خوشخبری سنانے والا: نبی معظم ﷺ کے ادب و احترام کے حکم والی آیت میں آپ ﷺ کا تیسرا وصف ”مُبَشِّر“ بتایا گیا ہے۔ جس کا معنی ہے ”خوشخبری سنانے والا“ اس امر میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے توحید کے پرستاروں، اپنے فرمان برداروں، سنت کے فداکاروں اور حدیث کے وفا شعاروں کو جنت کی خوشخبریاں سنائی ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ایمان قبول کرنے والوں..... نیک اعمال بجالانے والوں..... تقویٰ اختیار کرنے والوں..... صبر و استقامت کا

مظاہرہ کرنے والوں..... عاجزی و انکساری سے زندگی گزارنے والوں اور فرمانِ الہی غور سے سننے والوں کو خوشخبریاں سنائیں کہ رب العالمین انہیں نعمتوں بھری ”جَنّات“ میں داخل فرمائے گا اور اپنے نورانی فرشتوں سے اُن کا استقبال کروائے گا۔

﴿ذُرَّانے والا﴾ آیت تعظیم میں آپ ﷺ کا چوتھا وصف ”نذیر“ بیان ہوا ہے۔ جس کا معنی ہے ”ذُرَّانے والا“۔ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کا یہ وصف قرآن کریم کی متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں۔ صفات و ذاتِ الہی کا انکار کرنے والوں۔ کفر کا ارتکاب کرنے والوں۔ نفاق کا راستہ اختیار کرنے والوں۔ آخرت کو جھٹلانے والوں۔ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں۔ احکامِ اسلام کا مذاق اڑانے والوں، نبیوں کی بے ادبی کرنے والوں اور پیغمبروں کی گستاخی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ذُرَّانے والے ہیں۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ (الحج: ۲۲/۴۹)

”(اے رسول ﷺ!) آپ کہہ دیجئے، اے لوگو! میں تو تمہیں واضح طور پر ذُرَّانے والا ہوں۔“

یہ چار خوب صورت، اعلیٰ اور عظیم صفات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے لوگو! جس عظیم المرتبت ہستی میں یہ چار اوصاف جمع ہیں، اُس کا حق اور تمہارا فرض ہے کہ تم

- ① اُس پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ۔
- ② اُس کے دین کی تبلیغ و اشاعت میں اُس کی مدد کرو۔
- ③ اُس کی حد درجہ تعظیم اور ادب و احترام کرو۔
- ④ اور اس نعمتِ خداندی پر صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔

صحابہ کرام کا ادب رسول ﷺ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی معظم ﷺ کا از حد ادب، احترام اور توقیر کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے ساتھ انتہائی عاجزی، انکساری اور با ادب انداز سے گفتگو کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام رسول، عروہ بن مسعود ثقفی، جو ایک جہان دیدہ، دانا و بینا اور معاملہ فہم

انسان تھے کی زبانی سنئے :

ماہ ذوالقعدہ ۶ ہجری میں جب رسولِ محترم ﷺ ”مقامِ حدیبیہ“ پر قیام فرماتے تھے۔ اور چودہ سوجانِ ثاروں کے ہمراہ حالتِ احرام میں کعبۃ اللہ کی زیارت اور عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ مگر قریش مکہ آپ اور آپ کے رفقاء کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ قیامِ حدیبیہ کے دوران قریش مکہ کی طرف سے مذاکرات کے لیے یکے بعد دیگرے جو سفیر اور قاصد آپ ﷺ کے پاس آئے۔ اُن میں ایک ”عروہ بن مسعود ثقفی“ بھی تھے۔ عروہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بڑی متانت، سنجیدگی اور سلیقہ مندی سے آپ ﷺ سے مخاطب ہوا، کہنے لگا:

”اے محمد ﷺ، مکہ آپ کی قوم کا مرکز ہے اگر آپ نے اہل مکہ کو ہلاک کر دیا تو کیا آپ نے کسی عربی کے بارے میں سنا ہے کہ اُس نے اپنے خاندان کا نام و نشان مٹا دیا ہو؟ لیکن اگر قریش مکہ آپ پر غالب آگئے تو اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ آپ کے یہ اوباش ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے کیونکہ مجھے اُن کے چہروں سے ایسا ہی نظر آ رہا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول کے بارے میں عروہ کا تبصرہ سن کر خاموش نہ رہ سکے اور شدید غصہ کی حالت میں فرمایا: اُمُصَصُّ يَبْظُرُ اللَّاتِ۔ جاؤ! جا کے (اپنے باطل معبود) لات کی شرم گاہ چوسو۔ کیا ہم رسولِ ﷺ کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟.....“

عرب کے رواج اور دستور کے مطابق عروہ بن مسعود دورانِ گفتگو کبھی کبھی رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک کو ہاتھ لگاتا تو پاس کھڑے صحابی جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نہایت سختی سے اُس کے ہاتھ کو جھٹک دیتے اور فرماتے: ”اپنا ہاتھ رسولِ اکرم ﷺ کی ریش مبارک سے دُور رکھو..... اُس کے بعد عروہ نے اصحابِ رسول ﷺ کی حرکات و سکنات، محبتِ مصطفیٰ کے مناظر اور ادبِ رسول کی کیفیات کا گہری نظر سے جائزہ لیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے تھوک کو بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ ہاتھوں میں لے کر اُسے اپنے چہروں اور جسم پر مل لیتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کوئی حکم دیں تو اُس کی بجا

آوری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے ہیں تو پانی کے بچے ہوئے قطرات کو حاصل کرنے پر وہ آپس میں الجھ پڑتے ہیں اور اگر آپ ﷺ کوئی حکم صادر فرمائیں تو تمام صحابہ کرام اُس پر عمل کرنے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے ہیں تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے اور رسول پاک ﷺ کے ادب و تعظیم کا عالم یہ ہے کہ کوئی صحابی نظر بھر کر آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اللہ اکبر۔

مختصر یہ کہ جب عروہ بن مسعود ثقفی امام الانبیاء، رسول خدا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ مذاکرات کر کے قریش کے پاس واپس مکہ مکرمہ گیا تو اُنہیں نے محمدی کیمپ کا جو منظر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احترامات رسول کا جو نقشہ اُن کے سامنے پیش کیا وہ یہ تھا۔ اور یہی ہمارا موضوع ہے۔ اُس نے کہا:

اٰی قَوْمِ! وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ وَوَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرَى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللّٰهِ اِنْ رَاَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ اَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا۔ وَاللّٰهِ اِنْ تَنَحَّيْنَا نَخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَلِكَ بِهَا وَجْهَةٌ وَجِلْدَةٌ وَاِذَا اَمَرَهُمْ اِبْتَدَ رُؤَا اَمْرُهُ وَاِذَا تَوَضَّآ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوئِهِ وَاِذَا تَكَلَّمْ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحَدُّوْنَ النَّظَرَ اِلَيْهِ تَعْظِيْمًا لَّهِ وَاِنَّهُ قَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمْ خُطَّةٌ رُّشْدٍ فَاقْبِلُوْهَا۔

(صحیح بخاری، کتاب الشروط۔ باب الشروط فی الجہاد والمصالحة.....)

”اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں کئی بادشاہوں کے پاس وفد لے کر گیا ہوں یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کے ساتھیوں کو اُس کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی تعظیم محمد ﷺ کے اصحاب، آپ ﷺ کی کرتے ہیں۔ (اُن کی عقیدت و محبت اور ادب و تعظیم کی حالت یہ ہے کہ) اگر محمد ﷺ تھوکتے ہیں تو اُن

کے صحابہ اُس تھوک کو ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں اور جسم پر مل لیتے ہیں۔ اگر وہ انہیں کوئی حکم دیتے ہیں تو اُس پر عمل کرنے میں سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو پانی کے قطرات حاصل کرنے کے لیے وہ آپس میں الجھ پڑتے ہیں۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے ہیں تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے۔ اور آپ ﷺ کے ادب و احترام کے باعث کوئی صحابی آپ کے چہرہ مقدس کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی جرات نہیں کرتا۔ اُس نے تمہارے سامنے ایک اچھی تجویز پیش کی ہے میری رائے ہے کہ تم اُسے قبول کرلو۔“

حضرات محترم! میں فی الوقت صلح حدیبیہ کی تفصیلات بیان کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ صرف یہ عرض کر رہا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم ﷺ کی حد درجہ تعظیم، بے انتہاء تکریم اور بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ اور شاید یہ اصحاب رسول ﷺ کے ادب و احترام کی تاثیر تھی کہ یہی عروہ بن مسعود اس واقعہ کے چھ سال بعد مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم میں اسلام کے مبلغ بن کر گئے۔ (صحیح بخاری مترجم از مولانا داد اور از رحمۃ اللہ۔ کتاب الشروط)

شہید اسلام مولانا حبیب الرحمن یزدانی رحمۃ اللہ علیہ پنجابی شاعر کے الفاظ میں جب عروہ بن مسعود کی زبانی محفل رسول کا منظر بیان فرماتے تو مجمع جھوم جایا کرتا تھا۔ موصوف فرمایا کرتے:

کہے عروہ ثقفی قریشاں نوں جا کے
میں شاہاں دے شاہی درباراں نوں ڈٹھا
زمانے وج ایسی مثال ای نیں مل دی
جیویں میں محمد دے یاراں نوں ڈٹھا
وضو قطرے گردے اوہ نس نس کے پکڑن
محبت نال مل دے رُخساراں نوں ڈٹھا
گرے ٹھک دی چھٹ نہ زمین اُتے
میں ایسا کدی وی پیارا نہ ڈٹھا

اسی ادب، احترام، تعظیم، توقیر اور تکریم کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہورت الحجرات کی زیر بحث آیت مبارکہ میں دیا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾

(۲۹/ الحجرات: ۲)

کہ ”اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔“

بڑا کون ہے؟:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی مکرم ﷺ کی ذات گرامی کا اس قدر احترام و اکرام کرتے کہ وہ کوئی ایسا لفظ اپنی زبان پر لانا گوارا نہ کرتے تھے جس سے آپ ﷺ کی ہم سری و برابری کا شائبہ ہو سکتا ہو۔ حدیث شریف میں ہے ایک مرتبہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان آپ ﷺ کی عمر مبارک اور بعض دیگر لوگوں کی عمروں کے بارے میں گفتگو ہوئی تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جناب قباب بن اشیم رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ:

أَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ رَسُولُ اللَّهِ - فَقَالَ: رَسُولُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا أَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْمِيلَادِ -

(جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی میلاد النبی ﷺ)

”تم بڑے ہو یا رسول اللہ ﷺ بڑے ہیں؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ رسول

اللہ ﷺ ہی (شان و مرتبہ میں) مجھ سے بڑے ہیں لیکن میری پیدائش

آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے ہوئی ہے۔“ سبحان اللہ۔

آپ غور فرمائیں صحابہ کرام کی عقیدت و محبت پر..... اُن کے جذبہ احترام رسول پر.....

اور..... اُن کے انداز گفتگو پر..... کہ صحابی نے یہ کہنا بھی پسند نہیں فرمایا کہ میں عمر میں رسول

اکرم ﷺ سے بڑا ہوں، کیونکہ آپ ﷺ کے مقابلے میں بڑا ہونے کا لفظ استعمال کرنا، وہ

احترام رسول کے منافی سمجھتے تھے بلکہ کہا کہ بڑے تو آپ ﷺ ہی ہیں۔ مگر میری عمر

آپ ﷺ سے زیادہ ہے۔ سبحان اللہ۔

ایک صحابی رسول، جن کا نام اصرم تھا۔ اُن سے ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے پوچھا

کہ اے اصرم ”ہم دونوں میں سے بڑا کون ہے۔ میں یا آپ؟“ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے بڑے اور نیک تو آپ ہی ہیں۔ لیکن میری عمر آپ سے زیادہ ہے۔

آپ ﷺ اصرم رضی اللہ عنہ کے اس احترام، ادب اور محبت بھرے جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ سرور ہو کر فرمایا: ”تمہارا نام ”اصرم“ (محتاجی و مصیبت) نہیں بلکہ آج سے تمہارا نام ”سعید“ (سعادت مند و خوش قسمت) ہے۔“ (الاصابة، ترجمہ سعید بن یربوع)

واہ! سبحان اللہ! اس احترام و عقیدت، محبت و الفت اور تعظیم و تکریم کے کیا کہنے؟ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احترامِ رسول کے عجیب و غریب نمونے پیش کیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی محفل میں انتہائی ادب اور خاموشی سے تشریف رکھتے۔ آپ کی گفتگو کے دوران کوئی بولنے کی جرأت نہ کرتا۔ بیک وقت دو آدمی نہ بولتے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مجلسِ رسالت مآب کا منظر یوں بیان فرمایا ہے کہ:

وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلَسَاءُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُسِهِمُ الطَّيْرُ فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوا لَا يَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِيثَ وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ انْصَتُوا لَهُ حَتَّى يَفْرُغَ حَدِيثَهُمْ۔ (شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلقِ رسول اللہ ﷺ)

”جب آپ ﷺ گفتگو کرتے تو آپ کے رفقاء اس طرح اپنے سر جھکا لیتے جیسے اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں (کہ ذرا سی حرکت کی تو پرندے اڑ جائیں گے) جب آپ ﷺ کلام سے فارغ ہو کر خاموش ہو جاتے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوئی بات کرتے اور اصحابِ رسول آپ ﷺ کے سامنے کوئی بحث مباحثہ نہیں کرتے تھے۔ اور جب اُن میں سے کوئی ایک آپ ﷺ سے ہم کلام ہوتا تو باقی تمام اصحاب خاموشی سے سنتے حتیٰ کہ وہ اپنی بات چیت سے فارغ ہو جاتا۔“

نبی محترم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کا یہ احترام کیوں بجا نہ لاتے جبکہ اللہ نانہ و تعالیٰ کا انہیں حکم تھا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾

(۴۹/ الحجرات: ۲)

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی محترم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔“
گویا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل پیرا تھے کہ:

خاموش اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں
احترام رسول کا عجب انداز:

صحابی رسول سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام، مقام اور کام سے آپ احباب یقیناً واقف ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام ”خالد بن زید“ تھا مگر آپ تاریخ صحابہ میں ابویوب ہی کے نام سے معروف و مشہور ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ذات رسالت مآب ﷺ کی عزت و توقیر اور تعظیم و تکریم کا عجب انداز اختیار فرمایا۔ اس انداز تعظیم سے اُن کی نبی محترم ﷺ کے ساتھ محبت و اُلفت اور عقیدت و ارادت کا اظہار ہوتا ہے۔

ہوایوں کہ امام الرسل ﷺ نے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ نے باذن الہی سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر رہائش اختیار فرمائی۔ آپ ﷺ تقریباً چھ ماہ جناب ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے خانہ مبارک میں قیام فرما رہے۔ اس عرصہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ نبی محترم ﷺ کی میزبانی کا فریضہ سرانجام دیا۔ سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزلہ تھا۔ جناب ابویوب رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں عرض کی آن جناب مکان کے اوپر والے حصہ میں قیام فرما ہوں، مگر رسول اکرم ﷺ نے اپنی اور ملاقاتی حضرات کی سہولت و آسانی کی خاطر مکان کی پچی منزل کو اپنی رہائش کے لیے پسند فرمایا۔ اب صورت حال یہ تھی جناب ابویوب رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ سمیت مکان کی دوسری منزل پر اور نبی مکرم ﷺ پہلی منزل میں رہائش پذیر تھے۔ جناب ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کوئی مال دار اور صاحب حیثیت بزرگ نہ تھے بلکہ اُن کا مکان اوپر اور نیچے ایک ایک کمرہ پر مشتمل تھا، ایک دن سیدنا ابویوب رضی اللہ عنہ کے کمرے میں پڑا ہوا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا اور خطرہ محسوس ہوا کہ پانی چھت سے ٹپک کر رسول محترم ﷺ کے لیے تکلیف اور

اذیت کا باعث ہوگا۔ لہذا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے لحاف میں پانی کو جذب کیا۔ چونکہ دونوں میاں بیوی کے پاس اوڑھنے کے لیے صرف ایک ہی لحاف تھا۔ لہذا سخت سردی کے موسم میں دونوں نے رات جاگ کر گزاری مگر رسولِ مکرم ﷺ کو پانی کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ آنے دی۔ اگلی صبح سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے نہایت ادب سے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! رات کو یہ واقعہ پیش آیا ہے لہذا آئندہ کسی ایسی صورت حال کے خوف کے پیش نظر ہماری درخواست ہے کہ آپ بالا خانہ میں تشریف فرما ہوں اور ہم سرکار کے قدموں میں نیچے رہیں گے۔ آپ ﷺ نے اس عرض داشت کو قبول فرمایا اور مکان کی دوسری منزل میں قیام فرما ہوئے۔ (سیر الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۵)

جناب ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کی رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ وارفستگی، محبت، عقیدت اور آپ ﷺ کے ادب و احترام کا ایک واقعہ حدیث کی مستند کتاب صحیح مسلم میں ہے کہ:

”جب رسولِ مکرم ﷺ نے سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام فرمایا تو آپ ﷺ مکان کے نیچے والے حصہ میں قیام فرما ہوئے اور ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ اوپر والے حصہ میں ٹھہرے۔ ایک رات ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ اچانک بیدار ہوئے اور (اپنی اہلیہ سے) کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے اوپر چلتے پھرتے ہیں۔ (یہ تو ادبِ رسالت کے منافی ہے) لہذا انہوں نے وہ رات مکان کی دوسری منزل کے ایک کونے میں گزاری (جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ جناب رسالت مآب ﷺ اس جگہ کے نیچے آرام فرما نہیں ہیں) جناب ابویوب رضی اللہ عنہ نے صبح رسولِ کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں عرض کی کہ آقا! آپ اوپر والی منزل میں تشریف لے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نچلی منزل میں رہائش رکھنے میں میرے لیے اور میری ملاقات کے لیے آنے والوں کے لیے آسانی ہے تو جناب ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! لَا أَعْلُو سَقِيفَةً أَنْتَ تَحْتَهَا۔ میں اُس چھت پر نہیں چڑھ سکتا جس کے نیچے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی تشریف فرما

ہو۔ جناب ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ان جذباتِ عقیدت کو دیکھ کر رسول مقبول ﷺ مکان کی دوسری منزل پر تشریف لے گئے۔ اور جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ بمع اہل و عیال نیچے کے حصے میں آ گئے۔“

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب اباحۃ اکل الثوم)

ان واقعات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ رسولِ محترم ﷺ کے جاں نثار و فداکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے محبوب مکرم ﷺ کا حد درجہ احترام، بہت زیادہ اکرام، انتہائی تعظیم اور بے پناہ تکریم کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آج کے مسلمانوں کو بھی آپ ﷺ کا اسی طرح اعزاز و اکرام کرنے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

احترام رسالت کے پہلو:

ہر کلمہ گو مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی مکرم، رسول معظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی کا حد درجہ ادب و احترام کرے، اگر کوئی شخص دل و جان سے رسولِ محترم ﷺ کی عزت و تکریم نہیں کرتا تو ایسا شخص مومن و مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے ادبِ رسالت کے جن پہلوؤں کا پتہ چلتا ہے انہیں ان شاء اللہ العزیز اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری محنت و محبت اور آپ کی عقیدت و الفت کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ ہماری زیر خطبہ آیت مبارکہ میں دراصل رسول اکرم ﷺ کی مجلس و محفل کے آداب و احترامات بیان فرمائے گئے ہیں۔ آئیے! قرآنی آیات طیبات سے محفلِ رسول اور ذاتِ رسول ﷺ کے آداب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

❖ اجازت حاصل کریں:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے احترامِ رسول ﷺ کا درس دیتے ہوئے اہل ایمان کو اس امر کا پابند فرمایا ہے کہ جب تم خدمتِ نبوی میں حاضر ہونا چاہو۔ دربارِ رسالت مآب ﷺ میں آنے کا قصد کرو اور درِ رسول ﷺ پر حاضری کا پروگرام ہو تو آپ ﷺ سے حاضری کی

اجازت حاصل کر لیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی شخص بغیر اجازت خانہ رسول میں داخل ہونے کی جرات و جسارت نہ کرے۔ حکم الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾

(۳۳/ الاحزاب: ۵۳)

”اے ایمان والو! جب تک تمہیں نبی کریم ﷺ کے گھروں میں داخلے کی

اجازت نہ دی جائے تم وہاں داخل ہونے کی کوشش نہ کرو۔“

اس فرمان ربانی کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم ﷺ سے نہایت ادب کے

ساتھ حاضری کی اجازت طلب کرتے تھے۔ اگر آپ ﷺ انہیں اذن بازیابی عطا فرما

دیتے تو وہ خدمت نبوی میں حاضر ہو جاتے اور اگر اذن حاضری نہ ملتا تو بخوشی واپس لوٹ

جاتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے فداکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے طلب اجازت

کے لیے بھی نہایت مؤدبانہ انداز اختیار فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ خادم رسول سیدنا انس بن

مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (ادب و احترام کے باعث) رسول اکرم ﷺ کے

دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔“

(الادب المفرد للبخاری، باب قرع الباب)

سیرت طیبہ کے موضوع پر بین الاقوامی شہرت یافتہ کتاب ”رحمۃ العالمین“ کے مصنف

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ادب رسول ﷺ کا تذکرہ

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کا ادب اور توقیر و

تعظیم کیوں کر کیا کرتے تھے۔ مغیرہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں ہے کہ اگر کسی صحابی

کو حضور ﷺ کے درِ دولت پر دستک کی بھی ضرورت پڑا کرتی تو وہ اپنے

ناخنوں کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹایا کرتا تھا۔“

کوئی صحابی حضور (ﷺ) کے سامنے ایسی آواز سے نہ بولتا کہ اُس کی آواز حضور کی

آواز سے اونچی ہوتی۔ اس ادب کی تعلیم خود خدائے برتر نے دی تھی۔

﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (۴۹/ الحجرات: ۲)

”(اے لوگو!) اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔“

❧ جلدی واپس جائیں:

قرآن حکیم نے رسولِ کرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کا ایک ادب یہ سکھایا ہے کہ جب کوئی فرد یا افراد آپ ﷺ کے درِ اقدس پہ حاضر ہوں تو مطلوبہ کام سے فراغت کے بعد فوراً واپس چلے جائیں اور آپ ﷺ کے گھر میں بے مقصد اور بلا غرض بیٹھ کر آپ ﷺ کا وقت ضائع نہ کریں اور آپ کی اذیت و تکلیف کا باعث نہ بنیں۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مَسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ط﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۵۳)

”پس جب تم کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو منتشر ہو جاؤ اور وہاں پر باتوں میں مصروف نہ ہو جاؤ۔“

رسولِ کریم ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”نبی اکرم ﷺ نے جب سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوتِ ولیمہ میں یاد فرمایا تو بعض احباب فرطِ محبت میں قبل از وقت ہی آگئے اور کھانے کی تیاری کا انتظار کرنے لگے اور جب دعوتِ طعام اختتام پذیر ہوئی تو کچھ لوگ وہیں بیٹھ کر آپس کی گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ رسولِ محترم ﷺ نے اپنے شرم و حیا اور اخلاق و مروت کی وجہ سے انہیں گھر سے چلے جانے کا حکم نہ دیا تاہم ان کی بے وقت موجودگی آپ کی طبیعت پر گراں گزری تو ذاتِ باری تعالیٰ نے قرآن حکیم کی آیت مبارکہ نازل کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسولِ محترم ﷺ کے احترام و ادب سے آگاہ فرمایا اور حکم دیا۔“

(صحیح بخاری کتاب التفسیر۔ سورۃ احزاب)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَظِيرٍ لَهُ ۖ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا

مُسْتَانِسِينَ لِحَدِيثٍ ۖ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَجِی مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَجِی مِنَ الْحَقِّ ۖ ﴿۳۳﴾ (الاحزاب: ۵۳)

”اے اہل ایمان! تم نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرو (اور) نہ ہی کھانا کھانے کے وقت کا انتظار کرتے رہو۔ اور ہاں۔ اگر تمہیں بلایا جائے تو ضرور آؤ۔ پس جب تم کھانا کھا لو، تو منتشر ہو جاؤ اور آپس میں باتیں نہ کرتے رہو۔ تمہاری یہ حرکات نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دیتی ہیں مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔“

اس آیت طیبہ میں کھانے کا ذکر تو دعوت ولیمہ کے خاص واقعہ کی وجہ سے ہے ورنہ اصل مقصد یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم ہمیشہ رسول پاک ﷺ کا ادب و احترام ملحوظ رکھو اور جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے، رسول اکرم ﷺ کے کسی گھر میں داخل نہ ہوا کرو۔ اور جب کام سے فارغ ہو جاؤ تو جلدی اٹھ کر چلے جایا کرو تا کہ تمہارے بلا مقصد بیٹھ رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ کو اذیت اور تکلیف نہ ہو۔

حضرات! اگر ہم ان الہی احکام پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں معاشرتی اصلاح کے بنیادی اصول بتا دیئے ہیں کہ:

- ① تم میں سے کوئی کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔
- ② جب کوئی دوست ولیمہ کی دعوت دے تو اُسے ضرور قبول کرے۔۔۔۔۔ مگر
- ③ دعوت کے مقررہ وقت سے پہلے جا کر میزبان کی تکلیف کا باعث نہ بنیں۔
- ④ بعد از فراغت، فضول بیٹھ کر میزبان اور اہل خانہ کی مصروفیات میں مغل نہ ہوں۔
- ⑤ اگر میزبان اخلاق عالیہ کا مظاہرہ کرے تو پھر بھی آپ حالات کی نزاکت کا ضرور احساس کریں۔

اگر ہم ان قرآنی اصولوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان شاء اللہ العزیز ہمارے بہت سارے معاشرتی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اس آیت کریمہ میں جہاں احترام رسول کا سبق دیا گیا ہے وہاں ہمیں زندگی گزارنے کا ڈھب اور سلیقہ بھی سکھایا گیا ہے۔

[31] اجازت لے کر جائیں:

ذات رسالت مآب ﷺ کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ کسی معاملے میں مشاورت کے لیے یا کسی اجتماعی کام کی انجام دہی یا کسی دینی فریضہ کی ادائیگی کیلئے مسلمانوں کو جمع فرمائیں تو کوئی شخص رسول کریم ﷺ سے اجازت لیے بغیر مجلس سے اٹھ کر نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿وَرِذَاكَ أَتَوْا مُعَٰلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ط﴾

(۲۴/النور: ۶۲)

”اور جب وہ کسی اجتماعی کام کیلئے آپ کے ساتھ ہوتے ہیں تو آپ ﷺ سے اجازت لئے بغیر وہاں سے نہیں جاتے۔“

اس فرمان الہی کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معتبر ذرائع سے اطلاع ملی کہ ایک بہت بڑا لشکر جرار ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاریوں میں مصروف ہے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا اور ان سے مدینہ طیبہ کے دفاعی لائحہ عمل پر مشاورت کی۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر مدینہ طیبہ کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا، آپ ﷺ نے دس، دس آدمیوں کی ٹولیاں بنائیں اور انہیں خندق کھودنے کے کام پر لگا دیا اور خود بھی عملی طور پر اس کام میں شریک ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بھوک، پیاس اور سردی کی شدت کے باوجود حکم رسول ﷺ کی تعمیل کرتے ہوئے خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے مگر منافقین نے اس کام سے جان چھڑانے کیلئے مسلمانوں کی آڑ لے کر چپکے چپکے سے کھسکا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

(تفسیر قرطبی سورۃ نور آیت ۶۲)

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ط إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ج﴾ (۲۴/النور: ۶۲)

”سچے مومن تو صرف وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان

لائے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی کام کیلئے ان کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر (وہاں سے) نہیں جاتے (اے رسول ﷺ) یقیناً جو لوگ آپ سے اجازت لے کر جاتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والے ہیں۔“

اس آیت کریمہ نے واضح فرما دیا کہ اجتماعی امور کیلئے بلائے گئے اجلاس سے بلا اجازت رسول جانے والا یعنی رسول اکرم کا ادب، احترام اور تعظیم و توقیر نہ کرنے والا منافق تو ہو سکتا ہے..... فاسق، فاجر اور کافر تو ہو سکتا ہے..... مگر حقیقی معنوں میں مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔

﴿۴۱﴾ آگے نہ بڑھیں:

قرآن کریم نے رسول محترم ﷺ کا یہ ادب بھی بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی شخص آپ ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ آپ کے پیچھے پیچھے چلے اور آپ ﷺ کے ادب و احترام کا پورا پورا خیال رکھے۔ اسی سورۃ الحجرات کی پہلی آیت طیبہ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔“

اس آیت کریمہ کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ آپ ﷺ کی اقتداء فرماتے۔ نقش قدم پر چلتے اور کوئی شخص بھی آپ ﷺ سے آگے بڑھنے کی جسارت نہ کرتا۔ سوائے اس موقع کے جب آپ ﷺ خود کسی صحابی کو آگے بڑھنے کا حکم ارشاد فرماتے۔ جیسا کہ بعض غزوات اور اسفار میں ایسا ہوا۔

اس آیت طیبہ کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ جب رسول مقبول ﷺ ان کے ساتھ چلتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ آپ ﷺ سے آگے چلے۔ جب آپ ﷺ مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو کسی میں ہمت نہ تھی کہ گفتگو میں پہل کرے اور جب آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ شریک طعام ہوتے تو کوئی آپ ﷺ سے پہلے نوالہ

توڑنے کی جسارت نہ کرتا۔ یہ محض عقیدت مندانہ خیالات والفاظ نہیں بلکہ احادیث مبارکات میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

كُنَّا إِذَا حَضَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ طَعَامًا لَمْ نَضَعْ أَيْدِينَا حَتَّى يَبْدَأَ رَسُولُ اللَّهِ فَيَضَعُ يَدَهُ.

(صحیح مسلم، کتاب الاثریۃ۔ باب آداب الطعام والشراب)

”جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک طعام ہوتے تو ہم کھانے میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء فرماتے اور اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے۔“

اس آیت مبارکہ کے الفاظ اور حدیث مبارکہ کا مفہوم اس امر کا متقاضی ہے کہ جس محفل و مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود تشریف فرما ہوں وہاں کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی جسارت نہ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ادب و احترام ملحوظ رکھے۔

۱۵ امامت آپ کروائیں:

قرآنی آیات اور احادیث مبارکات میں نبی معظم، رسول اکرم، رحمت مجسم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا ایک پہلو یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس مقام پر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود اور تشریف فرما ہوں وہاں کوئی شخص نماز کی امامت کا فریضہ سر انجام نہیں دے سکتا۔ مصلی امامت پہ کھڑا نہیں ہو سکتا اور لوگوں کو باجماعت نماز نہیں پڑھا سکتا۔ قرآن مجید کے پانچویں پارے کی آیت کریمہ کے الفاظ ہیں۔

﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقْبْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ (۳/ النساء: ۱۰۲)

”اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ اُن میں تشریف فرما ہوں تو آپ ہی نماز میں اُن کی امامت فرمائیں۔“

خالق ارض و سماء اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان کے مطابق سفر و حضر میں ہمیشہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ سوائے ایام مرض کے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں امامت کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں آپ ﷺ کی بیماری کے باعث سترہ نمازوں کی امامت کروائی۔

عقیدت اور عقیدہ کی یہ بات پوری طرح ذہن نشین فرمائیں کہ جہاں محبوب خدا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ بذات خود موجود ہوں۔ وہاں کوئی بڑے سے بڑا عالم۔ فقیہ۔ مجتہد۔ خطیب۔ ادیب۔ امام، بزرگ۔ ولی، حاکم۔ کوئی بڑا عبادت گار۔ شب زندہ دار۔ کوئی تابعی بلکہ آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی صحابی بھی مضٹی امامت پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اصحاب رسول تو رہے ایک طرف..... سرور کون و مکاں ﷺ کی موجودگی میں تو کوئی نبی۔ پیغمبر اور رسول بھی نماز کی جماعت نہیں کروا سکتا۔ یہ آپ ﷺ کے ادب کی بات، احترام کا مسئلہ اور اللہ تعالیٰ کا حکم و فرمان ہے۔

آئیے! آپ کو تصورات کی دنیا میں مسجد اقصیٰ لیے چلتے ہیں..... اللہ تعالیٰ اُسے پنچہ یہود سے آزاد فرمائے۔ آمین..... شب معراج رسول کریم ﷺ اور تمام انبیاء و رسل اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے وہاں پہنچائے گئے۔ اذان اور اقامت ہوئی..... چشم فلک حیران..... فرشتے پریشان..... کہ یہ سب اولوالعزم ہستیاں ہیں۔ ایک طرف آدم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آرہے ہیں..... دوسری طرف نوح نجی اللہ موجود ہیں..... ابراہیم خلیل اللہ..... اسماعیل ذبیح اللہ..... موسیٰ کلیم اللہ..... داؤد خلیفۃ اللہ..... اور..... عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام بھی تشریف فرما ہیں۔ یہ سارے کے سارے اپنی اپنی امتوں کے امام ہیں۔ دیکھیں آج ”امام الائمہ“ یعنی اماموں کے امام بننے کا اعزاز و شرف کسے حاصل ہوتا ہے؟ ہر نبی و رسول کے دل میں یہ خواہش مچل رہی ہے کہ ”امامت انبیاء“ کی سعادت مجھے حاصل ہو جائے۔ تمام برگزیدہ شخصیات دم بخود اور فیصلہ الہی کے منتظر..... کہ اچانک سید الملائکہ جناب جبریل علیہ السلام نے محسن کائنات جناب محمد مصطفیٰ کا ہاتھ پکڑا اور انبیاء کی صفوں سے آگے کرتے ہوئے جو فرمایا۔ اس کا ترجمہ ہے کہ۔

جتنے ہووے محمد ﷺ ایسے ہو ای نہیں سکا
سوئے آگے کوئی کھلو ای نہیں سکا

سرور کونین ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

((ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَجُمِعَ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ فَقَدَّمَنِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَمَمْتُهُمْ)) (سنن نسائی، کتاب الصلاة، فرض الصلاة)

”پھر میں (معراج کی رات) بیت المقدس میں داخل ہوا جہاں میرے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا تھا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے (میرا ہاتھ پکڑ کر) مجھے آگے کر دیا تو میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کروائی۔“

[6] ذو معنی الفاظ استعمال نہ کریں:

اللہ تعالیٰ نے سرور کونین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ ادب بھی قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے کہ آپ سے ہم کلامی اور گفتگو کے دوران ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جو آپ ﷺ کے شایان شان نہ ہوں اور جن میں آپ ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی کا شائبہ پایا جاتا ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (البقرة: ۱۰۴)

”اے ایمان والو! تم (رسول اللہ ﷺ کو) ”رَاعِنَا“ نہ کہو اور (اگر ضرورت ہو تو) ”انْظُرْنَا“ کہو۔ اور (آپ ﷺ کی بات) غور سے سنا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

اس حکم الہی کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں نبی کریم ﷺ جب کوئی اجتماع عام منعقد کرتے تو اس میں مومنین صادقین کے علاوہ منافقین اور یہودی بھی شریک ہو جاتے اور آپ ﷺ کا خطاب عام سنتے۔ دورانِ تقریر اگر کسی مخلص مومن کو کوئی بات سمجھنے میں دشواری ہوتی تو وہ نہایت ادب سے عرض کرتا۔ اے اللہ کے رسول! ”رَاعِنَا“ ہمارا لحاظ، خیال اور رعایت فرمائیے اور بیان کردہ بات کو دوبارہ فرما دیجئے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ مجلس میں موجود یہودی اپنے بغض و عناد، دشمنی اور حسد کی وجہ سے اس لفظ کو بگاڑ کر اور زبان کو مروڑ

کر ادا کرتے جس سے اس کا مفہوم یکسر تبدیل ہو جاتا۔ قرآن کریم میں ہے کہ ﴿لَيَّا بِأَلْسِنَتِهِمْ﴾ (۴/النساء: ۴۶) اور وہ یہودی اپنی زبانوں کو مروڑتے تھے۔ یعنی ”رَاعِنًا“ کے الفاظ کو ذرا المبا کر کے ”رَاعِنًا“ (اے ہمارے چرواہے) کہتے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس مشکوک اور ذومعنی لفظ کے استعمال ہی سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ اگر تمہیں ضرورت پیش آئے تو اس کی جگہ ”أَنْظُرْنَا“ کہا کرو۔ جس کا ترجمہ ہے ”ہماری طرف نظر کرم فرمائیے“ توجہ فرمائیے اور ہماری طرف بھی دیکھئے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رسول اکرم ﷺ کی معمولی توہین، تنقیص اور اہانت بھی برداشت نہیں ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمام لوگ رسول کریم ﷺ کا زیادہ احترام، عزت، ادب اور تعظیم کریں اور آپ ﷺ کی ذات گرامی کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کریں جس سے آپ ﷺ کی شان اقدس میں بے ادبی اور گستاخی کا شبہ ہوتا ہو۔

﴿۷۷﴾ آواز بلند نہ کریں:

بارگاہ رسالت مآب ﷺ کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص نبی مکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے ہم کلامی کی سعادت حاصل کرے تو اس امر کا خاص خیال رکھے کہ دوران گفتگو اس کی آواز امام الرسل ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو جائے۔ اگر خواہ مخواہ کسی آدمی نے اس معاملے میں جان بوجھ کر کوتاہی کی تو اس گستاخی کی پاداش میں اس کی زندگی کے تمام اعمال ضائع، برباد اور اکارت جائیں گے اور اُسے رسول پاک کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے کی وجہ سے اُس کی تمام نیکیوں کے اجر و ثواب سے محروم کر دیا جائے گا۔

سورة الحجرات کی دوسری آیت طیبہ اسی امر کا اعلان کر رہی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (۴۹/الحجرات: ۲)

”اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔

اور آپ ﷺ کے ساتھ اونچی آواز میں گفتگو نہ کیا کرو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔“

آپ اس آیت مبارکہ کے الفاظ کی شدت پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کتنے سخت الفاظ میں احترام رسول کی تلقین و تاکید فرما رہا ہے اور اس کے ساتھ ذات باری تعالیٰ نے اس آیت میں بارگاہ نبوت میں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرنے کا طریقہ اور سلیقہ بھی سمجھا دیا کہ اے اہل ایمان! جب تم رسول اکرم ﷺ کی مجلس میں ہو تو تمہاری آپس کی گفتگو میں بھی تمہاری آواز اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی آواز سے اونچی نہیں ہونی چاہیے۔ اور جب تم نبی مکرم ﷺ سے ہم کلام ہو تو نہایت وقار۔ سکون۔ احترام۔ عزت۔ توقیر۔ تعظیم۔ اور تکریم کے ساتھ بات چیت کیا کرو۔ آپس کی طرح بے تکلفی اختیار نہ کرو اور آپ ﷺ کیلئے عام الفاظ استعمال نہ کرو۔ اور یاد رکھو! اگر تم نے احترام نبوت کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھا تو تمہاری نیکیاں برباد اور تمہارے اعمال اکارت جائیں گے۔

شان نزول:

سورۃ الحجرات کی یہ آیت مقدسہ ان دو بزرگ شخصیتوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کے جنتی اور اُمت محمدیہ میں سب سے افضل و اعلیٰ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ جنہیں آپ ﷺ نے اپنی زبان رسالت سے جنتی قرار دیا اور جن کی فضیلت و عظمت کے بیان و اظہار کیلئے قرآن مجید کی درجنوں آیات نازل فرمائی گئیں۔ جن کی خدمات جلیلہ کا دائرہ از حد وسیع اور قربانیوں کی داستانیں لاتعداد ہیں، جو رسول مکرم ﷺ کے سب سے قریبی دوست اور اہم رشتے دار تھے۔ جنہیں رسول معظم ﷺ کے وزیر، مشیر اور رفیق ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ ہستیاں ہیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

ہوا یہ کہ بنو تمیم کا ایک وفد رسول اکرم ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ آیا۔ (اور آپ سے درخواست کی آپ ہمارا کوئی سردار، امیر اور سربراہ مقرر فرمادیں۔ جناب صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما آپ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے مشورہ

طلب فرمایا تو) جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص (قعقاع بن معبد) کو اُن کا امیر مقرر کرنے کی تجویز دی جبکہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کو اُن کا سردار بنانے کا مشورہ دیا۔ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اختلاف رائے کو پسند نہ فرمایا اور اُن سے کہا کہ ”آپ تو مجھ سے اختلاف ہی کرنا چاہتے ہیں“ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ ”میں آپ سے اختلاف نہیں کرنا چاہتا“ (بلکہ میرے خیال میں مصلحت کا تقاضا یہی ہے جو میں نے رائے دی ہے۔) اسی بحث و مباحثہ میں دونوں نیک ترین اور بزرگ ہستیوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الحجرات)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا
تَشْعُرُونَ ①﴾

”اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ اونچی آواز میں گفتگو نہ کیا کرو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔“

صحابی رسول جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

فَمَا كَانَ عُمَرُ يُسْمِعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ
هَذِهِ الْآيَةِ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ.

(صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر، سورۃ الحجرات)

”اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جناب عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے اتنی آہستہ آواز میں بات کرتے کہ آپ کو صاف سنائی بھی نہ دیتی اور آپ ﷺ کو ان سے دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔“ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ سورۃ الحجرات کی یہ آیت سننے کے بعد:

قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَا أَكَلِّمُكَ إِلَّا كَاخِي السِّرَّارِ حَتَّى أَلْقَى اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ۔

(ہذا حدیث صحیح علی شرط مسلم۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الحجرات۔)

”جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ مجھے اُس اللہ کی قسم! جس نے آپ پر قرآن مجید جیسی کتاب کو نازل فرمایا ہے میں زندگی بھر آپ سے بالکل آہستہ آہستہ بات کروں گا اور کبھی بھی اونچی آواز نکالنے کی جسارت نہیں کروں گا۔“

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی فکر مندی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو پہلے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل و جان سے از حد احترام کرتے تھے۔ سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہونے کے بعد مزید محتاط ہو گئے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جن کا نام سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہے بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ اُن کا لقب خطیب الانصار تھا۔ نبوت کا جھوٹا دعوے دار مسیلمہ کذاب اپنے حمایتیوں کی بڑی تعداد لے کر جب مدینہ طیبہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ اپنے بعد مجھے اپنا نائب بنانے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو رسول تسلیم کر کے آپ کی اتباع کرنے کیلئے تیار ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے اُس کے ساتھ مزید گفتگو کیلئے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ہی مقرر فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ فصیح اللسان خطیب تھے۔

سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز قدرتی طور پر بھاری اور بلند تھی، سورۃ الحجرات کی یہ آیت کریمہ سن کر آپ از حد غمگین اور پریشان ہوئے کہ میری آواز تو ویسے ہی اونچی ہے اور جب دربار نبوی میں گفتگو کروں گا تو میرے اعمال ضائع اور برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسی ڈر اور خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اپنے گھر میں محصور کر لیا۔ دروازہ مقفل کر لیا اور مسجد نبوی میں حاضر ہونا بھی ترک کر دیا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”جب سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور ہو کر بیٹھ گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ (چونکہ میری آواز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند

ہے لہذا میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں تو دوزخی ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو (مسجد سے) غیر حاضر پایا تو اُن کے پڑوسی جناب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ۔ مَا شَأْنُ ثَابِتٍ أَشْتَكِي؟ ثابت بن قیس کا کیا حال ہے۔ وہ کہیں بیمار تو نہیں ہے؟ جناب سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ میرا ہمسایہ ہے مگر اُس کی بیماری وغیرہ کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ البتہ میں اس کا حال معلوم کر کے آپ کو بتاؤں گا۔ جناب سعد رضی اللہ عنہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تو انہیں سر جھکائے پریشان حال دیکھ کر اُن سے پوچھا۔ مَا شَأْنُكَ؟ تمہارا کیا حال ہے۔ جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میری حالت تو بہت بری ہے۔ کیونکہ میری آواز نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند ہے لہذا میرے تو سارے اعمال برباد ہو گئے اور میں تو دوزخیوں میں سے ہو گیا۔“

جناب سعد رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال نبی معظم ﷺ کے روبرو بیان فرمائی تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ تم دوبارہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انہیں میری طرف سے بشارت سناؤ کہ۔ إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلَكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔ تم دوزخیوں میں سے نہیں ہو۔ بلکہ تم اہل جنت میں سے ہو (کیونکہ تم جان بوجھ کر اپنی آواز کو میری آواز سے بلند نہیں کرتے۔)

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الحجرات، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب مخالفۃ المؤمن ان سخط عملہ۔)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

فَكُنَّا نَرَاهُ يَمْشِي بَيْنَ أَظْهَرُنَا وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔

(تفسیر ابن کثیر۔ سورۃ الحجرات آیت۔ ۲)

”ہم اُن (ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ) کو اپنے درمیان چلتا پھرتا دیکھتے تھے اور ہمیں

پورا یقین تھا کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔“

اخلاقی اصول:

یہ ایک عام اخلاقی ضابطہ، مہذب سوسائٹی کا اصول اور شریفانہ معاشرے کا دستور ہے کہ۔ نیک خو بیٹا اپنے باپ کے سامنے..... فرماں بردار شاگرد اپنے استاد کے

سامنے..... چھوٹا بڑے کے سامنے..... مقتدی، خطیب کے سامنے..... نوکر مالک کے سامنے..... اور..... ماتحت ملازم اپنے افسر کے سامنے ہمیشہ ادب و احترام کو ملحوظ رکھتا ہے اور اُن کے روبرو اونچی آواز سے گلا پھاڑ کر گفتگو نہیں کرتا بلکہ تہذیب و شائستگی کے ساتھ گفتگو کرتا اور مراتب کے فرق کا خیال رکھتا ہے۔ جب عام انسانوں کے درمیان گفتگو کے وقت ان باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے تو امام الانبیاء سید الاتقیاء جناب محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا تو بالاؤلیٰ حق بنتا ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ادب و احترام کا پورا خیال رکھا جائے اور کوئی ایسا لفظ و حرف زبان پر نہ لایا جائے جس سے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شان اقدس میں اہانت، تنقیص یا گستاخی کا شہہ پڑ سکتا ہو۔

رمز شناس رسول سیدنا ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا طریقہ تھا کہ جب باہر سے کوئی وفد رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ملاقات کیلئے مدینہ طیبہ آتا تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ملاقات رسول سے قبل اس وفد کے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجتے جو انہیں بارگاہ رسالت میں حاضری کے آداب سکھاتا اور انہیں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے روبرو اطمینان و وقار اور متانت و سنجیدگی اختیار کرنے کا درس دیتا تھا۔
(تفسیر روح المعانی۔ سورۃ الحجرات آیت ۲۔)

حدیث رسول کا احترام:

سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ میں ذاتِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے جو آداب سکھائے گئے ہیں اگرچہ اُن کا تعلق مجلس رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ہے اور اس کے مخاطب صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اور وہ لوگ ہیں جو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانے میں موجود تھے۔ اور یہ آداب اس لیے سکھائے گئے تاکہ لوگ نبی مکرم، رسول محترم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ایک عام اور معمولی آدمی نہ سمجھیں بلکہ احساس کریں کہ ہم رحمۃ للعالمین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ یہ خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی محفل ہے اور ہم سید الاولین والآخرین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مخاطب ہیں۔ تاہم

☆ جب رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ذکر خیر ہو رہا ہو۔

☆ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ارشادات، فرمودات اور احکام سنائے جا رہے ہوں۔

☆ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ کا تذکرہ ہو رہا ہو۔

آپ ﷺ کی احادیث بیان کی جا رہی ہوں۔

☆ کوئی عالم دین قرآنی آیات اور احادیث مبارکات کی تفسیر و تشریح کر رہا ہو۔

☆ ان سب صورتوں میں بھی ادب و احترام ملحوظ رکھنا اور باواز بلند گفتگو سے اجتناب کرنا اشد ضروری ہے۔ بلکہ نبی محترم ﷺ کی مسجد نبوی میں بھی شور و غل، بے احتیاطی اور بلند آوازوں سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے گفتگو

کرتے ہوئے دیکھ کر جناب سائب بن یزید کو اشارہ فرمایا کہ ان دونوں کو پکڑ کر میرے پاس

لاؤ۔ وہ انہیں بلا کر جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ أَنْتُمْ أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمْ؟ قَالَ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ: لَوْ

كُنْتُمْ مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَا وَجَعْتُكُمْ تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمْ فِي

مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب رفع الصوت فی المسجد۔)

”تم دونوں کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی! ہم

طائف سے آئے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اس شہر (مدینہ طیبہ) کے

باشندے ہوتے تو میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کی مسجد میں

اپنی آوازوں کو بلند کر رہے ہو۔“

کسی شاعر نے رسول کریم ﷺ کے فضائل و مناقب اور آداب و احترامات کا تذکرہ

کرتے ہوئے بڑی خوب صورت باتیں کی ہیں کہ:

سنا جس کسی نے کلام محمد ﷺ

ہوا جان و دل سے غلام محمد ﷺ

ہوا ہے نہ ہو گا میسر کسی کو

بلند اس قدر ہے مقام محمد ﷺ

ہے قرآن میں موجود فرماں خدا کا

کلام خدا ہے کلام محمد ﷺ

سر اور دل جھومتے ہیں۔ خوشی سے
لبوں پہ جب آتا ہے نام محمد ﷺ
اگر چاہتا ہے خدا تجھ سے خوش ہو
دل و جاں سے کر احترام محمد ﷺ
اسی احترام رسول کا درس سورۃ الحجرات کی دوسری آیت دے رہی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا
تَشْعُرُونَ ①﴾

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ
کرو۔ اور آپ ﷺ کو اس طرح اونچی آواز سے نہ بلاؤ جیسے آپس میں ایک
دوسرے کو بلاتے ہو (اگر تم نے ایسا کیا تو) تمہارے سارے اعمال اکارت
جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ کے حضور دست بستہ دعا ہے کہ ذاتِ کبریا تمام اہل ایمان کو رسول اکرم ﷺ
کا ادب، احترام، توقیر، تعظیم، تکریم اور اطاعت و اتباع کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔
آمین۔ یا رب العالمین۔

حضرات! یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ نبی کریم ﷺ کے احترام و ادب کا لازمی تقاضا یہ
ہے کہ آپ ﷺ کے دین اسلام کو کامل و اکمل سمجھا اور مانا جائے۔ آپ ﷺ نے جو کام
کرنے کا حکم دیا ہے اُن پر خوش دلی اور ذوق و شوق سے عمل کیا جائے اور جن امور سے منع
فرمایا ہے اُن سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں کسی قسم کی کمی
بیشی نہ کی جائے۔ شرک و بدعت سے خود بچا جائے اور لوگوں کو بچانے کی کوشش کی جائے۔
توحید و سنت کی دعوت کو عام کیا جائے اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو اپنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ
ہم سب کو اس کی توفیق و سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

نامِ رسول ﷺ کے آداب

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
 بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا
 تَشْعُرُونَ ۝﴾ (۴۹/الحجرات: ۲)

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو
 اور انہیں بلند آواز سے نہ بلایا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے
 بلا تے ہو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور
 تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“

حمد و ثناء، خالق ارض و سماء اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے خاص ہے جس نے انسانیت کو عدم
 سے وجود بخشنے کے بعد اس کی رشد و راہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا
 جنہوں نے انسانوں کو غیر اللہ کی پرستش سے ہٹا کر ایک اللہ وحدہ لا شریک کا پرستار بنایا۔ اور
 تبلیغ توحید کی پاداش میں آنے والی تمام تکالیف، شدائد اور مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کر
 کے صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمایا اور کسی خوف، ڈر اور لالچ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا
 پرچار فرمایا۔

لا تعداد و بے شمار اور ان گنت و بے حساب درود و سلام سید الرسل، ختم الرسل اور امام
 الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین
 اور خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور نبوت و رسالت جیسی بے مثال نعمت عطاء فرمانے کے
 ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو ”ختم نبوت“ کا اعزاز عظیم بھی عطاء فرمایا اور قرآن حکیم کی متعدد
 آیات مبارکات میں اپنی عبادت اور ان کی اطاعت کا حکم ارشاد فرمایا۔ بلکہ ان کی فرماں
 برداری کو اپنی فرماں برداری اور ان کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا۔ جن پر خود خالق

کائنات اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اُن پر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ٥٦﴾ (احزاب: ٥٦)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُن پر درود بھیجو اور سلام کہو، سلام کہنا۔“

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔
اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین عظام۔ مفسرین و محدثین، بزرگان دین، صلحاء اُمت، اولیاء کرام اور تمام فوت شدہ اہل ایمان کی قبروں کو اللہ تعالیٰ نور اور روشنی سے منور فرمائے اور زندہ اہل ایمان کو اللہ رحم الراحمین قرآن و حدیث کے مطابق عمل کر کے اپنی دُنیا اور آخرت بہتر بنانے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

افتتاحی کلمات:

اللہ تعالیٰ کے خاص لطف و احسان اور فضل و کرم کی بدولت خطبات جمععات میں قرآن کریم کے چھبیسویں پارے سے سورۃ الحجرات کی تشریح و تفسیر کا سلسلہ جاری ہے۔ پچھلے تین خطبات میں رسول مکرم ﷺ کی بات کے آداب، آپ ﷺ کی ذات کے آداب اور تقویٰ کے احکام و مسائل بیان کئے جا چکے ہیں۔ آج کی گزارشات میں نبی محترم ﷺ کے نام کے آداب و احترام کا موضوع ان شاء اللہ العزیز عرض کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن حکیم کے حقائق و معارف کو سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اپنی مقدس و آخری کتاب کے ساتھ ہم سب کی محبت و عقیدت کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی رحمت جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے اُلفت، محبت، اور

عقیدت ہر مسلمان کے ایمان کا لازمی حصہ بلکہ عین ایمان ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ اپنے والدین، اولاد، عزیز و اقارب بلکہ سارے جہان سے زیادہ محبت کرنا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الایمان۔ باب حب الرسول من الایمان)

”تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ میرے ساتھ محبت نہ کرے۔“

کسی محب صادق نے سو فی صد درست کہا ہے کہ ۔

محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو، اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد ﷺ کی محبت دین و دنیا کا سہارا ہے
محمد ﷺ جس کو پیارے ہیں خدا کا وہ پیارا ہے
محمد ﷺ کی محبت ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرے، آپ ﷺ کی سنتوں، احادیث اور فرامین پر عمل کرے، آپ ﷺ کی حد درجہ تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کرے اور اپنی زندگی کو اُسوۂ رسول ﷺ کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے۔

آپ ﷺ کے ذاتی نام:

ساقی کوثر، شافع محشر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذاتی نام دو ہیں۔ پہلا نام ”محمد“ ﷺ اور دوسرا اسم مبارک ”احمد“ ﷺ ہے۔ اور آپ ﷺ کے ان دونوں اسماء مبارکات کا ذکر خیر قرآن حکیم میں آیا ہے۔ کتاب الہی کے چوتھے پارے کی آیت طیبہ ہے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ

أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۖ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿٣٣﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

”اور محمد ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔ تو اگر انہیں موت آجائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو کیا تم (اسلام سے) اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو اُلٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزاء عطاء فرمائے گا۔“

رسول کریم ﷺ کے اسم مبارک والی یہ آیت طیبہ ۳ ہجری ماہ شوال میں غزوہ احد کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تسلی کیلئے اُس وقت نازل فرمائی گئی جب میدان جنگ میں آپ ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی۔ آپ ﷺ کی خبر شہادت کے پھیلنے سے جب بعض کمزور دل مسلمان مایوسی کا شکار ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے رسول محترم ﷺ پر اس آیت مبارکہ کا نزول فرمایا اور اہل ایمان کو حوصلہ دیا کہ آپ ﷺ بھی پہلے انبیاء و رسل کی طرح ایک نہ ایک دن دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو کیا تم آپ ﷺ کے بعد آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ گے؟ بلاشبہ جناب محمد کریم ﷺ میرے سچے رسول ہیں۔ آپ کا دین قیامت تک کیلئے اور آپ کی کتاب قرآن مجید ہمیشہ کیلئے ہے۔

قرآن حکیم کا دوسرا وہ مقام ذی شان جہاں آپ ﷺ کا ذاتی اسم مبارک ”محمد“ ﷺ آیا ہے، وہ کتاب الہی کا بابائیسواں پارہ سورۃ احزاب ہے۔ فرمان ربانی ہے۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝﴾ (آحزاب: ۴۰)

”محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے (حقیقی) باپ نہیں ہیں اور لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبیوں میں سے آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

جب رسول مقبول ﷺ نے..... اپنے منہ بولے بیٹے جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی

مطلقہ بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے خصوصی حکم کے مطابق نکاح فرمایا تو دشمنان اسلام نے اعتراض کیا کہ زید تو آپ کا منہ بولا بیٹا اور زینب آپ کی بہو ہے۔ لہذا آپ ﷺ نے اپنی بہو سے نکاح کر کے عرب معاشرے کے دستور اور قرآنی حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ ”محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں۔“ لہذا زید اور اُس کی مطلقہ بیوی پر حقیقی بیٹے اور بہو کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ لہذا آپ ﷺ کا یہ اقدام قرآنی حکم کی خلاف ورزی نہیں بلکہ ایک جاہلانہ رسم کو ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے فرمان، حکم اور ارشاد پر عمل ہے۔

مختصر یہ کہ اس آیت مطہرہ میں بھی آپ ﷺ کا ذاتی اسم مبارک ”محمد“ ﷺ ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس و بابرکت کتاب قرآن مجید کے چھبیسویں پارے میں چار رکوعوں اور اڑتیس آیات مبارکات پر مشتمل ایک سورت مبارکہ نازل فرمائی جس کا نام ”سورۃ محمد“ ہے۔ اسی عظیم البرکت سورت کی دوسری آیت ہے۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝﴾ (۲۷/محمد: ۲)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور جو (قرآن) محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اُس پر ایمان لائے اور اُن کے رب کی طرف سے یہی حق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی برائیوں کو مٹا دیا اور اُن کے حالات کو سنوار دیا ہے۔“

کتاب الہی کے اسی چھبیسویں پارے سورۃ فتح کی آخری آیت کے ابتدائی الفاظ میں بھی آپ ﷺ کے ذاتی اسم مقدس ”محمد“ ﷺ کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۝﴾ (۲۸/فتح: ۲۹)

”محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر

بڑے سخت اور آپس میں نہایت مہربان ہیں۔ تم انہیں رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھو گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضامندی تلاش کرتے ہیں۔“

قرآن مجید فرقان حمید کے یہ وہ چار مقامات ہیں جہاں والی بطحاء، شافع روز جزا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذاتی نام مبارک ”محمد“ ﷺ کا خوب صورت تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ رحمت مجسم ﷺ کا دوسرا ذاتی نام ”احمد“ ہے اور اس کا ذکر قرآن حکیم کے اٹھائیسویں پارے میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے برگزیدہ رسول جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اپنی بعثت کے مقاصد کی وضاحت اور اپنے بعد آنے والے آخری نبی ﷺ کی خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا۔ اے میری قوم: میں اللہ تعالیٰ کا رسول، تورات کی تصدیق کرنے والا اور احمد مجتبیٰ کی بشارت دینے والا ہوں۔ فرمان الہی ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝﴾
(٦١/ الصف: ٦)

”اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب جناب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول (بن کر آیا) ہوں اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں۔ اُس کا نام ”احمد“ ہے۔ پھر جب رسول ﷺ اُن کے پاس واضح دلائل لے کر تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ظاہر جادو ہے۔“

ان پانچ قرآنی آیات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ آپ ﷺ کے ذاتی نام ”محمد اور احمد“ ﷺ ہیں۔

ذاتی ناموں کے معانی:

عربی گرامر کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کے یہ دونوں نام ”محمد و احمد“ حمد سے ماخوذ و مشتق

ہیں۔ اور لفظ ”محمد“ باب تفعیل کے اسم مفعول میں مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے۔ بہت زیادہ تعریف اور مدح کیا گیا۔ خاصیات ابواب کے اصول کے تحت باب تفعیل کا ایک خاصہ ”تکرار“ ہے یعنی کسی فعل کا بار بار اور لمحہ بہ لمحہ وقوع پذیر ہونا۔ اور اس میں ”استمرار“ یعنی مداومت اور ہمیشگی کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ ذات گرامی جس کی بار بار، بالتکرار، بالاستمرار اور ہمیشہ بہت زیادہ مدح و تعریف کی جائے۔ اُسے ”محمد“ کہا جاتا ہے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سے ہر دور، ہر زمانے، ہر لمحے، ہر جگہ اور ہر وقت جس ذات گرامی کی سب سے زیادہ مدح و تعریف ہوئی..... ہو رہی..... اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ اُس ہستی مبارکہ کا نام نامی اسم گرامی جناب محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے۔

☆ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل کے سامنے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعریف فرمائی۔

☆ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعاؤں میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی صفات بیان فرمائیں۔

☆ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تورات میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اوصاف حمیدہ بیان ہوئے۔

☆ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بشارات سنائی گئیں۔

☆ سیدنا داؤد علیہ السلام کی زبور میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی علامات کا ذکر خیر ہوا۔

☆ قرآن حکیم کی سینکڑوں آیات میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مدح سرائی کی گئی۔

☆ احادیث کی تمام کتابوں میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے خصائص و امتیازات کا تذکرہ ہوا۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اعزازات کی تفصیل بیان ہوئی۔

☆ ہر دور کے محدثین و مفسرین نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے کمالات تفصیلاً بیان فرمائے۔

☆ ہر زمانے کے مصنفین و مؤلفین نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سیرت طیبہ پر کتب تالیف فرمائیں۔

☆ دنیا بھر کے خطباء، شعراء، حکماء، علماء اور ادباء اپنے اپنے انداز میں رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مدح و تعریف کرتے رہے..... کر رہے..... اور قیامت تک بار بار، بالتکرار اور بالاستمرار کرتے رہیں گے۔

یہی نام مصطفیٰ کا اعجاز، اعزاز اور اکرام ہے اور اسی عظیم المرتبت، برگزیدہ اور محبوب ذات

کو ”محمد“ کہا جاتا ہے۔ بہت زیادہ تعریف کیا گیا اور از حد مدح کیا گیا..... صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

غریبوں کی جو ثروت ہیں، ضعیفوں کی جو قوت ہیں
انہیں عالم کے ہر دکھ کی دوا کہنا ہی پڑتا ہے
انہیں فرماں روائے انس و جاں کہتے ہی بنتی ہے
انہیں محبوب رب دوسرا کہنا ہی پڑتا ہے

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سرور کونین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا دوسرا ذاتی نام ”احمد“ ہے جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے۔ اَحْمَدُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ، یعنی ساری مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد و ثناء کرنے والا۔ اور یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ کائنات ہست و بود میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد و ثناء، تعریف و تسبیح اور تحمید و تمجید جناب مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بیان فرمائی ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زبانی رب کائنات کی حمد و ثناء کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

- ☆ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہر روز صبح نیند سے بیدار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ کھانا کھا کر فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ نیا لباس زیب تن فرماتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ خطبہ جمعہ کا آغاز فرماتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ خطبہ نکاح پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ خطبہ حاجت کی ضرورت پیش آتی تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ وعظ و نصیحت اور تقریر فرماتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ نیا پھل تناول فرماتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ ہر نماز کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔
- ☆ دعا کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے کرتے۔
- ☆ کوئی خوشی اور مسرت کی خبر سنتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔

سواری پر سوار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے۔..... الغرض..... رسول محترم ﷺ صبح و شام، لیل و نہار، شب و روز، خلوت و جلوت اور محفل و تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی ”حمد“ بیان فرماتے۔ اس لیے آپ ﷺ کا دوسرا ذاتی نام ”احمد“ ﷺ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی سب سے حمد و ثناء اور بڑائی بیان کرنے والے.....

صفاتی ناموں کی تعداد:

بعض بزرگان دین، اکابر علماء کرام اور سیرت نگاروں نے نبی اکرم، رسول معظم، رحمت مجسم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اوصاف، خصائص، اعزازات، امتیازات اور صفات حمیدہ کی بنیاد پر آپ ﷺ کے اسماء مبارکات کی فہرستیں مرتب فرمائی ہیں، معروف محدث امام بن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ:

وَأَمَّا إِنْ جُعِلَ لَهُ مِنْ كُلِّ وَصْفٍ مِّنْ أَوْصَافِهِ تَجَاوَزَتْ أَسْمَاءُ الْمَائَتَيْنِ كَالصَّادِقِ وَالْمَصْدُوقِ وَالرَّؤُفِ الرَّحِيمِ إِلَى أَمْثَالِ ذَلِكَ وَفِي هَذَا قَالَ مَنْ قَالَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ أَلْفُ اسْمٍ وَلِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْفُ اسْمٍ. قَالَ أَبُو الْخَطَّابِ بْنُ دَحِيَّةٍ. وَمَقْصُودُهُ الْإِوْصَافُ. (زاد المعاد۔ فصل فی اسماء ﷺ)

”اور اگر آپ ﷺ کی صفات مبارکات کو آپ ﷺ کے اسماء قرار دیا جائے تو اس صورت میں آپ ﷺ کے ناموں کی تعداد دو سو سے بھی زیادہ ہو جائے جیسے صادق، مصدوق، رؤف الرحیم اور اس طرح کی دوسری صفات وغیرہ۔ اسی بارے میں کسی کہنے والے نے کہا ہے اور اس بات کا قائل ابو الخطاب بن دحیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار ناموں کی طرح نبی اکرم ﷺ کے نام بھی ایک ہزار ہیں۔ اس سے اُن کا مقصود اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کی صفات و اوصاف ہیں۔“

مشہور سیرت نگار اور نامور محقق قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ: ”سیرت نبویہ کے ائمۃ الاعلام کا شیوہ رہا ہے کہ:

(الف): جس مصدر یا فعل کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف کتاب حمید میں فرمائی ہے۔ اُسے اسم بنا لیتے ہیں۔

(ب): جس صفت کے ساتھ حضور (ﷺ) کی توصیف کتاب حمید میں فرمائی ہے۔ اُسے اسم بنا لیتے ہیں۔

(ج): جن اعلام کے ساتھ اشعار میں جو حضور (ﷺ) کے سامنے پڑھے گئے حضور (ﷺ) کو مخاطب یا موصوف کیا گیا ہے، اُس کو اسماء کے ذیل میں شامل کر لیتے ہیں۔

ائمہ سیرت کا یہ شیوہ مستحسن ہے اور حسن ادب۔ نیز کمال ادب پر دل ہے۔ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اسماء مبارکہ کی جو فہرست و ترتیب حروف تہجی درج کی گئی ہے وہ انہی اصول ثلاثہ پر مبنی ہے۔

مندرجہ بالا اصول کی صراحت کے بعد یہ قابل گزارش ہے کہ حضور کے جن اسماء کی صراحتہ تطبیق کلام ربانی سے ہوتی ہے۔ اُس کا شمار (۹۲) بانوے ہے۔“
(رحمۃ للعالمین جلد ۳ صفحہ ۸۰۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ نے ”رحمۃ للعالمین“ کی تیسری جلد میں امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی خصوصیات، اسماء مبارکات اور آپ ﷺ کے صفاتی اور ذاتی ناموں کی بڑی عمدہ، نفیس اور خوب صورت تشریح فرمائی ہے۔ خطباء، علماء، اور عوام کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کی خدمات جلیلہ کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

اسی طرح ماہنامہ ”نقوش“ کے رسول نمبر کی نوویں جلد ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کے مضمون میں سید المرسلین ﷺ کے چھپاسی قرآنی اور ایک سواٹھاون حدیثی اسماء و القاب اور اوصاف و صفات کی فہرست پیش کی گئی ہے۔

چند قرآنی اسماء مبارکات:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے متعدد قرآنی آیات میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف و کمالات

اور صفاتی اسماء مبارکات کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ بایسویں پارے میں ارشاد الہی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ ۴۵ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ

بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۴۶﴾ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

”اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے اُسی کی طرف بلانے والا اور روشن آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چھ اوصاف جلیلہ اور اسمائے مبارکہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ نبی:

ایسا انسان کامل جس پر رب العالمین کی طرف سے وحی نازل فرمائی جائے اور اُسے تبلیغ احکام کا حکم فرمایا جائے اُسے ”نبی“ کہا جاتا ہے، اس حیثیت سے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت نبی بلکہ آخری نبی ہیں۔ نبوت ایک وہی چیز اور عطیہ خداوندی ہے۔ آدمی اپنی محنت، کوشش اور کاوش سے عالم، مجتہد، مفتی، محدث، مفسر، مفکر، خطیب، ادیب، طبیب، حکیم، ڈاکٹر، امام، فلسفی، سائنسدان، کیمیا گر وغیرہ تو بن سکتا ہے مگر اپنی خواہش و کوشش سے نبی نہیں بن سکتا۔

﴿۲﴾ شاہد:

گواہی دینے والا، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی توحید اپنی رسالت و نبوت، قرآن حکیم کی صداقت و حقانیت، دوزخ اور جنت کی حقیقت کے گواہ ہیں اور روزِ حشر آپ ﷺ اپنے سے پہلے انبیاء و رسل اور اُن کی امتوں کی بھی گواہی دیں گے۔ لہذا آپ ﷺ کا ایک صفاتی نام ”شاہد“ ہے۔

﴿۳﴾ مُبَشِّر:

خوشخبری سنانے والا۔ آپ ﷺ نے توحید کے پرستاروں، اپنے فرماں برداروں اور

اللہ تعالیٰ کے عبادت گزاروں کو جنت کی بشارات اور خوشخبریاں سنائیں، اس لیے آپ ﷺ کا ایک نام ”مُبَشِّر اور بَشِير“ بھی ہے۔

﴿4﴾ نَذِير:

ڈرانے والا۔ آپ ﷺ نے مشرکوں، کافروں، منافقوں، غداروں اور نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب سے ساری عمر ڈرایا، دھمکایا اور خوف دلایا، اسی لیے قرآن حکیم میں آپ کو ”نَذِير“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

﴿5﴾ داعی الی اللہ:

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا نے والا، توحید کا سبق پڑھانے والا، شرک کی نجاستوں سے بچانے والا، غیر اللہ کے پجاریوں کو ایک الہ کے در پر جھکانے والا۔ یہ سارے کام آپ ﷺ نے بطریق احسن سرانجام دیئے اس لیے یہ بھی آپ کا صفاتی نام ہے۔

﴿6﴾ سراج منیر:

روشن چراغ۔ آپ ﷺ حسن و جمال کے پیکر، چاند اور سورج سے زیادہ حسین و جمیل۔ خود سراپا روشنی اور لوگوں کے قلوب و اذہان کو نور ایمان سے منور فرمانے والے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کا ایک اسم مبارک ”سراج منیر“ ہے۔
کتاب الہی کے گیارہویں پارے کی ایک ہی آیت میں آپ ﷺ کے پانچ صفاتی نام آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (۹/توبہ: ۱۲۸)

”البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے عظمت والا رسول آیا ہے۔ تمہارا تکلیف میں مبتلا ہونا اُس پر گراں گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی اور ہدایت کے طالب ہیں۔ وہ مومنوں پر بڑی شفقت فرمانے والے از حد مہربان ہیں۔“
اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کے پانچ صفاتی نام ذکر کیے گئے ہیں۔

﴿٧٧﴾ رَسُولٌ:

اس کا معنی ہے ”پیغامبر“ یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغامات و احکامات اُس کے بندوں تک پہنچانے والا، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہر قسم کے مصائب، شدائد اور مشکلات برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کے بندوں تک اُس کے احکام پہنچائے اور اس سلسلے میں کسی قسم کے ڈر، خوف اور لالچ کو آڑے نہیں آنے دیا۔ اس لفظ میں لام پر جو تنوین ہے وہ ”تعظیم“ کیلئے ہے یعنی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ صرف رسول نہیں بلکہ عظیم المرتبت، رفیع الشان اور عظمت و فضیلت والے رسول ہیں۔

﴿٧٨﴾ عَزِيزٌ:

اس کا لغوی معنی غالب اور قوی ہے لیکن اس آیت میں ”عَزِيزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ“ پورے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کا مشقت، تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہونا اُن پر گراں گزرتا ہے۔ وہ کسی شخص کو پریشان دیکھ کر خود پریشان ہو جاتے ہیں، دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے اور اپنوں اور بیگانوں کی اذیت کو اپنی اذیت گردانتے ہوئے اس کے ازالے کی بھرپور کوشش فرماتے ہیں۔

﴿٧٩﴾ حَرِیصٌ:

اس کا معنی طالب خیر، بھلائی کا خواہش مند اور نفع کا شائق ہونا ہے۔ یعنی نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تمہاری ہدایت، بھلائی اور منفعت کے آرزو مند ہیں۔ عرف عام میں حریص کا معنی لالچی کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو ہم میں سے کوئی دولت کا لالچی، کوئی ملازمت کا لالچی، کوئی شہرت کا لالچی، کوئی اقتدار و حکومت کا لالچی اور کوئی اختیارات و طاقت کا لالچی ہے مگر رسول معظم انسانوں کو جہنم سے بچانے کے لالچی، ہماری خیر کے طالب اور ہمیں جنت میں لے جانے کے خواہش مند ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

فَاَنَّا آخِذٌ بِحُجَزٍ كُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيْهَا۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب الانتہاء عن المعاصی)

”پس میں تمہیں تمہاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے کھینچتا ہوں۔ لیکن

تم مجھ سے زبردستی دامن چھڑا کر اس میں داخل ہوتے ہو۔“

یعنی آپ ﷺ کی حرص اور لالچ یہ تھا کہ کوئی انسان بھی دوزخ میں نہ جائے بلکہ تمام انسان توحید الہی کا اقرار اور میری فرماں برداری کا اظہار کر کے جنت کے وارث بن جائیں۔
10 رءوف:

اس کا معنی شفیق، ہمدرد اور پیار کرنے والا ہے۔ اس آیت طیبہ میں نبی اکرم ﷺ کی اس صفت اور نام کے ساتھ ”بِالْمُؤْمِنِينَ“ کا لفظ آیا ہے یعنی آپ ﷺ اہل ایمان کیلئے انتہائی شفیق، اُن کے بہت زیادہ ہمدرد اور مومنوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت فرمانے والے ہیں۔ آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا عالم یہ تھا کہ جب باجماعت نماز کی حالت میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز ہلکی کر کے جلدی سلام پھیر دیتے تاکہ ماں بچے کو جلدی سنبھال سکے۔ آپ ﷺ کی اپنی امت پر شفقت کی یہ انتہا ہے کہ بسا اوقات ساری رات اُمت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزرتی۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ ﷺ کی ذات گرامی پر بے شمار درود و سلام اور برکات نازل فرمائے۔ آمین۔

11 رحیم:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسول پاک ﷺ کی پانچویں صفت اور پانچواں نام ”رَحِيم“ بیان فرمایا ہے۔ جس کا معنی از حد مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی ذات گرامی اہل ایمان کیلئے سراپا مہربانی، کمال رحمت اور رافت ہے۔ آپ کی مہربانی کی صرف ایک مثال پر غور فرمائیے کہ جب کوئی مسلمان مقروض فوت ہو جاتا تو آپ ﷺ اُسے قبر میں دفن کرنے سے قبل بیت المال سے اُس کا قرض ادا فرمادیتے اور بعد میں میت کے ترکہ میں سے کچھ بھی قبول نہ فرماتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی اُمت کے تمام افراد پر مہربان۔ عورتوں پر مہربان، مردوں، بچوں، غلاموں حتیٰ کہ کافروں، مشرکوں، بے ایمانوں، منافقوں اور دشمنوں پر بھی از حد مہربان تھے۔

مزید قرآنی نام:

اب تک قرآن حکیم سے دو مقامات کی تین آیات بینات سے امام المرسلین ﷺ کے

گیارہ اسماء مبارکات اور اوصاف والقباب کا ذکر خیر کیا گیا ہے اگر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو صرف ”اسماء الرسول ﷺ“ کیلئے کئی خطبات کا وقت درکار ہوگا۔ لیکن ہم اختصار کے باعث چند حدیثی اسماء کی بات شرع کرنے سے قبل مزید نو (۹) قرآنی اسماء النبی ﷺ کا تذکرہ کر کے ہیں کا عدد پورا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری محنت اور آپ کی محبت کو شرف قبولیت نصیب فرمائے۔ آمین۔

رحمة للعالمین:

اس کا معنی ہے تمام جہانوں کیلئے رحمت۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (۲۱/ الانبیاء: ۱۰۷)

”اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کا صفاتی نام ”رحمة للعالمین“ ذکر ہوا ہے۔ اور یہ ایسا

لقب، وصف اور نام ہے جو کائنات ہست و بود میں صرف اور صرف ہمارے محبوب ﷺ کے

حصہ میں آیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تاریخ میں کوئی ”صفی اللہ“ کہلایا۔ کسی نے ”نجی اللہ“ کا

لقب پایا۔ کسی کو ”خلیل اللہ“ کہا گیا۔ کسی نے ”ذبیح اللہ“ کا اعزاز پایا۔ کوئی ”کلیم اللہ“ کے

منصب پر فائز ہوا۔ کسی نے ”روح اللہ“ کا وصف پایا۔ مگر..... ”رحمة للعالمین“ جیسا دل

نواز، دل ربا اور بے مثل و بے مثال نام پایا تو صرف محمد رسول ﷺ نے ہی پایا۔

بقول مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوی

یتیموں کا والی، غلاموں کا مولی

﴿ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ﴾

اس کا معنی ہے کہ ”نبیوں کو ختم کرنے والا“ یعنی اللہ تعالیٰ کے آخری نبی۔ تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی، پیغمبر اور رسول نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کے بعد جس نے بھی اب تک نبوت کا دعویٰ کیا یا کرے گا وہ کذاب، دَجَّال، مَکَّار، مرتد اور کافر ہے اور اُسے نبی اور پیغمبر تسلیم کرنے والے بھی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ وَلَٰكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۖ ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

”اور لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“

گویا ”خاتم النبیین“ بھی آپ ﷺ کا ایک صفاتی اور قرآنی نام ہے۔

﴿ الْمُرْمَلُ ﴾

اس کا معنی ہے ”اے کپڑے میں لپٹنے والے“ امام رازی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ: أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُرْمَلِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ تمام اہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ ”الْمُرْمَلُ“ سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ رسول پاک ﷺ کی ہی زندگی کا واقعہ ہے کہ قریش مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے بارے میں مشورہ کیا کہ لوگوں کو آپ سے متنفر کرنے کے لے آپ کا کوئی برا نام تجویز کیا جائے۔ چنانچہ کسی نے کاہن، کسی نے مجنون اور کسی نے ساحر کہا۔ مگر کسی نام پر اتفاق نہ ہو سکا جب آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ بڑے رنجیدہ اور مغموم ہوئے اور پریشانی کے عالم میں جسم پر کپڑا ڈال کر لیٹ گئے تو اسی حالت میں جناب جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور نہایت ادب سے عرض کی۔

(تفسیر ابن کثیر سورۃ مزمل)

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُرْمَلُ ۖ قُمِ الْيَلَّ إِلَّا قَلِيلًا ۖ نَّصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۖ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۖ ﴾ (المرمل: ۴۳)

”اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات میں تھوڑا قیام کیجئے۔ یعنی رات کا نصف حصہ یا اُس سے بھی تھوڑا سا کم یا زیادہ کیجئے اور قرآن مجید کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کیجئے۔“

﴿الْمُدَّثِّرُ﴾

اس کا ترجمہ ہے ”اے لحاف میں لیٹنے والے“ یہ بھی رسول مقبول ﷺ کا صفاتی نام ہے۔ اپنے اس نام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”پہلی وحی کی بعد کچھ عرصہ کے لیے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اسی دوران ایک دن میں چلا جا رہا تھا کہ مجھے آواز دی گئی تو میں نے اپنے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے دیکھا مگر کوئی آواز دینے والا نظر نہ آیا۔ پھر مجھے اوپر سے آواز سنائی دی۔ جب میں نے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو مجھے وہی فرشتہ نظر آیا جو میرے پاس غارِ حراء میں آیا تھا۔ وہ فرشتہ آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اُسے دیکھ کر ڈر گیا اور گھبرا کر اپنی بیوی (سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا) سے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو تو انہوں نے میرے اوپر کپڑا (لحاف) ڈال دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔“

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ المدثر)

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرُ ۝ وَرَبِّكَ فَكْبَرُ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرُ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرُ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرُ ۝﴾

(۷۴/ المدثر: ۷۴)

”اے لحاف میں لیٹنے والے! اٹھیے۔ پس (لوگوں کو عذاب الہی سے) ڈرائیے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھئے اور پلیدی کو چھوڑ دیجئے۔ اور زیادہ طلب کرنے کے لیے احسان نہ کیجئے اور اپنے رب ہی کے لیے صبر کیجئے۔“

مختصر یہ کہ ”الْمُدَّثِّرُ“ بھی آپ ﷺ کا قرآنی اور صفاتی نام ہے۔

www.kitabosunnat.com

﴿الْأُمِّيُّ﴾

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک قرآنی نام ”الْأُمِّيُّ“ بھی ہے۔ قرآن کریم کی آیت کے الفاظ ہیں:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾ (٤/ الاعراف: ١٥٤)

”جو لوگ پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی جو نبی اُمی ہے جس کے ذکر کو وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

حضرت قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ”رحمۃ للعالمین“ کی تیسری جلد خصوصیت نمبر ۱۰ میں اس نام مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بڑی بے مثال تشریح کی ہے۔ ہم صرف خلاصہ عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

① آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام اُمّ القریٰ مکہ مکرمہ کی نسبت سے ”اُمّی“ رکھا گیا۔

② اُمّی۔ اُمّت کی طرف منسوب ہے اورۃ بوجہ نسبت حذف کر دی گئی ہے۔

③ اُمّی۔ اُمّ (ماں) کی طرف منسوب ہے یعنی نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جملہ عیوب و نقائص سے ایسے ہی پاک و صاف ہیں۔ جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔

④ اُمّی۔ اُمّ (ماں) کی طرف منسوب ہے یعنی جیسے نوزائیدہ بچہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا ہوتا اسی طرح آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی کسی اُستاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”غور کرو کہ جو شخص دُنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا وہ تمام دُنیا کا اُستاد بنا ہوا ہے۔

محاسنِ اخلاق، محامدِ اعمال، تدبیرِ منزل، سیاستِ مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو مٹھلی، روح کو منور بنانے والی تعلیم

دے رہا ہے۔ اُس کی درس گاہ قدس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ وہاں

داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ وہاں ایک صحرائِ نشین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور

ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور بہ آنِ واحد اپنی اپنی استعداد و قابلیت

کے موافق مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت اُمّی لقب سے

عَلَّمَنِی رَبِّیْ فَاحْسَنَ تَأْدِیْبِیْ۔ کا نور، ظہور بخش ہے اور یُعَلِّمُہُمْ

الْکِتَابَ کا دعویٰ متحقق ہو رہا ہے۔“

17 صاحب کوثر

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قیامت کے دن اُمت کی سیرابی کے لیے آپ ﷺ کو ”حوض کوثر“ عطا فرمایا جائے گا۔ ارشادِ الہی ہے:

﴿إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝﴾ (۱۰۸/الکوثر: ۱)

”یقیناً ہم نے آپ کو حوض کوثر عطاء کیا ہے۔“

اسی مناسبت سے آپ ﷺ کا صفاتی نام ”ساقی کوثر“ اور ”صاحب کوثر“ ہے۔

(تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”خطبات سورۃ کوثر“ کا مطالعہ فرمائیں)

18 یس

جب مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے ہوئے نعرے لگائے کہ لَسْتُ مُرْسَلًا ”تو اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں ہے۔“ تو عرش سے آواز آئی۔

﴿يَسَّ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾ (۳۶/یس: ۳۶)

”اے انسانوں کے سردار۔ مجھے حکمت والے قرآن کی قسم۔ بے شک آپ

میرے رسولوں میں سے (ایک رسول) ہیں۔“

اس قرآنی آیت کے مطابق ”یسین“ بھی آپ ﷺ کا صفاتی اور قرآنی نام ہے۔

ایک اردو شاعر کے بقول۔

القاب کیسے کیسے خدا نے کیے عطا

حضرت رسول پاک کو قرآن میں جا بجا

ظہ کہیں پکارا، یس کہیں کہا

حم اور ن کہیں وَالشَّيْسِ وَالصُّحَى

عَبْدُ اللَّهِ

”اللہ تعالیٰ کا بندہ“ یہ بھی رسول اکرم ﷺ کا قرآنی نام ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم

میں فرماتا ہے:

﴿وَأَنَّهُ لَبَتَّاقَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۖ﴾

(۷۲/جن: ۱۹)

”اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ (محمد ﷺ) اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے لیے (خانہ کعبہ میں) کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ (مشرک) جمع ہو کے اُس پر ٹوٹ پڑتے۔“
اس آیت میں سید الرسل ﷺ کا ذکر خیر ”عبد اللہ“ کے نام سے کیا گیا ہے۔

﴿۲۰﴾ مُذَكَّرٌ

”نصیحت کرنے والا“ جب دشمنانِ اسلام نے آپ کی پُر حکمت اور مبنی بر صدق دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مشرکین کا ناروا ردّ عمل نبی محترم ﷺ کی ذاتِ گرامی پہ گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی اور تشفی کے لیے فرمایا:

﴿فَذَكَرْتُ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ ۖ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۖ﴾

(۸۸/الغاشية: ۲۱-۲۲)

”پس آپ نصیحت فرمائیں کیونکہ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ اُن پر داروغہ نہیں ہیں۔“

ان آیات میں آپ ﷺ کا ایک صفاتی نام مبارک ”مُذَكَّرٌ“ آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان خوبصورت اسماء، القاب اور اوصاف والے رسول کا ہم سب کو فرماں بردار بنائے۔ آمین۔

اسماءِ رسول۔ زبانِ رسول:

آپ ﷺ کے بعض اسماء مبارکات وہ ہیں جن کا تذکرہ خود ذاتِ رسالت مآب ﷺ نے اپنی زبانِ نبوت سے فرمایا ہے جیسا کہ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا:

((لِي خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمَيَّ وَأَنَا الْعَاقِبُ)) (صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ)

”میرے پانچ نام ہیں۔ میں ”محمد“ ﷺ ہوں۔ اور میں ”احمد“ ہوں اور میں ”مناجی“ ہوں کہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا۔ اور میں ”حاشر“ ہوں کہ (روزِ حشر) لوگوں کو میرے سامنے جمع کیا جائے گا اور میں ”عاقب“ ہوں۔“

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اپنے پانچ اسماء مبارکات کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے دو ناموں (محمد و احمد) کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا ایک نام بتایا:

﴿الْمَاجِي﴾

اس کا معنی ہے ”مٹا دینے والا۔“ آپ ﷺ نے خود اس کا مفہوم بیان فرمایا کہ میرا یہ نام اس لیے ہے کہ يَمْحُو اللّٰهُ بِي الْكُفْرَ۔ اللہ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا۔ اور یہ ایک اہل حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت و نبوت کے باعث چار دانگ عالم میں توحید کا نور پھیلا، کفر و شرک کا خاتمہ ہوا اور کئی خداؤں کے پرستار ایک اللہ کے عبادت گزار بن گئے۔

﴿الْحَاشِرُ﴾

اس کا معنی ہے ”اکٹھا کرنے والا“ اس کی وضاحت بھی خود رسول مقبول ﷺ نے فرمائی کہ۔ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمَيَّ۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو میرے روبرو حاضر کرے گا۔ جب تمام انبیاء و رسل حساب شروع کرنے کی سفارش سے انکار کر دیں گے تو تمام اولادِ آدم خدمتِ نبوی میں حاضر ہوگی اور آپ سے شفاعت کی درخواست کی جائے گی تو آپ ﷺ دربارِ الہی میں سفارش کریں گے، اس طرح ”شفاعتِ کبریٰ“ کا شرف اعظم بھی آپ ہی کے حصہ میں آئے گا اور ساری انسانیت آپ کے سامنے جمع ہوگی۔

﴿الْعَاقِبُ﴾

اس کا معنی ہے ”سب سے پیچھے آنے والا“ آپ ﷺ چونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد آخر میں تشریف لائے اس لیے آپ ﷺ کا نام ”الْعَاقِبُ“ ہے اور صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ ”عاقب“ ہوتا ہی وہ ہے۔ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ۔ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بذاتِ خود ہمیں اپنے ان اسماء مبارکات سے آگاہ فرمایا۔ مُحَمَّدٌ أَحْمَدُ الْمُقَفَّى۔ الْحَاشِرُ۔ نَبِيُّ التَّوْبَةِ۔ نَبِيُّ الرَّحْمَةِ۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ ﷺ)

اس فرمانِ رسول ﷺ میں جوئے نام ذکر فرمائے گئے وہ یہ ہیں:

14) الْمُقَفَّى

”تمام رسولوں کے بعد تشریف لانے والے“ چونکہ آپ ﷺ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد آخر میں تشریف لائے ہیں اس لیے آپ ﷺ نے اپنا یہ نام تجویز فرمایا۔ اور اگر اسے ”الْمُقَفَّى“ پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے ”منتخب کیا ہوا۔ چنا ہوا“ ”الْمُصْطَفَى“ اور ”الْمُجْتَبَى“ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اور اس بات میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے صرف آپ ﷺ کو ہی اپنی محبوبیت کے لیے منتخب و نامزد فرمایا اور ختم نبوت کے لیے بھی صرف آپ ﷺ ہی کو چنا ہے۔

15) نَبِيُّ التَّوْبَةِ

”اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع فرمانے والے۔“ آپ ﷺ کے رجوع الی اللہ کی حالت یہ تھی کہ رات کو عبادت و ریاضت میں مشغولیت کے باعث آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت ادب سے عرض گزار ہوتیں کہ اے محبوب کائنات! آپ تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ، اولوالعزم اور عظیم المرتبت رسول ہیں، معصوم عن الخطاء ہیں۔ گناہوں سے محفوظ اور نافرمانی سے مامون ہیں تو پھر اس قدر زیادہ ریاضت کیوں کرتے ہیں؟ تو محسن اعظم ﷺ جواباً فرماتے۔ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ جس اللہ کریم نے مجھ یتیم کو کائنات کا سردار بنایا ہے کیا میں اُس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

16) نَبِيُّ الرَّحْمَةِ

”رحمت اور مہربانی والا نبی“ آپ ﷺ کی رحمت للعالمین، اُمت پر مہربانی اور انسانیت پر لطف و کرم کا مختصر تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ مقبول و منظور فرمائے۔

حَبِيبُ اللَّهِ

”اللہ تعالیٰ کا محبوب“ جن سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت فرماتے ہیں۔
 سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں بیٹھے
 اولوالعزم رسولوں کا تذکرہ کر رہے تھے تو ایک نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ”خلیل اللہ“ ہونے کا،
 دوسرے نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے ”کلیم اللہ“ ہونے کا، تیسرے نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے
 ”روح اللہ“ ہونے کا اور چوتھے نے ابوالبشر جناب آدم علیہ السلام کے صفی اللہ“ ہونے کا ذکر کیا۔
 اسی دوران رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے آئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سلام
 کہنے کے بعد فرمایا: ”تم نے پہلے انبیاء کرام کے جن خصائص والقباب کا ذکر خیر کیا وہ بالکل بجا
 اور درست ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو مقام و مرتبہ مجھے عطا فرمایا ہے وہ کسی دوسرے نبی، پیغمبر
 اور رسول کے حصے میں نہیں آیا اور وہ یہ ہے کہ:

((أَنَا حَبِيبُ اللَّهِ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا حَامِلُ لِيَوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفِّعٍ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ
 يُحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللَّهُ لِي فَيَدْخِلُنِيهَا وَمَعِيَ فَقَرَاءُ
 الْمُؤْمِنِينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَلَا فَخْرَ))

”تم آگاہ ہو جاؤ کہ میں ”اللہ تعالیٰ کا حبیب“ ہوں۔ اور اس پر فخر نہیں کرتا۔
 (بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں) اور میں قیامت کے دن ”حمد الہی کا جھنڈا
 اٹھانے والا“ ہوں گا اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں۔ اور میں سب سے پہلا
 سفارشی ہوں اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہوگی۔ میں اس پر بھی تکبر
 نہیں کرتا۔ اور میں ہی سب سے پہلے جنت کے دروازے کا کنڈا کھٹکھاؤں گا۔
 تو اللہ تعالیٰ اُسے میرے لیے کھول دے گا اور مجھے ہی سب سے پہلے جنت میں
 داخل کرے گا اور میرے ساتھ غریب اہل ایمان ہوں گے مجھے اس اعزاز پر بھی
 فخر نہیں ہے (بلکہ یہ اٹعام الہی ہے) اور میں پہلوں اور پچھلوں میں سب سے
 زیادہ مکرم و محترم ہوں۔ اور میں اس شرف پر بھی فخر نہیں کرتا (بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر

گزار ہوں)۔“

88 حَامِلٌ لِّوَاءِ الْحَمْدِ

اس حدیث طیبہ کے مطابق آپ ﷺ کا ایک لقب اور نام ”حَامِلٌ لِّوَاءِ الْحَمْدِ“ ”اللہ تعالیٰ کی حمد کا جھنڈا اٹھانے والا“ بھی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ میدانِ حشر میں حمد کا جھنڈا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہی ہوگا۔ اور از ابتداء تا انتہاء تمام اہلِ توحید آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہی قرار پائیں گے حتیٰ کہ تمام انبیاء و رسل بھی آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے جیسا کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِي لَوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لَوَائِي))
(جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل النبی ﷺ)

”قیامت کے دن میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا اور میں فخر نہیں کرتا اور حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اس پر بھی تکبر نہیں کرتا اور اُس دن پوری انسانیت بلکہ تمام انبیاء کرام حتیٰ کہ جناب آدم علیہ السلام بھی میرے جھنڈے کے نیچے ہی ہوں گے۔“ سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزِ حشر اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے تلے جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

89 سَيِّدُ النَّاسِ

رسولِ رحمت ﷺ نے اس حدیث طیبہ میں اپنے ایک اور خوب صورت اور بے مثال نام کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ہے سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ۔ یعنی ساری اولادِ آدم کا سردار۔ بلاشبہ آپ ﷺ ہی تمام انسانیت کے سردار، امام اور قائد ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کو ”سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ“ دونوں جہانوں کا سردار اور ”سَيِّدُ الثَّقَلَيْنِ“ جنات اور انسانوں کا سردار کہا جاتا ہے اور سَيِّدُ النَّاسِ بھی آپ ﷺ ہی کا اعزاز، وصف اور نام ہے۔
(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنیٰ اہل الجنة منزلة)

۱۰ امام الانبیاء

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ”اِمَامَتِ انبیاء“ کا شرفِ عظیم عطاء فرمایا اس لیے آپ ﷺ کا ایک نام ”امام الانبیاء“ یعنی نبیوں کا امام بھی ہے۔ شبِ معراج مسجد اقصیٰ میں آپ ﷺ کو اس منصبِ جلیلہ پر فائز کیا۔

کسی اُردو شاعر نے نبی محترم ﷺ کے بعض ذاتی اور صفاتی اسماء مبارکات کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

هُوَ حَامِدٌ وَ مُحَمَّدٌ	هُوَ مَا جِدٌ وَ مُمَجَّدٌ
هُوَ اَمَّجَدٌ هُوَ اَحْمَدٌ	هُوَ مُرْشِدٌ هُوَ رَاشِدٌ
وہ بشیر بھی وہ نذیر بھی	وہی آپ اپنی نظیر بھی
وہ زمیں پہ شاہ و امیر بھی	وہ فلک پہ عرشِ مسیر بھی
وہ قسیم بھی وہ جسیم بھی	وہ نسیم بھی وہ وسیم بھی
وہ رؤف بھی وہ رحیم بھی	وہ خلیل بھی وہ کلیم بھی
وہ رفیع اپنے کمال میں	وہ حسین اپنے جمال میں
وہ عزیز اپنی خصال میں	وہ فنا خدا کے وصال میں

اللہ رحیم و کریم اس با کمال و بے مثال رسول پر ہم سب کی طرف سے لاتعداد و بے شمار درود و سلام اور برکات نازل فرمائے۔ آمین..... اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

نام لے کر آواز نہ دیں:

امام الانبیاء، سید الاتقیاء، شافع روز جزا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام مبارک اور اسم مقدس کے ادب، احترام، تعظیم اور تکریم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی اُمتی آپ ﷺ کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرے اور آپ ﷺ کو آپ کا نام لے کر اس طرح آواز نہ دے جیسے عام لوگوں کو زور سے آواز دی جاتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول محترم ﷺ کے نام کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

(۲۳/النور: ۶۳)

”تم رسول اکرم ﷺ کے پکارنے کو ایسے نہ بنا لو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔“

بنو تمیم کا ایک وفد جو ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) افراد پر مشتمل تھا۔ ۹ ہجری میں آپ ﷺ کی ملاقات اور زیارت کے لیے مدینہ طیبہ آیا یہ وفد عین دوپہر کے وقت پہنچا جب رحمت کونین ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ میں قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرما رہے تھے، انہوں نے آپ ﷺ کی بیداری کا انتظار کرنے یا خادم کے ذریعے آپ کو اطلاع بچھوانے کی بجائے حجرات مبارکات کے باہر کھڑے ہو کر بڑے عامیانہ انداز میں آپ ﷺ کو نام لے کر بلند آواز سے بلانا شروع کر دیا اور اپنی بڑائی کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

يَا مُحَمَّدُ أَخْرُجْ عَلَيْنَا إِنَّ حَمْدَنَا لَزَيْنٌ وَإِنَّ ذَمَّنَا لَشَيْنٌ۔

(تفسیر قرطبی، سورۃ الحجرات)

”اے محمد (ﷺ) ہمارے پاس باہر آئیے۔ ہماری شہرت بڑی اچھی ہے۔ ہم جس کی تعریف کر دیں وہ معزز ہو جاتا ہے اور جس کی مذمت کر دیں وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔“

ابھی آپ ﷺ ان کی آوازیں سن کر حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف نہیں لائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی کہ آپ لوگوں کو آگاہ فرما دیں کہ وہ آپ ﷺ کو اس طرح عامیانہ انداز میں نام لے کر آواز نہ دیں بلکہ آپ ﷺ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں۔ اگر انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو اور آپ کو آواز دینے اور بلانے میں نبوی احترام کا خیال نہ کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ارشاد ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ

بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا

تَشْعُرُونَ ﴿۱﴾﴾

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو اور انہیں بلند آواز سے (نام لے کر) نہ بلایا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“

اسی سورۃ الحجرات کی آیت چار اور پانچ میں اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کا نام مبارک لے کر بلند آواز سے پکارنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (الحجرات: ۴، ۵)

”بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، اُن میں سے اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لے آتے تو اُن کے لیے بہت بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

آپ حضرات ان آیات کے الفاظ و ترجمے اور پس منظر پر غور فرمائیں کہ رسول پاک ﷺ حجرہ مبارکہ کے اندر آرام فرما اور بقید حیات ہیں۔ اور آواز دینے والوں اور آپ ﷺ کے درمیان صرف ایک دیوار حائل ہے۔ وہ لوگ آپ ﷺ کو حجرہ شریفہ کے باہر کھڑے ہو کر یا مُحَمَّدُ کہہ کر آوازیں دے رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں انہیں بے عقل، نا سمجھ اور بے وقوف قرار دے رہا ہے..... آج اگر کوئی شخص ہزاروں میل کی دوری، بُعد اور مسافت سے جب کہ آپ ﷺ انتقال فرما چکے اور قبر مبارک کے اندر استراحت فرما ہیں۔ یا مُحَمَّدُ کہہ کر صدا، ندا اور آواز دیتا ہے تو کیا وہ شخص عقل مند، سمجھ دار اور دانا ہو سکتا ہے؟ صرف دیوار کے فاصلے سے زندگی میں بلانے والے تو نادان، بے وقوف اور بے عقل اور بعد از وفات ہزاروں میل کی دوری سے بلانے والے کیا ہو سکتے ہیں؟ آپ خود غور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو رسول محترم ﷺ کی ذات، بات اور نام کا ادب کرنے کی

سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

ندائے یَا مُحَمَّدُ:

بعض لوگ نبی اکرم، رسول معظم جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”یا مُحَمَّد“ کہہ کر پکارنے کو اپنی عقیدت و محبت کا معیار اور اُلفتِ رسول کا لازمی جزء سمجھتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ندانہ دینے والوں کو بے ادب گردانتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس اندازِ مخاطب سے منع فرمایا گیا ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے۔

اگر آپ قرآن کریم کا بغور مطالعہ فرمائیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ پہلے انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذاتی نام لے کر مخاطب فرمایا ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ذاتی نام سے مخاطب نہیں فرمایا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خالق، مالک، رازق اور حاکم ہونے کی حیثیت سے جیسے چاہتا آپ کو مخاطب کر سکتا تھا مگر ہمیں احترامِ رسول کا درس دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ اگر ضرورت پیش آئی تو رب العالمین نے رحمۃ للعالمین کو اُن کے صفاتی اسماء مبارکات سے یاد فرمایا۔ آئیے آپ کو قرآن مجید کی چند آیات سناتے ہیں:

① سیدنا آدم علیہ السلام اور اُن کی اہلیہ سیدہ حوا علیہما السلام کو جنت میں داخلے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (البقرة: ۳۵)

”اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو۔“

② جب جناب نوح علیہ السلام نے اپنے مشرک اور نافرمان بیٹے کے لیے سفارش فرمائی اور اُسے اپنی آل قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

﴿قَالَ يَنْحُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾

(ہود: ۴۶)

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! وہ یقیناً تیرے اہل میں سے نہیں ہے، کیونکہ

اُس کا عمل اچھا نہیں ہے۔“

③ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب حکم الہی پر اپنے فرزند ارجمند جناب اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے اور بیٹے کی رضامندی سے اُسے زمین پر لٹا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا اِبْرَاهِيمُ ۖ قَدْ صَدَّقَت الرُّعْيَا ۚ إِنَّا كَذَبُكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ (۳۷/الصافات: ۱۰۳، ۱۰۵)

”اور ہم نے اُنہیں پکارا کہ اے ابراہیم! تحقیق تو نے (اپنا) خواب سچ کر دکھایا
بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔“

④ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس مصر تشریف لا رہے تھے تو راستے میں دور آگ
دیکھ کر اپنی اہلیہ سیدہ صفورہ سے فرمایا: تم یہاں ٹھہرو۔ میں وہاں سے تاپنے کے لیے آگ کے
انگارے لاتا اور مصر کی راہ پوچھ کر آتا ہوں۔ جب وہاں پہنچے تو پیغمبری سے سرفراز کیے گئے
اور عرش سے آواز آئی:

﴿يٰمُوسٰى ۖ اِنِّىۤ اَنَا رَبُّكَ فَارْخُصْ عَلٰىكَ ۚ اِنَّكَ بِاَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝﴾
(۲۰/طہ: ۱۱، ۱۲)

”اے موسیٰ بے شک میں تیرا رب ہوں، پس تم اپنی جوتیاں اتار دو۔ تم مقدس
وادی طویٰ میں ہو۔“

⑤ جناب زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں بیٹے کی خوشخبری سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰزَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ اِسْمُهٗ يَحْيٰى ۚ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَبِيًّا ۝﴾
(۱۹/مریم: ۷)

”اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں اُس کا نام یحییٰ
ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اُس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔“

⑥ سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر سرفراز فرماتے ہوئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۚ وَاتَّبِعْ اِلٰهَ الْحُكْمِ صَبِيًّا ۝﴾ (۱۹/مریم: ۱۲)

”اے یحییٰ کتاب الہی کو قوت کے ساتھ پکڑ لو۔ اور ہم نے اُنہیں بچپن میں ہی
حکمت عطا فرمادی۔“

⑦ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑے انعامات اور بے مثال معجزات سے نوازا تو
انہیں حکم دیا کہ اللہ کریم کی نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کریں اور آپ اور آپ کی والدہ سیدہ

مریم علیہا السلام پر جو نوازشات کی گئی ہیں انہیں کبھی فراموش نہ کریں:

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ﴾

(۵/ المائدہ: ۱۱۰)

”جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ بن مریم! تم میری اُس نعمت کو یاد کرو۔ جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر فرمائی۔“

ان آیات طہیات میں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذاتی نام لے کر انہیں مخاطب کیا گیا ہے۔ مگر سارے قرآن مجید میں ایک مقام پر بھی ”یا محمد“ نہیں ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو رسول معظم ﷺ کے نام مبارک کا ادب و احترام سکھایا ہے کہ جب میں خالق و مالک اور حاکم مطلق ہو کر بھی قرآن مجید میں اپنے محبوب کو ”یا محمد“ سے خطاب نہیں کرتا تو تمہیں آپ ﷺ کا اُمتی ہو کر یہ اندازِ تکلم اور طریقہِ مخاطب اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ محض ضد اور تعصب کی بناء پر آپ ﷺ کے اسم مقدس کی توہین، بے ادبی اور گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کسی شاعر نے ہمیں سمجھانے کے لیے اچھا انداز اختیار کیا ہے کہ:

درِ مصطفیٰ پہ جو آتا ہے یارو وہ غیروں کو اپنا بناتا نہیں ہے
نبی کا ہے فرماں، عبادت خدا کی وہ در در پہ سر کو جھکاتا نہیں ہے
ادب کر بے ادبی سے آ باز ورنہ! جنت میں ہرگز ٹھکانا نہ ہوگا
جو ہوتا ہے عاشق وہ جاتا ہے در پر نبی کو وہ گھر گھر بلاتا نہیں
اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں نام مصطفیٰ ﷺ کا ادب و احترام کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

نام سب کر درود شریف:

سید الکونین، خواجہ بدروچین، رسول الثقلین، جد الحسن والحسین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسم مبارک کے ادب و احترام اور توقیر و تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان رسول پاک ﷺ کا نام سن کر آپ ﷺ پر مسنون درود شریف پڑھے۔ اور سب سے آسان،

مختصر اور صلوة و سلام پر مشتمل مسنون درود پاک ”صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم“ ہے۔ لہذا ہر صاحب ایمان کو چاہیے کہ وہ جب رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام سنے۔ نام لے..... نام لکھے یا ذکر کرے تو درود شریف پڑھے۔ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے معروف صحابی سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔

(سنن نسائی، کتاب السہو، باب الفضل فی الصلاة علی النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم)

”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں نازل

فرمائے گا۔“

یعنی اگر کوئی مسلمان عقائد و اعمال کی درستگی کے ساتھ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اسم مطہر

”محمد“ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو سن کر ایک بار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسے دس رحمتوں کا مستحق

قرار دے دیا جاتا ہے۔ بلکہ امام الانبیاء، سید الاتقیاء جناب محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے خادم خاص

جناب انس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَحُطَّتْ عَنْهُ

عَشْرُ خَطِيئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔

(سنن نسائی، کتاب السہو، باب الفضل فی الصلاة علی النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم)

”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں نازل

فرمائے گا، اُس کے دس گناہ معاف فرما دے گا اور (جنت میں) اُس کے دس

درجات بلند فرما دے گا۔“

حضرات! اپنا مستقل معمول بنا لیجیے کہ جب بھی آپ رسول محترم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام مقدس

”محمد“ سنیں، پڑھیں یا لکھیں تو فوراً انتہائی عقیدت، محبت اور اُلفت کے ساتھ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی

ذات گرامی پر درود پاک پڑھیں ”صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم“ اس سے آپ پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں

ہوں گی..... دس گناہ معاف ہوں گے..... اور..... آپ کے دس درجات بلند کر دیے جائیں

گے۔ اور اگر آپ اٹھتے، بیٹھتے، آتے، جاتے..... چلتے، پھرتے..... کثرت کے ساتھ درود پاک پڑھیں گے تو رب کائنات حشر کے دن آپ کو خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی قربت اور رفاقت عطاء فرمائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:

((أَوَّلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَى صَلَاةٍ))

(جامع ترمذی، کتاب الوتر، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ)

”قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھے گا۔“

درود نہ پڑھنے والے:

جو شخص رسول اکرم ﷺ کا نام مبارک اور ذکر خیر سن کر آپ ﷺ پر درود شریف نہ پڑھے وہ بڑا ہی بد نصیب، بد بخت اور بد قسمت ہے اور ایسے شخص کو آپ ﷺ نے اپنی زبان نبوت سے بخیل قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور، جنت سے دُور، انسانوں سے دُور اور جہنم کے قریب قرار دیا ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

الْبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عَنْدهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔

(جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب قول رسول اللہ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ)

”بخیل ہے وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ (میرا نام سن کر) مجھ پر درود نہ پڑھے۔“

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ذکر خیر سن کر درود شریف پڑھنے والا ”سخی“ ہے اور آپ ﷺ کا نام مطہر سن کر درود پاک نہ پڑھنے والا ”بخیل“ ہے۔ آئیے! اب سخی اور بخیل کا انجام بھی رسول کریم ﷺ کی زبانی جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا:

((السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِّنَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِّنَ النَّاسِ))

بَعِيدٌ مِّنَ النَّارِ۔ وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِّنَ اللَّهِ بَعِيدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِّنَ النَّارِ۔ وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِّنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ)) (جامع ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی السخاء)

”سخی، اللہ تعالیٰ کے قریب، جنت کے قریب، لوگوں کے قریب اور جہنم کی آگ سے دور ہوتا ہے۔ اور بخیل، اللہ تعالیٰ سے دُور، جنت سے دُور، لوگوں سے دُور اور جہنم کی آگ کے قریب ہوتا ہے۔ اور اُن پڑھ سخی اللہ تعالیٰ کو بخیل عبادت گزار سے زیادہ محبوب ہے۔“

حضرات! اگر ہم اللہ تعالیٰ، جنت اور اُس کے پیارے بندوں کے قریب اور آتش دوزخ سے دور ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم جب بھی رسولِ محترم ﷺ کا ذکرِ خیر اور نام سنیں تو فوراً ادب، احترام اور تعظیم کے ساتھ درودِ پاک پڑھیں اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ۔ ﷺ۔ بھی مسنون، مختصر اور آسان ترین درود شریف ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ مکرم ﷺ نے تین بد نصیبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ))

(جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب قول رسول اللہ ﷺ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ)

”اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے (یعنی ہلاک و برباد ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اُس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ اور اُس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو) (وہ بھی غرق و تباہ ہو) جس کی موجودگی میں ماہِ رمضان آیا اور اس حال میں گزر گیا کہ اُس نے اپنی بخشش نہ کروالی۔ اور اُس کی ناک بھی خاک آلود ہونی چاہیے (یعنی وہ بھی تباہ و برباد ہو جائے) جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھا پے میں پایا اور انہوں نے اسے جنت میں داخل نہ کیا (یعنی اُن کی

خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا۔“

بعض روایات میں رسول اکرم ﷺ کے منبر کی تینوں سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ جبریل کی بددعا اور ہر بار آپ ﷺ کے ”آمین“ کہنے کا ذکر ہے۔ اور انہیں تین قسم کے بد نصیبوں کی ہلاکت، بربادی اور رحمت الہی سے دوری کا تذکرہ ہے۔

① رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ سے اپنے سابقہ گناہ نہ بخشوانے والا تباہ ہو جائے۔

② اپنے والدین کی بڑھاپے میں خدمت نہ کرنے والا ہلاک ہو جائے۔

③ آپ ﷺ کا ذکر خیر سن کر درود شریف نہ پڑھنے والا ذلیل و خوار ہو جائے۔

(الترغیب والترہیب للمندری، الترغیب فی اکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ)

نام مصطفیٰ ﷺ کو سن کر درود شریف پڑھنے والوں کے لیے فرشتوں کی دعا اور نہ

پڑھنے والوں کے لیے بددعا کا پنجابی ترجمہ یہ ہے کہ:

نام نبی داسن کر مومن جو درود پہنچاؤں

ملک نورانی حق اونہاں دے ایہہ دعا فرماؤں

اللہ بخشے جنت تہانوں نال رسول الہی

دعا منظور نورانی ملاں وچ دربار الہی

.....اور.....

نام نبی داسن کر جہڑے نہیں درود پہنچاندے

ملک نورانی حق اونہاں دے بد دعا فرماندے

رب نہ بخشے جنت تینوں، نہ تُو رحمت پاویں

جنت ہو یا حرام بخلا تو کیونکر جنت جاویں

ضروری وضاحت:

آخر میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ امام الرسل ﷺ کا اسم

مبارک سن کر درود شریف پڑھنے کی بجائے اپنے انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں پر لگانا شروع کر

دیتے ہیں۔ یہ عمل قطعاً غیر مسنون، خلاف سنت اور اہل ایمان کو درود شریف کے ثواب سے

محروم رکھنے کی ایک سازش ہے۔ آپ حضرات حبیبِ خدا، محبوبِ کبریا، شافعِ روزِ جزا کا اسمِ گرامی پڑھ کر، سن کر اور لکھ کر درود شریف پڑھیں۔ جو حکم خدا اور طریقہ مصطفیٰ ہے۔ اور حاصل کریں یہ فوائد، ثمرات، نتائج اور برکات۔

☆ اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں۔

☆ دس گناہ معاف۔

☆ جنت میں دس درجے بلند۔

☆ جنت میں سرور کو نین ﷺ کا ساتھ۔

☆ فرشتوں کی دعائیں۔

☆ تباہی و بربادی سے نجات۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی اس آیت کریمہ میں نبی رحمت ﷺ کے نام مبارک کے ادب، احترام اور تعظیم کا موضوع بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا
تَشْعُرُونَ ٢٠﴾

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ اور آپ ﷺ کو (نام لے کر) بلند آواز سے نہ بلایا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام اہل ایمان کو رسول اکرم ﷺ کی ذات، بات اور نام کا ادب و احترام کرنے کی توفیق و سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

خطبہ نمبر ۷

صحابہ کرام کے امتحانات

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
 ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللّٰهُ
 قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ أَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٩﴾﴾ (الحجرات: ۳)

”بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے
 ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خاص کر لیا ہے۔
 اُن کیلئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔“

ہر قسم کی حمد و ثناء اور بڑائی و کبریائی کے تمام کلمات کا مستحق اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ جس کی
 عظمت و جلالت کے باعث کائنات کی ہر چیز اُس کی تعریف و تسبیح بیان کرتی اور تمام اشیاء طوعاً
 و کرہاً اُس کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ وہ اپنی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور
 عبادات میں واحد، یکتا اور اکیلا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک اُس کا کوئی شریک پیدا
 نہیں ہوا اور ابد الابد تک اُس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ سارا جہاں اُس کا محتاج مگر وہ کسی کا
 محتاج نہیں ہے۔ اُس کا کوئی وزیر، مشیر اور صلاح کار نہیں ہے۔ وہ سب کا معاون و مددگار مگر
 کسی سے تعاون و امداد کا طلب گار نہیں ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ ہر شئی فانی و
 عارضی ہے مگر ذات الہی باقی و دائمی ہے۔ وہی حیی و قیوم ہے۔ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ وہی
 تمام جہاتوں کو سنبھالنے والا ہے۔ وہی عالم الغیب و الشہادہ، مختار مطلق اور آسمان و زمین کے
 خزانوں کا مالک ہے۔ وہ سب کا داتا اور سب کو دیتا ہے اور کسی سے لے کر نہیں بلکہ اپنے پاس
 سے دیتا ہے۔

ذات کبریاء کی حمد و ثناء کے بعد درود سلام کے لائق امام المرسلین، رحمۃ للعالمین، خاتم
 النبیین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں
 سب سے افضل و اعلیٰ اور اکرم و اشرف ہیں جو سید البشر اور امام الرسل ہیں۔ جنہیں اللہ تبارک

وہ تعالیٰ نے اپنا آخری رسول، نبی اور پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ جن کی اتباع ذریعہ نجات اور ان کی نافرمانی سبب عذاب ہے۔ جن پر ایک مرتبہ مسنون درود پاک پڑھیں تو اللہ کریم دس رحمتیں نازل فرماتا، دس گناہ معاف کرتا اور دس درجات بلند فرماتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی

اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی

اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

فخر رسالت، ہادی اکرم مہبط قرآن، رحمت عالم

سب سے مکرم، سب سے معظم ماہ منور، تیر اعظم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تمہیدی الفاظ:

گزشتہ خطبات میں آپ اس بات سے واقفیت حاصل کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ کے آداب و احترامات کی اقسام اور صورتیں تین ہیں:

① آپ ﷺ کی ذات کا ادب و احترام۔

③ آپ ﷺ کی بات کا ادب و احترام۔

② آپ ﷺ کے نام مبارک کا ادب و احترام۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے جو سعادت مند، خوش قسمت اور نیک بخت ادب رسالت کی ان تینوں اقسام کا خیال رکھے۔ یعنی آپ ﷺ کی ذات اور شخصیت کا پورا پورا ادب کرے، آپ ﷺ کی ہر بات، فرمان اور ارشاد کو برحق تسلیم کرے، ہر حدیث و سنت پر عمل کی کوشش کرے، آپ ﷺ کی اتباع اور فرماں برداری کو اپنی زندگی کا شیوہ اور وطیرہ بنائے۔ آپ ﷺ کی اقوال و فرامین پر کسی دوسرے کے فتوے اور فرمان کو ترجیح نہ دے بلکہ آپ ﷺ کے ارشادات کو ہی حرف آخر سمجھے۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت و الفت کرے، آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کرے اور ادب و

احترام رسول کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے آپ ﷺ کا نام مبارک سن، پڑھ یا لکھ کر مسنون درود شریف بھی پڑھے..... تو اُسے دُنیا اور آخرت میں کیا ملے گا؟..... احترام رسول کے فوائد کیا ہوں گے؟ اور تعظیم محمد ﷺ کے بدلے اُسے کن نواشات و انعامات سے نواز جائے گا؟

سورۃ الحجرات کی اس تیسری آیت میں اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (۴۹/ الحجرات: ۳)

”یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خاص کر لیا ہے۔ اُن کیلئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔“

اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے میرے محبوب ﷺ کا احترام کیا..... کر رہے..... اور کریں گے۔ تو میں رب العالمین نے اُنہیں تین طرح کی جزاء، بدلہ اور صلہ عطاء فرمایا..... فرما رہا..... اور فرماتا رہوں گا۔

① میں نے ان سعادت مندوں کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر لیا ہے یعنی اُن کے قلوب کو تقویٰ سے لبریز کر کے متقی اور پرہیزگار بنا دیا ہے۔

② اگر ایسے پاک بازوں سے کسی وقت کوئی خطاء، لغزش یا گناہ ہو جائے تو میں اُن کے لیے بخشش، مغفرت اور معافی کا اعلان کرتا ہوں۔

③ جب یہ نیک لوگ دُنیا سے فانی ہو کر میرے پاس آئیں گے تو اُنہیں بہت اجر سے نواز جائے گا۔ جس کا اس جہان میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ظاہر ہے کہ وہ ”اجر عظیم“ جنت ہی ہوگی جس کی لازوال نعمتوں کے بارے میں رسول مکرم ﷺ کا فرمانِ ذی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((أَعَدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ))

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفۃ الجنة۔)

”میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے جنت میں ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، جسے کسی آنکھ نے (آج تک) دیکھا نہیں ہے۔ کسی کان نے (اُن کی حقیقت کو پوری طرح) سنا نہیں ہے اور کسی انسان کے دل میں (اُن نعمتوں کا حقیقی) تصور نہیں آیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی نعمتوں کا حق دار بنائے۔ آمین۔

تقویٰ ہی تقویٰ:

اللہ رب العزت نے رسول اکرم ﷺ کا دل و جان سے احترام کرنے والوں کے لیے جو پہلا انعام مقرر فرمایا..... وہ ہے اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰی اللّٰہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خاص کر لیا ہے۔ علماء تفسیر نے ان قرآنی الفاظ کی کئی تعبیرات و تشریحات فرمائی ہیں مثلاً:

① اَخْلَصَهَا لِلتَّقْوٰی: کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا احترام کرنے والوں کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر لیا ہے یعنی انہیں خالص متقی اور پرہیزگار بنا دیا ہے۔

② اِخْتَصَّهَا لِلتَّقْوٰی: کہ اللہ تعالیٰ نے باادب لوگوں کے قلوب کو تقویٰ کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ یعنی اُن کے دلوں کو تقویٰ سے لبریز کر دیا اور پرہیزگاری کے نور سے منور فرما دیا ہے۔

③ طَهَّرَهُمْ مِنْ كُلِّ قَبِيحٍ وَجَعَلَ فِي قُلُوبِهِمُ الْخَوْفَ مِنَ اللّٰهِ وَالتَّقْوٰی: کہ رسول پاک ﷺ کا ادب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں اور عیبوں سے پاک و صاف فرما دیا ہے اور اُن کے دلوں میں خوفِ خدا اور تقویٰ پیدا فرما دیا ہے۔

④ اَذْهَبَ عَنْ قُلُوبِهِمُ الشَّهَوَاتِ: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُن کے دلوں سے نفسانی خواہشات کو دور فرما دیا ہے۔

⑤ وَسَعَّهَا وَشَرَحَّهَا لِلتَّقْوٰی: اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کا ادب کرنے والوں کے دلوں کو پرہیزگاری کے لیے کشادہ اور وسیع کر دیا ہے کہ تقویٰ کی راہ پر چلتے ہوئے کوئی دشواری اور

بوجھ محسوس نہیں کرتے۔ (تفسیر قرطبی، سورۃ الحجرات آیت: ۳)

⑥ عَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ صَالِحَةً اِی كَائِنَةً لِلتَّقْوَى: اللہ تعالیٰ نے آداب رسالت بجا لانے والوں کے دلوں کو تقویٰ کی صلاحیت سے معمور و مزین کر دیا ہے۔

(تفسیر کبیر للرازی، سورۃ الحجرات آیت: ۳)

⑦ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول کی عزت و تکریم کرنے والے خوش نصیبوں کے قلوب کو تقویٰ کا خوگر اور عادی بنا دیا ہے کہ انہیں نیکی کا کام کرتے وقت کوئی گرائی اور وقت محسوس نہیں ہوتی۔ (تفسیر روح المعانی سورۃ الحجرات آیت: ۳)

⑧ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

”جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں میں پورے اترے ہیں اور ان آزمائشوں سے گزر کر جنہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اُن کے دلوں میں فی الواقع تقویٰ موجود ہے۔ وہی لوگ اللہ کے رسول (ﷺ) کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں اس ارشاد سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ جو دل رسول (ﷺ) کے احترام سے خالی ہے وہ درحقیقت تقویٰ سے خالی ہے اور رسول (ﷺ) کے مقابلے میں کسی کی آواز کا بلند ہونا محض ایک ظاہری بد تہذیبی نہیں ہے بلکہ باطن میں تقویٰ نہ ہونے کی علامت ہے۔“

(تفہیم القرآن، سورۃ الحجرات آیت: ۳)

⑨ جدید طرز کے مفسر مولانا امین احسن اصلاحی ان قرآنی الفاظ کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ:

”یہ اس صحیح ادب کی تعلیم ہے جو رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں ہر صاحب ایمان کو اختیار کرنا لازم ہے۔ فرمایا۔ جو لوگ اللہ کے آگے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی افزائش کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ لفظ اِمْتَحَنَ۔ یہاں اِصْطَفٰی... یا اس کے ہم معنی کسی لفظ پر متضمن ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر دل تقویٰ کی تخم ریزی اور اُس کی افزائش کے لیے موزوں نہیں ہوتا بلکہ اس

مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ امتحان کر کے دلوں کا انتخاب کرتا ہے اور اس انتخاب میں اصل چیز جو ترجیح دینے والی بنتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کے اندر اللہ و رسول کے لیے انقیاد و اطاعت کا سچا جذبہ اور اُن کے آگے فروتنی کا صحیح شعور ہے یا نہیں۔ یہ چیز جس کے اندر جتنی ہی زیادہ ہوتی ہے اُس کو اتنی ہی زیادہ تقویٰ کی نعمت عطا ہوتی ہے۔ اور جو لوگ جس درجے میں اس شعور سے عاری ہوتے ہیں وہ اتنے ہی تقویٰ سے بعید ہوتے ہیں۔“

(تذکر قرآن، سورۃ الحجرات آیت: ۳)

⑩ امام بیضاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

”اللہ نے اُن کے دلوں کا تجربہ کر لیا۔ تقویٰ کے لیے اُن کے اندر لچک پیدا کر دی۔ تقویٰ کا مشتاق بنا دیا۔“ (تفسیر مظہری، سورۃ الحجرات آیت: ۳)

صحابہ کرام اور تقویٰ:

کائنات ہست و بود میں نبی کریم ﷺ کا سب سے زیادہ ادب، عزت اور احترام کرنے والے خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے احترام رسالت کا پورا پورا حق ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ادب رسول کے صلے، نتیجے اور بدلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں ”تقویٰ“ کو جاگزیں کر دیا۔ اُن کے دلوں کو تقویٰ سے بھر دیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تقویٰ کو لازم و ملزوم کر دیا۔

اللہ رب العالمین قرآن عزیز میں فرماتا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر جب کفار مکہ نے اپنے جاہلانہ تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اصحابِ مصطفیٰ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو حرم کعبہ میں داخل ہونے، بیت اللہ کا طواف کرنے اور عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تو اللہ کریم نے جماعت صحابہ پر یہ عظیم احسان فرمایا کہ اُن کے قلوب و اذہان میں ”اتباع رسول“ کا جذبہ صادقہ تازہ فرما دیا اور ان کے ضمیر اور دلوں میں اس امر کو مزید پختہ اور مضبوط کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے پرستار اور نبی آخر الزمان ﷺ کے فرماں بردار ہیں لہذا ہمیں کسی قسم کے اشتعال، غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرنے کی بجائے اللہ کریم اور رسول رحیم کے احکام اور

فیصلوں کی پابندی کرنی چاہیے اور اپنے اشتعال انگیز احساسات و جذبات کو دبا کر عبادتِ خدا اور اطاعتِ مصطفیٰ کا عملی اظہار کرنا چاہیے اور اسی چیز کا نام ”تقویٰ“ ہے۔ قرآن حکم فرماتا ہے:

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَبِيَّةَ الْحَبِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝﴾

(۲۸/ الفتح: ۲۶)

”جب (صلح حدیبیہ کے موقع پر) کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت یعنی جاہلانہ حمیت (ضد) پیدا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان (صحابہ کرام) پر اپنی تسلی کو نازل فرما دیا اور ان پر تقویٰ کی بات لازم کر دی اور وہ اس (کلمہ تقویٰ) کے زیادہ حق دار اور اہل تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

آپ ذرا صلح حدیبیہ کا پس منظر تصور میں لائیں کہ چودہ سو صحابہ کرام حالت احرام میں ہیں، زیارت کعبہ اور عمرے کا قصد ہے۔ مدینہ طیبہ سے طویل اور مشکل ترین سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں اور کفار مکہ نے مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر روک دیا اور حدودِ حرم میں داخلے کی اجازت نہیں دی۔ جاہلانہ تعصب کی انتہاء دیکھیے کہ۔

- ☆ معروف دستور کے خلاف انہوں نے اہل ایمان کو عمرہ سے روک دیا۔
- ☆ حرمت والے مہینے ذوالقعدہ میں صحابہ کرام سے لڑائی پر تیار ہو گئے۔
- ☆ جب ان کی شرائط پر صلح نامہ لکھا جانے لگا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے دی۔
- ☆ صلح نامہ پر ”محمد رسول اللہ“ لکھنے کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھنے پر اصرار کیا۔
- ☆ ابو جندل رضی اللہ عنہ جو صلح نامہ کی تکمیل سے قبل خدمت رسول میں حاضر ہو چکے تھے انہیں واپسی پر مجبور کیا۔

رسول اکرم ﷺ نے دشمنان اسلام کے اس جاہلی تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی کے باوجود صلح نامہ پر دستخط کر دیئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبائع پر یہ فیصلہ بڑا گراں گزرا کیونکہ صلح

کی تمام شرائط بظاہر کفار کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ مثلاً۔

① اہل ایمان اس سال بغیر عمرہ ادا کیے واپس لوٹ جائیں گے۔
 ② آئندہ سال صرف یہی صحابہ کرام عمرہ کیلئے غیر مسلح آئیں گے اور مکہ مکرمہ میں صرف تین دن قیام کریں گے۔

③ اگر مکہ کا کوئی باشندہ مسلمان ہو کہ مدینہ جائے تو آپ ﷺ اسے واپس لوٹانے کے پابند ہوں گے۔

④ اگر مدینہ کا کوئی مسلمان مکہ آجائے تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

⑤ آئندہ دس سال تک محمد ﷺ اور قریش مکہ کے مابین صلح رہے گی اور جنگ نہیں ہوگی۔

⑥ قبائل عرب اپنے معاہدات میں آزاد ہوں گے۔ جو چاہیں محمد ﷺ کے حلیف بن جائیں اور جو پسند کریں وہ قریش مکہ سے عہد و پیمان کر لیں۔

جب ان شرائط پر صلح ہوئی تو فطری طور پر اہل ایمان کے جذبات مشتعل ہوئے۔ انہیں شدید پریشانی لاحق ہوئی اور وہ بڑے غضب ناک ہوئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس بات کو لازم کر دیا کہ ہم حکم رسول کے پابند ہیں لہذا ہمیں اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کی قربانی دے کر اطاعت رسول کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تقویٰ کے کلمہ کو ان پر لازم کر دیا اور وہ تقویٰ کے حق دار اور اہل تھے۔ سبحان اللہ۔
 ایسا کیوں نہ ہوتا کہ۔

- ☆ تقویٰ ہی..... صحابہ کا ایمان۔
- ☆ تقویٰ ہی..... صحابہ کی پہچان۔
- ☆ تقویٰ ہی..... صحابہ کا عرفان۔
- ☆ تقویٰ ہی..... توحید کا ترجمان۔

.....اور.....

- ☆ تقویٰ ہی..... صحابہ کی جان۔
- ☆ تقویٰ ہی..... صحابہ کی شان۔

☆ تقویٰ ہی.....صحابہ کی آن۔

☆ تقویٰ ہی.....ارشاد رحمان۔

حضرات! سارا جہاں تقویٰ کو تلاش کرتا ہے مگر تقویٰ اصحاب رسول کو تلاش کرتا ہے۔ کیونکہ تقویٰ اور صحابہ لازم و ملزوم ہیں۔ صحابہ، تقویٰ سے جدا نہیں اور تقویٰ صحابہ سے الگ نہیں۔ کیونکہ۔

وَالْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا۔

”اور اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے تقویٰ کو کلمہ لازم کر دیا اور وہ اس کے حق دار اور اہل تھے۔“

اور سورۃ الحجرات بھی صحابہ کرام کے تقویٰ کی گواہی دے رہی ہے۔ کہ۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے امتحان لیا۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان:

حضرات! نبی کریم، رءوف رحیم اور رسول عظیم ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رفتہ رفتہ جان نثاروں، فداکاروں، وفاداروں، اور خدمت گزاروں کی ایسی مقدس جماعت عطاء فرمائی جسے دنیا ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم“ کے خوب صورت الفاظ سے یاد کرتی ہے۔ جنہوں نے محبت رسول، اتباع مصطفیٰ اور احترام و عقیدت کے ایسے نمونے پیش کیے، جس کی مثال لانے سے دنیا قاصر ہے۔ لیکن یہ مرتبہ اور مقام انہیں گھر بیٹھے نصیب نہیں ہوا بلکہ صحبت رسول کا اعزاز عظیم حاصل کرنے والوں کو سخت امتحانات اور صبر آزما آزمائشوں میں مبتلا کر کے جانچا گیا۔ پرکھا گیا اور جائزہ لیا گیا کہ کیا یہ لوگ احترام رسول کے تقاضے زندگی بھر پورے کریں گے یا چند روز کے بعد ان کی محبتوں اور عقیدتوں میں دراڑ پڑ جائے گی۔ دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور جاں نثاری و فداکاری میں فرق آجائے گا۔ مگر قرآن حکیم گواہی دیتا ہے۔ کہ وہ تمام کے تمام امتحانات الہی میں کامیاب قرار پائے اور بڑی سے بڑی مصیبت و ابتلاء بھی اُن کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ رب کائنات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امتحانات کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۃ الحجرات کی زیر

خطبہ آیت طیبہ میں فرماتا ہے کہ۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾

”یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے امتحان لیا۔“

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں امتحان ہوتا ہے طلبہ کی صلاحیت..... قابلیت..... معلومات..... متعلقہ مضمون میں مہارت اور استعداد کا..... امتحان ہوتا ہے لکھنے کی رفتار کا..... ذہنی استحضار کا..... ذہانت و فطانت کا..... اور یہ امتحان کبھی تحریری ہوتا ہے اور کبھی تقریری..... امتحان کے مضامین دینی ہوتے ہیں یا دنیاوی..... کہیں فزکس اور کیمسٹری کا امتحان ہو رہا ہے..... کہیں جغرافیہ اور تاریخ کا امتحان ہے..... کہیں انگریزی اور اردو کے پیپر ہو رہے ہیں..... کہیں الجبرا اور جیومیٹری کے پرچے ہو رہے ہیں..... کہیں طلبہ کی ذہنی صلاحیت جاننے کیلئے معروضی سوالات پوچھے جارہے ہیں اور کبھی انشائیہ طرز کے امتحان ہو رہے ہیں۔

..... مگر.....

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان بڑا نرالا اور عجیب ہے۔ یہاں قابلیت اور معلومات کا امتحان نہیں بلکہ دل اور ضمیر کا امتحان ہو رہا ہے۔ اور مختلف مضامین کے پیپر نہیں بلکہ مصائب و مشکلات کے پرچے ہو رہے ہیں۔ امتحان لینے والا کوئی عام سپرنٹنڈنٹ اور نگران عملہ نہیں۔ بلکہ امتحان خود خدا ہے اور نگران محمد مصطفیٰ ﷺ ہے..... لیجئے کمرہ امتحان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سوالیہ پیپر دیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اے رفقاء رسول!

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ

وَالشَّرَاتِ ط﴾ (البقرہ: ۱۵۵)

”اور البتہ ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے (تمہارا امتحان لیں گے اور جانچیں گے)

کسی چیز کے ساتھ۔ خوف سے اور بھوک سے اور مالوں میں کمی کرنے سے اور

جانوں کی کمی سے اور پھلوں کے نقصان سے۔“

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امتحانی پرچے کے سوالات یہ تھے۔

① دشمن کا خوف:

مدینہ طیبہ پر ہر وقت حملے کا خطرہ۔ اسلام کے مخالفین سے لڑائی کا خدشہ۔ کافروں کے ساتھ پنجہ آزمائی کا ڈر۔ کیا سامنا کرو گے؟

② بھوک:

کئی کئی دن کھانا نہیں ملے گا۔ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑیں گے۔ بسا اوقات درختوں کے پتوں پر گزارا ہوگا۔ کیا برداشت کر لو گے؟

③ مالوں میں کمی:

اللہ تعالیٰ کی راہ میں، رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اپنی دن رات کی کمائی۔ دولت اور مال و منال خرچ کرو گے؟ غور و خوض کے بعد جواب دینا۔

④ جانوں میں کمی:

راہ اللہ اپنی اولاد، رشتے دار، بہن بھائی، حتیٰ کہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے تو کیا اس کیلئے تیار ہو؟ سوچ کر جواب دیں۔

⑤ پھلوں میں کمی:

باغات و فصلات تیار ہوں۔ کٹائی کا موسم قریب ہو۔ تمہارے گھر اجناس سے بھرے جانے والے ہوں۔ اچانک حکم آجائے کہ جہاد کیلئے نکل کھڑے ہو تو کیا اپنے باغات کے پھلوں اور فصلات کی آمدن کا نقصان برداشت کر لو گے؟ سوال ذرا مشکل ہے۔ سوچ سمجھ کر جواب دیں۔

حضرات! قرآن مجید، حدیث رسول، سیرت طیبہ اور تاریخ اسلام اس امر پر شاہد عدل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان تمام سوالات کے صرف زبانی نہیں بلکہ عملی جوابات دیئے اور فداکاری، جاں نثاری اور قربانی کی ایسی مثالیں پیش فرمائیں کہ تاریخ عالم اُن کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔ سورۃ الحجرات اعلان کر رہی ہے کہ۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾

”یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے امتحان لیا۔“

یعنی انہیں جانچا، پرکھا اور آزمایا کہ کیا ان کے دل خوفِ خدا، للہیت، خلوص، محبتِ رسول، احترامِ مصطفیٰ، اور ادبِ رسالت کا بوجھ برداشت کر سکیں گے؟ جب وہ تمام آزمائشوں اور ابتلاؤں میں کامیاب و کامران ٹھہرے تو پھر اُن کیلئے انعامات و نوازشات کا اعلان فرمایا کہ۔

﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾

”اُن کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔“

صحابہ کرام کا امتحانی سنٹر نمبر ۱۔

چونکہ سورۃ الحجرات کی اس آیت طیبہ میں ”اصحابِ رسول کے امتحان“ کا تذکرہ کیا گیا ہے اس لیے امتحاناتِ صحابہ کو جدید امتحانی طریقہ کار کے مطابق ہی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آئیے! تصورات کی دنیا میں مکہ معظمہ چلتے ہیں۔ اللہ رحیم و کریم ہم سب کو بار بار مکہ مکرمہ، خانہ کعبہ، مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی کی زیارت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

مکہ معظمہ کی گلیاں، بازار اور چوک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پہلا امتحانی سنٹر ہیں۔ صحرائے مکہ کی ریت، شہر مکہ کی گلیوں کے ذرات اور بازاروں کے سنگ ریزے اس امر کے گواہ ہیں کہ یہاں رفقاء رسول کا بڑا مشکل امتحان لیا گیا اور خوش کن بات یہ ہے کہ..... اس ہلکی امتحانی سنٹر کے تمام طلبہ مشکل ترین امتحان میں بھی کامیاب و کامران قرار پائے۔ اس سنٹر میں امتحان دینے والے ایک مثالی طالب علم کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ یہ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں۔

درس گاہ توحید مکہ مکرمہ میں داخلہ حاصل کرنے والا ”ساتواں“ طالب علم۔ سبحان اللہ،

آپ رضی اللہ عنہ کا قد لمبا، جسم کمزور، رنگ انتہائی گندمی، بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال گھنے، خم دار اور سفید تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ عرصہ دراز سے مشہور مکی سردار امیہ بن خلف کے غلام، نوکر اور زر خرید تھے۔ جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کے بعد توحید الہی کا پرچار شروع کیا تو جو لوگ ابتداءً سعادت اندوز اسلام ہوئے اُن میں ایک سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو ”ساتواں مسلمان“ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

قبول اسلام کی پاداش میں آپ ﷺ نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں، اذیتیں برداشت کیں اور مصائب جھیلے۔ آپ ﷺ کا امتحان بڑا سخت تھا۔ آپ ﷺ کو اسلام سے برگشتہ، توحید الہی سے دور اور محبت رسول سے محروم کرنے کیلئے آٹھ طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا جاتا تھا گویا کہ آپ کے امتحانی پرچے کے آٹھ سوال تھے۔

① آپ ﷺ کو صحرائے مکہ کی گرم ریت پر عین دوپہر کے وقت لٹایا جاتا۔

② گرم ریت پر لٹا کر آپ کے سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا تا کہ آپ حرکت نہ کر سکیں۔

③ آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جاتے تا کہ ہل نہ سکیں۔

④ مکہ کے مشرک نوجوان آپ کے گلے میں رسی باندھ کر گلیوں میں گھسیٹے پھرتے تھے۔

⑤ آپ ﷺ کے جسم کو گرم سلاخوں سے داغا جاتا تھا۔

⑥ آپ ﷺ کے جسم کے نازک حصوں پر کیکر کے کانٹے چھوئے جاتے تھے۔

⑦ کئی کئی دن آپ کو بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا تھا۔

.....اور.....

⑧ آپ ﷺ کو رات کے وقت تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کر بٹاک اذیتیں دے کر اُن سے صرف ایک مطالبہ کیا جاتا کہ تم ”توحید خدا اور محبت مصطفیٰ“ کا انکار کر دو۔ مگر یہ سارے دکھ سہ کر جناب بلال ”أَحَدٌ أَحَدٌ“ پکارتے یعنی ”اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے۔“ اُمیہ بن خلف کہتا نہیں۔ لَات و عَزَّى معبود ہیں تو آپ جواباً فرماتے۔ اَنَا كَافِرٌ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى میں لَات و عَزَّى کی عبادت سے انکار اور خدائے واحد کی عبادت کا اقرار کرتا ہوں۔ ظالم اُمیہ، آپ کو اپنے احسانات یاد کرواتا تو آپ ﷺ جو جواب دیتے۔ مولانا علی محمد صحصام رحمہ اللہ نے اُس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ آپ فرماتے۔

پوج پوج بت ساری عمر لنگا لئی
رب توں بیگانے ہو کے زندگی گنوا لئی
شکر خدا دا دولت وحدت دی پا لئی

پڑھ لیا اے دلوں کلمہ احمد سرکار دا
 نام محمد والا کالجے نوں ٹھاردا
 سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اگر تم عقیدہ توحید اور رسالت محمدی کے اقرار سے باز
 نہ آئے تو تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ۔
 کہندا بلال ہووے جان ہزار جے
 نبی دے نام اتوں دیواں میں وار جے
 مار لتو جنہیں تساں مارنی مار جے
 چھڈاں نہ ہرگز کلمہ نبی سردار دا
 نام محمد والا کالجے نوں ٹھار دا
 علامہ اقبال اور سیدنا بلال:

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم علیہ السلام نے جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار،
 اخلاق و عادات، حب رسول، عقیدہ توحید پر استقامت، مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی
 سے قبول اور برداشت کرنے کا جذبہ اور اُن کی زندگی کے حالات و واقعات کا مطالعہ کیا تو اُن
 کے جذبات و خیالات نے الفاظ و کلمات کی جو صورت اختیار کی اُسے وہ تصور میں سیدنا
 بلال رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یوں پیش کرتے ہیں۔

چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا
 حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
 ہوئی اس سے ترے غمکدے کی آبادی
 تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
 وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے
 کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
 جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
 ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورت سلماں ادا شناس تری
 شراب دید سے بڑھتی اور پیاس تری
 تجھے نظارے کا مثل کلیم سودا تھا
 اویس، طاقت دیدار کو ترستا تھا
 مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
 ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا
 ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
 کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
 ازاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
 نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
 خوشا وہ وقت ، کہ یثرب مقام تھا اُس کا
 خوشا وہ دور، کہ دیدار عام تھا اُس کا

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت و خدمات کی تفصیلات فی الوقت میرا موضوع نہیں ہے۔ میں تو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امتحانات، ابتلاؤں اور آزمائشوں کے حوالے سے تصورات میں آپ کو مکہ مکرمہ کے ایک امتحانی سنٹر کا معائنہ کروا رہا تھا جہاں توحیدی درس گاہ کے ایک ہونہار طالب علم کا امتحان ہو رہا ہے اور ممتحن خود رب دو جہاں ہے۔ پرچہ بڑا مشکل، صبر آزما اور تھکا دینے والا ہے۔ مگر ممتحن اس طالب علم کے جوابات یعنی استقامت، استقلال، صبر، حوصلے اور ہمت و برداشت سے اتنا خوش ہوا کہ اُس نے عرش سے اعلان فرما دیا ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُمِّتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

”یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے امتحان لیا ہے۔ ان کیلئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔“

اس امتحانی سنٹر میں امتحان دینے والے ایک سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں

عقیدہ توحید اختیار کرنے کی وجہ سے طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ سر کے بال نوچے جاتے۔ گردن مروڑی جاتی اور دھکتے کوٹلوں پر لٹایا جاتا تھا۔ یہاں امتحان دینے والے ایک سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہیں اُن کا چچا کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا تھا۔ ایک جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہیں قبول اسلام کے باعث اُن کی ماں نے گھر سے نکال دیا تھا۔ اور..... ہاں..... یہاں ایک عمار..... اُن کے والد یا سر اور اُن کی والدہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ جن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے مگر وہ۔ اُف بھی نہیں کرتے۔ مگر ہم ان سب اور ان جیسے سینکڑوں اصحاب کی خدمات اور امتحانات سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک اور امتحانی سنٹر میں لئے چلتے ہیں۔ تاکہ۔

امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى ط کی پوری تفسیر سمجھ میں آجائے۔

امتحانی سنٹر نمبر ۲۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعتقادات، نظریات، اور خدمات کی ایک بڑی امتحان گاہ ”مقام بدر“ ہے۔ بدر مدینہ طیبہ سے تقریباً اسی میل دور یمن اور شام کی تجارتی شاہراہ پر ایک بیضوی شکل کا میدان ہے۔ جو چاروں طرف سے پہاڑوں اور ٹیلوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس میدان کی لمبائی اور چوڑائی تقریباً ساڑھے پانچ میل ہے اور اس کا اکثر حصہ ریتلا ہے۔ کسی زمانے میں یہاں ایک بڑا بت خانہ تھا جس کی وجہ سے ہر سال یکم ذوالقعدہ سے آٹھ ذوالقعدہ تک میلہ لگتا تھا۔ اصل میں یہ علاقہ ”بدر بن مخلص“ نامی شخص نے آباد کیا اور یہاں ایک کنواں کھدوایا جس کا نام ”بئر بدر“ ہے۔ بعض ارباب سیر کا خیال ہے کہ اس کنویں کا پانی اتنا صاف اور شفاف تھا کہ چاندنی راتوں میں چاند کا عکس اس میں صاف نظر آتا تھا اور یہ کنواں بھی گول شکل کا تھا اس لیے اس کا نام ”بدر“ مشہور ہو گیا۔

جاں نثارانِ مصطفیٰ اور کفار مکہ کے درمیان پہلا جنگی معرکہ اسی میدان میں ہوا جسے ”غزوہ بدر“ کہا جاتا ہے۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد معروف روایت کے مطابق تین سو تیرہ تھی اور دشمنان اسلام کی فوج ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ ۲ ہجری سترہ رمضان المبارک بروز جمعہ اس میدان میں اصحاب رسول کی جاں نثاری، فداکاری اور خدمت گزاری کا مشکل

ترین امتحان ہوا۔ اور بتوفیق اللہ تعالیٰ یارانِ مصطفیٰ اس سخت ابتلاء میں بھی کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار ہوئے۔ یہ میدان بدر ہے جہاں۔

ایک طرف حق تھا..... دوسری طرف باطل۔

ادھر ایمان تھا..... ادھر شیطان۔

صداقت ان کے پاس تھی..... طاقت اُن کے پاس تھی۔

یہ توحید والے..... وہ شرک والے۔

یہ محبتانِ رسول..... وہ دشمنانِ رسول۔

ادھر رب واحد کے پرستار..... ادھر غیر اللہ کے وفادار۔

یہ شرافت والے..... وہ شرارت والے

ایک طرف مومنین..... دوسری طرف مشرکین۔

ان دونوں گروہوں کے خیالات، نظریات اور اعتقادات میں زمین و آسمان کا فرق

ہے۔ اصحابِ مصطفیٰ دین اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کیلئے جہاد کرنے آئے ہیں جبکہ کفار مکہ اپنے جاہ و

جلال اور دنیوی مفادات کے تحفظ کیلئے جنگ کرنے۔ کفار کے لشکر کا سرغنہ ابو جہل..... جبکہ

اسلامی فوج کے سپہ سالار سرور کونین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔..... شاعر اسلام جناب حفیظ

جالدھری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں۔

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا پیارا تھا

کہ اس لشکر افسر ایک کملی والا تھا

اب اصحابِ رسول کے امتحان کا وقت ہے۔ کہ ان کے پاس صرف،

تھے اُن کے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں

بدلنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

قرآن حکیم، حدیثِ مصطفیٰ اور تاریخ اسلام کی گواہی ہے کہ تین سو تیرہ نہتے مسلمانوں

نے ایک ہزار اسلحہ برداروں کے منہ پھیر دیئے۔ اُن کے ستر سرداروں کو واصل جہنم کیا اور اتنے

ہی سربراہ آوردہ لوگوں کو گرفتار کر کے دربار رسالت میں پیش کر دیا۔ عرب کے قدیم طریقہ

جنگ ”مبارزت“ میں کفار مکہ نے شکست کھانے کے بعد جب عام حملے کا آغاز کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فداکاروں کو حکم دیا کہ۔

”اے رفقاء رسول! اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں پر یکبارگی حملہ کر دو۔ ذات کبریا کی قسم! جو شخص ان کافروں کے ساتھ ڈٹ کر، ثواب سمجھ کر اور آگے بڑھ کر مقابلہ کرے گا اور پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اگر وہ اس دوران مارا جائے گا تو میں محمد ﷺ ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔

اس جنت کی طرف بڑھو۔ جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، صحابی رسول جناب عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی جنت والوں میں سے ہوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں ”تم بھی اہل جنت میں سے ہو۔“ جناب عمیر رضی اللہ عنہ اپنے توشہ دان سے کھجوریں نکال کر کھا رہے تھے۔ یہ فرمان رسول سننے کے بعد کھجوریں پھینک دیں اور دشمنان اسلام کی طرف بڑھے۔ دادِ شجاعت دی۔ سخت مقابلہ کیا۔ کئی کافروں کو جہنم رسید کر کے خود بھی جامِ شہادت نوش کر گئے۔“ اللہ اکبر۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب ثبوت الحجۃ للشہید)

اللہ تعالیٰ کا اعلان اور فرمان پورا ہو گیا کہ۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۖ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ۖ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

”یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے امتحان لیا۔ اُن کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔“

دونو جوانوں کا مثالی کردار:

جب غزوہ بدر کا ذکر آیا ہے تو اُن دونو جوانوں کی شجاعت اور بہادری کا تذکرہ کیے بغیر آگے نہیں بڑھا جاسکتا جنہوں نے اپنے دور کے فرعون ”ابو جہل“ کو جہنم رسید کیا تھا۔ ایک نوجوان کا نام ”معاذ بن عمرو بن جموح اور دوسرے کا نام معاذ (یا معوز) بن عفراء“ ہے۔

تفصیل میں جانے کی بجائے اس واقعہ کے عینی شاہد سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیان کا ترجمہ عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ۔

”میں جنگ بدر کے دن مجاہدین اسلام کی صفوں میں سے ایک صف میں موجود تھا اور جنگ کی بھٹی سلگی ہوئی تھی۔ اچانک میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو دو انصاری نوجوان میرے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ میں نے اپنے دونوں جانب نوجوانوں کی موجودگی کے باعث اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کیا۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ، لَوْ كُنْتُ بَيْنَ أَضْلَعٍ مِنْهَا۔ کاش! میں ان نوجوانوں کی بجائے تجربہ کار افراد کے درمیان ہوتا (تو دونوں اطراف سے بے نیاز ہو کر دشمن کے ساتھ سامنے سے مقابلہ کرتا) کہ اُن میں سے ایک نوجوان نے سرگوشی کے انداز میں میرا ہاتھ دبا کر مجھ سے پوچھا۔ يَاعَمَّ! هَلْ تَعْرِفُ اَبَا جُهَلٍ، چچا محترم! کیا آپ ابو جہل کو پہنچانتے ہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں میں اُسے پہچانتا اور جانتا ہوں۔ مَا حَاجْتُكَ اِلَيْهِ، تمہیں اُس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا چچا! آپ صرف مجھے ابو جہل دکھا دیں۔ میں نے پھر پوچھا۔ مَا تَصْنَعُ بِهِ تَمْ اُسے کیا کرو گے؟ اُس نوجوان نے مجھے جواب دیا کہ اُخْبِرْتُ اَنَّهُ يَسُبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ بد بخت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے لہذا عَا هَذُتُ اللّٰهُ اِنْ رَءَيْتُهُ اَنْ اَقْتُلَهُ اَوْ اَمُوْتُ دُوْنَهُ میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں نے اُسے دیکھ لیا تو سب رسول کے جرم کی پاداش میں قتل کر دوں گا۔ یا اُس ظالم سے لڑتے ہوئے خود شہید ہو جاؤں گا۔“

شاعر اسلام جناب حفیظ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے شاہنامہ اسلام“ میں اس انصاری نوجوان کے الفاظ کا بڑا خوب صورت ترجمہ کیا ہے کہ اُس نے کہا:

قسم کھائی ہے مَر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو

سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوبِ باری کو

سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

”مجھے اس انصاری نوجوان کے جذبات و احساسات سے بڑی حیرانی ہوئی۔“

ابھی میں اُس کے سوال کا جواب نہ دے پایا تھا کہ دوسری طرف کے نوجوان نے چپکے سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے مجھ سے وہی سوال کیا کہ ابو جہل کہاں ہے۔ میرے استفسار پر اس نوجوان نے بھی انہیں جذبات کا اظہار کیا۔ ابھی میں ان دونوں کی باتوں پر حیران اور خوش ہو ہی رہا تھا کہ اچانک سامنے ابو جہل گزرتا ہوا نظر آیا جو دشمنانِ اسلام کے درمیان چکر کاٹ رہا تھا۔ تو میں نے دونوں نوجوانوں کو مخاطب کر کے اشارہ کرتے ہوئے کہا: اَلَا اِنَّ هٰذَا صَاحِبَكُمْمَ الَّذِي سَاَلْتُمَانِيْ خَبْرًا! وہ ہے تم دونوں کا شکار۔ جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے۔“

سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تبصرہ ہے کہ میرا اشارہ کرنے کی دیر تھی۔ ”فَشَدَّا عَلَيْهِ مِثْلَ الصَّقَرَيْنِ حَتَّى ضَرَبَاْهُ۔ وہ دونوں اپنی تلواریں لے کر دو شاہینوں کی طرح اُس پر جھپٹ پڑے اور اُن واحد میں اسے ختم کر دیا۔ پھر پلٹ کر وہ دونوں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور دونوں نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ابو جہل لعین کے قتل کی اطلاع دی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پوچھا کہ تم دونوں میں سے اُسے کس نے قتل کیا ہے؟ تو دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ اَنَا قَتَلْتُمُ آقَا! اُسے میں نے مارا ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟ دونوں نے عرض کی نہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دونوں کی تلواریں ملاحظہ فرمائیں (تو دونوں کی تلواروں سے دشمنِ رسول کا لہو ٹپک رہا تھا) آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کِلَا کُمَا قَتَلْتُمُ۔ (شاباش) تم دونوں نے اُسے قتل کیا ہے۔“

(صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب من لم یخمس الاسلاب، و کتاب المغازی، باب من شہد بدرا، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب استحباب القتال سلب القتل۔)

اِنْ دَوَّ النَّصَارَى جَوَانُوں مِیں سَے اِیک نو جوان جناب معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ابو جہل لعین کے قتل کے واقعہ کی مزید تفصیل بیان فرمائی ہے کہ:

”ابو جہل تیز رفتار گھوڑے پر سوار محافظوں کے جھرمٹ میں میدانِ بدر میں دشمنانِ اسلام جنگجوؤں کو حربی ہدایات دے رہا تھا کہ میں نے موقع پا کر اُس کی پنڈلی کو تلوار ماری تو اُس کا پاؤں نصف پنڈلی سے کٹ کر دور جا گرا۔ میرے حملہ کرتے ہی ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر تلوار دے ماری جس سے میرا ہاتھ کٹ کر میرے بازو کے چمڑے سے لٹک گیا۔ اور لڑائی میں رکاوٹ پیدا کرنے لگا۔ میں اُسے گھسیٹتا رہا لیکن جب مجھے اذیت پہنچانے لگا تو میں نے اپنے ہاتھ پر پاؤں رکھ کر اُسے زور سے کھینچا اور بازو کو جسم سے الگ کر کے پھینک دیا۔“ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ اسی دوران دوسرے نو جوان ساتھی معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابو جہل زخمی ہے اُنہوں نے اُسے ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ صرف سانس آتی جاتی رہی۔ پھر جناب معوذ (یا معاذ) بن عفراء رضی اللہ عنہ بھی لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔“

(ملخص از الریح المخبوم اردو۔ ابو جہل کا قتل)

جب معرکہ بدر ختم ہو گیا اور اللہ رب العالمین نے اہل ایمان کو اپنی خاص مہربانی، لطف و کرم اور نصرت و امداد کے باعث کامیابی سے ہمکنار فرمایا اور کفارِ مکہ کو عبرتناک شکست سے دو چار ہونا پڑا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

”مَنْ يَنْظُرُ مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ؟ کون ہے جو دیکھے کہ ابو جہل کا انجام کیا ہوا؟ یہ فرمانِ رسول سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُسے اس حالت میں دیکھا کہ بے سدھ زمین پر پڑا تھا مگر سانس جاری تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُس کی گردن پر پاؤں رکھا اور سر کو تن سے جدا کرنے کے لیے اُس کی داڑھی پکڑ لی۔ اور فرمایا: اَعَنْتَ اَنْتَ حَقًّا؟ کیا تو ہی ابو جہل ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ جس شخص کو تم نے آج قتل کیا ہے کیا اس سے بلند پایہ کوئی آدمی ہے؟“

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل)

مختصر یہ کہ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو جہل لعین کا سر تن سے جدا کر کے خدمت نبوی میں لا کر پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا اُس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہوئے فرمایا:

((اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَ وَعْدُهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ))

”اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے نے ہی تمام گروہوں کو شکست دے دی۔“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”چلو مجھے اُس کی لاش تو دکھاؤ۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو اُس کی میت کے پاس لے جا کر اُس کی لاش دکھائی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اس اُمت کا فرعون ہے۔“ (الرحیق المختوم، ابو جہل کا قتل)

المختصر مقام بدر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بڑا دشوار اور سخت امتحان ہوا اور بتوفیق اللہ تعالیٰ وہ تمام کے تمام اس امتحان عظیم میں بھی ہر لحاظ سے کامیاب و کامران ٹھہرے اور ان پاکیزہ نفوس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سونی صد منطبق ہوا کہ:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ أَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِتَتَّقُوا ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

”یہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے امتحان لیا۔ اُن کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔“

امتحانی سنٹر نمبر 3:

محسن انسانیت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ کرام کی ایک اور امتحان گاہ ”میدانِ احد“ ہے۔ جہاں ان پاکیزہ نفوس نے ایثار و قربانی، محبت رسول اور جذبہ فدویت کے وہ مناظر پیش کیے کہ آج بھی انہیں پڑھ کر رونگھٹے کھڑے ہو جاتے۔ طبیعت دنگ رہ جاتی اور

قلب و ذہن حیران ہو جاتے ہیں اور انسان بے ساختہ اُن عظیم ہستیوں کے لیے ”رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوا عَنْہُ ط“ کہنا شروع کر دیتا ہے۔

جبلِ اُحد، مدینہ طیبہ کے شمالی جانب ایک پہاڑ ہے جو مسجدِ نبوی سے تقریباً چھ کلومیٹر دور ہے۔ اُحد پہاڑ مدینہ طیبہ کی حدودِ حرم کے اندر ہے۔ اس پہاڑ کے پتھروں کا رنگ سرخی مائل ہے اور اس کے جنوبی جانب رسولِ پاک ﷺ کے اُن ستر جاں نثاروں کی قبریں ہیں جنہوں نے ”غزوہ اُحد“ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ماہِ شوال ۳ ہجری کی بات ہے کہ عم رسول سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے رسول اکرم ﷺ کو اطلاع بھجوائی کہ مکہ کے مشرکین بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کیں تو آپ کے مخبروں نے اطلاع دی کہ قریش مکہ کا لشکر تو مدینہ کے بالکل قریب آ گیا ہے اور انہوں نے مدینہ کی قریبی چراہ گاہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجدِ نبوی میں جمع کر کے اُن سے مشورہ کیا۔ مہاجرین و انصار میں سے تجربہ کار بزرگوں نے رائے دی کہ خواتین اسلام کو باہر قلعے میں بھیج دیا جائے اور مسلمان شہر کے اندر رہ کر دفاع کریں۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے بھی یہی تجویز دی لیکن نوجوان صحابہ کرام جو بوجہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، خاصی بحث و تمحیص اور تکرار کے بعد آپ ﷺ نے نوجوانوں کے اصرار پر مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

حضرات! غزوہ اُحد کی تفصیلات، اثرات اور نتائج اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے بلکہ ہم تو اس امتحانِ گاہ میں از حد نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے ایک دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ آئیے! تصورات میں آپ کی ملاقات ایک ایسے جاں نثار سے کرواتے ہیں جسے امام الرسل ﷺ نے اپنی تلوارِ عنایت فرمائی۔

میدانِ اُحد میں آغازِ جنگ سے قبل آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک بلیغ اور پراثر خطاب فرمایا اور اپنے رفقاء کو تاکید فرمائی کہ جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو

ثابت قدمی، استقامت اور پامردی کا مظاہرہ کریں اور دلیری سے میدانِ جہاد میں قدم رکھیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جہادی روح پھونکتے ہوئے دورانِ خطاب ایک تلوارِ نیام سے نکالی اور والہانہ انداز میں فرمایا:

((مَنْ يَأْخُذُ مِنِّي هَذَا؟ فَبَسَطُوا أَيْدِيَهُمْ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ يَقُولُ- أَنَا- أَنَا- قَالَ فَمَنْ يَأْخُذُ بِحَقِّهِ فَأَحْجَمَ الْقَوْمُ فَقَالَ سِمَاكَ بْنُ خَرْشَةَ أَبُو دَجَانَةَ أَنَا أَخِذْهُ بِحَقِّهِ فَأَخَذَهُ فَفَلَقَ بِهِ هَامَ الْمُشْرِكِينَ- (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی دجانہ)

”مجھ سے یہ تلوار کون لے گا؟ بہت سے لوگوں نے یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پھیلائے اور ہر ایک نے عرض کی کہ یہ تلوار مجھے عنایت فرمائی جائے۔ (جاں نثاروں کا جوش و جذبہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا حق کون ادا کرے گا؟ (چونکہ اصحاب رسول کو رسولِ پاک ﷺ کی تلوار کا حق معلوم نہ تھا اس لیے) لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ (سیدنا ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! اس کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے اور اسے لے کر کافروں کے مقابلے سے فرار نہ ہوا جائے) سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ آقا: ”میں اس کا حق ادا کروں گا۔“ آپ ﷺ نے وہ تلوار انہیں عنایت فرمادی۔ انہوں نے اس تلوار سے کئی مشرکوں کے سر قلم کیے۔“

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر، شجاع اور جاں باز صحابی تھے۔ اُن کے پاس ایک سرخ پٹی تھی۔ جب اُسے سر پر باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے کہ اب وہ موت تک لڑتے ہی رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی تلوار ہاتھ میں پکڑی، سرخ پٹی سر پر باندھی اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلنے لگے۔ رسولِ محترم ﷺ نے انہیں اس حالت اور کیفیت میں دیکھ کر فرمایا: ”یہ چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے مگر ایسے موقع پر نہیں۔“ جناب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سیفِ رسول کا حق ادا کرنے کے جذبہ سے سرشار دشمن کی صفوں

میں گھس گئے، مشرکین کی صفیں اُلٹ دیں اور کئی دشمنانِ اسلام کو واصلِ جہنم کیا۔ وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور دشمنوں کے سر قلم کرتے جاتے تھے:

اَنَا الَّذِي عَاهَدَنِي خَلِيلِي وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَ النَّخِيلِ
أَنْ لَا أَقُومَ الدَّهْرَ فِي الْكُيُولِ أَضْرِبُ بِسَيْفِ اللَّهِ وَالرَّسُولِ

”میں وہ ہوں جس نے اس نخلستان کے قریب اپنے خلیل ﷺ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ کبھی پچھلی صفوں میں کھڑا نہیں ہوں گا اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی تلوار سے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔“

سیدنا ابو دُجانہ رضی اللہ عنہ انتہائی بے جگری سے لڑے، صفوں کی صفیں درہم برہم کیں اور واقعتاً اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی تلوار کا حق ادا کیا۔ اور اُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ کی عملی تفسیر پیش فرمائی۔ رضی اللہ عنہ۔

اسی امتحانِ گاہ میں ذرا ادھر دیکھئے، یہ سیدنا حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ ہیں جو ایک نرالی شان سے میدانِ جہاد میں تشریف لارہے ہیں یہ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرتے، کافروں کو جہنم رسید کرتے اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے کافروں کی فوج کے سپہ سالار ابوسفیان تک پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ اُس کا کام تمام کر دیتے مگر ایک کافر نے پیچھے سے حملہ کر کے انہیں مرتبہ شہادت پر فائز کر دیا۔ رسولِ مکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے:

((إِنَّ صَاحِبَكُمْ تُغَسِّلُهُ الْمَلَائِكَةُ فَسَأَلُوا صَاحِبَتَهُ فَقَالَتْ إِنَّهُ خَرَجَ لَمَّا سَمِعَ الْهَائِعَةَ وَهُوَ جُنُبٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِذَلِكَ غَسَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ))

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، ذکر مناقب حنظلہ)

”فرشتے تمہارے ساتھی حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دے رہے تھے۔ اُن کی اہلیہ محترمہ (سیدہ جمیلہ رضی اللہ عنہا) سے اُن کی حالت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ جب انہوں نے جنگ کی ہولناکی کا ذکر سنا تو جلدی سے حالت

جنابت ہی میں میدانِ جہاد کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:
اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے انہیں غسل دیا تھا۔“

میدانِ جہاد میں جامِ شہادت نوش کر جانے والے سعادت مند کو بغیر غسل و کفن جہادی لباس میں ہی دفن کیا جاتا ہے مگر سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ پر غسل فرض تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ جنت میں پہنچانے سے قبل انہیں فرشتوں سے غسل دلویا اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ کو ”غَسِيلُ الْمَلَائِكَةِ“ کہا جاتا ہے۔

اسی سرزمینِ اُحد میں سید الشہداء جناب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دل گداز واقعہ پیش آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے کان، ناک، زبان کاٹ کر اور آنکھیں نکال کر منکھ کر دیا گیا۔ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علمِ اسلام کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس جنگ میں اہل ایمان میں سے ستر افراد سعادت اندوز شہادت ہوئے اور بعض جاں نثاروں نے ”حفاظتِ رسول“ کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے شہادت کا جام نوش فرمایا اُن میں سے ایک سیدنا زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ آپ ﷺ کی ڈھال بنے ہوئے تھے۔ جب دشمنوں کے تیروں سے شدید زخمی ہو کر زمین پر گرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”انہیں میرے قریب کر دو۔“ انہوں نے اپنا زخماں رسولِ اکرم ﷺ کے قدمِ مبارک پر رکھا اور اسی حالت میں اپنی جان، جان آفرین کے حوالے کر دی۔

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت، یہی آرزو ہے
اصحابِ رسول کے انہیں امتحانات، ابتلاؤں اور آزمائشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۃ الحجرات اعلان کرتی ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۳)

”بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے نیچی رکھتے ہیں۔
یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے امتحان لیا ہے۔ اُن
کیلئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔“

دیگر امتحانی سنٹرز:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امتحانات اور آزمائشوں کا موضوع خاصا طویل ہے اور حقیقت یہ
ہے جاں نثارانِ رسول ﷺ نے صفحہ تارخ پر اسلامی خدمات، وفاداری رسول اور فداکاری
کے ایسے انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں کہ آج کا مفاد پرست انسان اُن کے واقعات کو پڑھ کر
حیران ہوتا اور گروہ صحابہ کی سنہری خدمات پر انہیں خراج عقیدت پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔
۶ ہجری غزوہ خندق جس کا قرآنی نام غزوہ احزاب ہے۔ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کی قربانیوں، آزمائشوں اور امتحانات کا مطالعہ کیا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اُن
مقدس ہستیوں نے کس طرح اپنے عقیدے، رسول اکرم ﷺ اور اسلامی مملکت کی حفاظت
کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ دس ہزار کا لشکر جرار مدینہ طیبہ پر حملہ آور
ہونے کے لیے جمع ہے۔ غالباً اُس زمانے میں مدینہ طیبہ کی کل آبادی دس ہزار نہیں تھی.....
سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
اُن دنوں اس شہر رسول کے تین اطراف میں پہاڑ، نخلستان اور مکانات تھے جن میں سے
دشمنوں کے گزرنے کا امکان نہیں تھا صرف شمالی جانب کھلی تھی۔ جس طرف سے دشمن حملہ آور
ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس طرف تقریباً ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز گہری اور دس گز چوڑی خندق
کھودی گئی۔ تین ہزار مسلمانوں سے صرف چھ دن میں یہ فریضہ سرانجام دیا۔ رسول
محترم ﷺ نے اپنے مخلص رفقاء کو اس کام کی رغبت بھی دلائی اور بذاتِ خود عملی طور پر اس کام
میں شرکت بھی فرمائی۔ خادمِ مصطفیٰ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے جب
مہاجرین و انصار کو بھوک، پیاس اور تھکاوٹ کے باوجود خندق کی کھدائی میں مصروف دیکھا تو
انہیں دُعا دیتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

”اے اللہ یقیناً اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو انصار و مہاجرین کو بخشش عطا فرما دے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شوق و عقیدت کے ساتھ خندق کھودتے اور اپنے کندھوں پر مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے اور آپ ﷺ کے محبت بھرے الفاظ و اشعار کا یوں جواب دیتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِينَ بَا يُعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا
”ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد میں مصروف رہیں گے۔“

آپ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کے ان جذباتِ محبت کو سن کر جواباً فرمایا:
اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ
”اے میرے اللہ! بلاشبہ اصل بہتری تو آخرت کی بہتری ہے پس انصار و مہاجرین کو خیر و برکت نصیب فرما۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی گرم جوشی، شوق اور محبت سے حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے خندق کی کھدائی کا کام کر رہے تھے اور بھوک کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اہل ایمان نے اپنی پشتوں کو سیدھا رکھنے کے لیے پیٹوں پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران۔

شَكُونَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ وَرَفَعْنَا
عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَنْ حَجَرَيْنِ۔

(جامع ترمذی، کتاب الزہد، باب ما جاء في معيشة اصحاب النبي ﷺ)

”ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں سے کپڑا اٹھا کر آپ ﷺ کو ایک ایک پتھر دکھایا تو آپ ﷺ نے اپنا شکم کھول کر دو پتھر دکھائے۔“ اللہ اکبر۔

دراصل یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان تھا اور ممتحن خود رب کائنات تھا۔ کیونکہ قرآن حکیم اعلان فرما رہا ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾

”یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے امتحان لیا۔“

حضرات! اسی طرح آپ رسول کریم ﷺ کی سیرت مطہرہ میں سے غزوات و سرایا میں آپ ﷺ کے رفقاء، اصحاب اور ساتھیوں کی قربانیوں، خدمات اور ابتلاؤں کا تذکرہ پڑھتے جائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام اصحاب رسول کی ساری زندگیاں دراصل امتحانات میں ہی گزری ہیں۔

☆ مقام حدیبیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشکل ترین امتحانی سنٹر کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ غزوہ خیبر کی تفصیلات کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ ”خیبر“ بھی بڑا مشکل امتحانی سنٹر تھا۔

☆ فتح مکہ کے موقع پر اصحاب رسول کیلئے آپ ﷺ کے احکام سخت ترین امتحان تھا۔

☆ باغات و فصلات کی کٹائی کے وقت اور شدید گرمی کے موسم میں ”غزوہ تبوک“ کی تیاری اور روانگی کا اعلان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے بہت بڑا امتحان تھا۔

الغرض رفقاء رسول کی حیات و خدمات اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ ان کی زندگیاں امتحانات میں بسر ہوئیں اور قرآن مجید گواہ ہے کہ بتوفیق اللہ تعالیٰ وہ تمام امتحانات میں کامیاب، کامران اور سرخرو ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں انعامات، عنایات اور نوازشات کا مستحق قرار دیتے ہوئے اعلان فرمایا کہ۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

”یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے امتحان لیا۔ اُن کیلئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔“

نتائج کا اعلان اور انعامات:

ہماری ان گزارشات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

نے نبی اکرم ﷺ کے رفقاء عظام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف قسم کی آزمائشوں، ابتلاؤں اور مصائب و مشکلات میں مبتلا کر کے ان کے ایمان، تقویٰ، خلوص، عقیدے، عقیدت اور محبت رسول کا امتحان لیا۔ ہاں۔ صحابہ کرام کا امتحان لیا گیا کہ۔

☆ دہکتے کوئلوں اور تپتی ریت پر لٹا کر امتحان لیا گیا۔

☆ والدین سے جدا کر کے امتحان لیا گیا۔

☆ ہجرت کروا کے امتحان لیا گیا۔

☆ جوان بچے ذبح کروا کے امتحان لیا گیا۔

☆ خائیں قربان کروا کے امتحان لیا گیا۔

☆ نیزے لگوا کے امتحان لیا گیا۔

☆ زخمی کروا کے امتحان لیا گیا۔

☆ بچوں کے فراق میں مبتلا کر کے امتحان لیا گیا۔

☆ مہاجرین کی خدمت کروا کے امتحان لیا گیا۔

☆ بیویاں چھڑوا کے امتحان لیا گیا۔

☆ مال لٹوا کے امتحان لیا گیا۔

☆ پھانسی پہ چڑھوا کے امتحان لیا گیا۔

☆ تیر چبھوا کے امتحان لیا گیا۔

☆ شہادت دلوا کے امتحان لیا گیا۔

الغرض آزمائش اور ابتلاء کا ہر طریقہ آزما کے امتحان لیا گیا۔ مگر..... قربان جائے!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کہ انہوں نے امتحانات کی تمام اقسام، سوالات کے تمام اجزاء اور آزمائشوں کے تمام طریقوں میں اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔ یہاں تک کہ رب کائنات نے قرآنی آیات میں صحابہ کرام کے امتحانات کے نتائج کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجِئْتِ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٣١﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا
أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَآ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣٢﴾ (٩/التوبہ: ۲۰-۲۲)

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجے میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اُن کا پروردگار اُن کو اپنی طرف سے رحمت، رضا مندی اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے کہ وہاں اُن کیلئے ہمیشہ رہنے والی نعمت ہے۔ وہ اُس میں ابد تک ہمیشہ رہیں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔“

آپ ان تین آیات مبارکات کے ایک ایک لفظ اور اُس کے ترجمے پر غور فرمائیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے امتحان اور اُن کے نتائج کا اعلان ہو رہا ہے۔ پہلے چار طرح کے امتحان کا تذکرہ ہے۔

① اصحاب رسول، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہیں اور ایمان قبول کرنے والوں کو جن امتحانات سے گزرنا پڑا اس کی ایک جھلک آپ سماعت فرما چکے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں سعادت اندوز اسلام ہونے والوں کے کیسے کیسے امتحانات ہوئے۔

② صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والے ہیں۔ ہجرت بذات خود ایک بہت بڑا امتحان ہے اور بعض مہاجرین کو تو ایسے مصائب برداشت کرنے پڑے کہ اُن کے اہل و عیال کو اُن سے چھین لیا گیا۔ مال و دولت پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور بے یار و مددگار گھروں سے نکال دیا گیا۔

③ اپنے مالوں کے ذریعے جہاد کرنے والے..... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے مالی قربانی کی ایسی مثالیں پیش فرمائیں کہ اُن کی مالی خدمات کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ انہوں نے بسا اوقات اپنے گھر کا سارا سامان لا کر خدمت نبوی میں پیش کر دیا۔

④ اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے..... صحابہ کرام کے اس جذبہ صادقہ کی چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہیں کہ کس طرح انہوں نے بصد خوشی اسلام اور صاحب اسلام پر اپنی جانیں نچھاور کیں۔

اب تذکرہ امتحانات کے بعد نتائج کا اعلان سنئے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
تمام صحابہ کرام ان امتحانات میں کامیاب، کامران اور پاس قرار پائے۔

﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾

صرف پاس ہی نہیں ہوئے بلکہ اول درجے، فرسٹ ڈویژن بلکہ سو فی صد نمبر لے کر کامیاب ہوئے۔ اَعْظَمُ دَرَجَةٍ عِنْدَ اللَّهِ ط

انہوں نے صرف سو فی صد نمبر ہی حاصل نہیں کیے بلکہ تمام صحابہ کرام انعامات کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے لیے انعامات کا اعلان فرماتا ہے کہ انہیں چھ قسم کے انعامات سے نوازا جائے گا۔

(1) اللہ تعالیٰ کی رحمت (2) رضائے الہی (3) جنّات (کئی طرح کی جنتیں) (4) ہمیشہ

کے لیے جنت کی نعمتیں (5) ابدی اور دائمی جنتی زندگی۔ (6) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا اجر۔

کون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم؟

کسی اُردو شاعر نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعارف اور اُن کے امتحانات و انعامات کا بڑا خوب صوت تذکرہ کیا ہے کہ:

خدا اور نبی کے وفادار بندے

یتیموں، بیواؤں کے غم خوار بندے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے

خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے

مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اسلام کا زمانہ پہ سیکہ بٹھا دیا

اپنی مثال آپ ہیں یارانِ مصطفیٰ

اور تمام صحابہ کرام کا عقیدہ، نظریہ، فکر، سوچ، احساس، خیال اور عمل یہ تھا کہ:

میرے ہزار دل ہوں تصدّق حضور پر

میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ
رشتہ میرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے
چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامانِ مصطفیٰ
اللہ تعالیٰ اصحاب رسول کے درجات اور زیادہ بلند فرمائے۔ آمین۔

اگر بنظر غائر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و فضیلت پر غور کیا جائے تو اُن کے اعزازات، امتیازات خصوصیات اور اُن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات، احسانات اور نوازشات کو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کا اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہوگا کہ:

- ☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درس گاہ..... بیت اللہ
- ☆ اُن پاکیزہ نفوس کے استاذ گرامی..... محمد رسول اللہ
- ☆ جماعتِ صحابہ کا نصاب..... کتاب اللہ
- ☆ انہیں اللہ تعالیٰ نے لقب دیا..... حزب اللہ
- ☆ اُن کا امتحان لینے والا..... خود، اللہ
- ☆ اُن کے امتحانات کا نتیجہ..... رضی اللہ
- ☆ جو اُن کی عظمت کا اعتراف کرے وہ..... رحمۃ اللہ..... اور.....
- ☆ جو انہیں برا جانے..... اُس پر..... لعنۃ اللہ۔

اُن مقدس ہستیوں کے ہمیشہ یہی جذبات، خیالات، احساسات اور نظریات رہے کہ
اے مولائے کریم!

نہ ہم سیم و زراے خدا مانگتے ہیں نہ ہستی شوکت نما مانگتے ہیں
فقط ایک تجھ سے دُعا مانگتے ہیں محمد کے در کی قضا مانگتے ہیں
کوئی اپنی غربت پہ رہتا ہے پر ہم کسی کو طلب جاہ و حشمت کی ہر دم
کوئی مائلِ شان و شوکت مگر ہم مدینے میں تھوڑی سی جا مانگتے ہیں
کوئی جانے کیا ہم کیا مانگتے ہیں
خدا سے حبیبِ خدا مانگتے ہیں

ممتحن کے تاثرات:

سورة الحجرات کی زیر خطبہ آیت طیبہ سے یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ مختلف مواقع پر صحابہ کرام کی مقدس جماعت کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا اور ہر امتحان میں انہیں کامیاب و کامران پایا اور ان کے لیے انعامات و عنایات کے اعلانات بھی فرمائے۔ آئیے! آخر میں جماعت صحابہ کے ممتحن یعنی اللہ رب العالمین سے اس مثالی جماعت کے بارے میں اس کے تاثرات جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ کے شاگردوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآنَ لَهُمُ الْجَنَّةُ ۖ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾ (۹/ التوبة: ۱۱۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان (صحابہ کرام) سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتے تو کبھی (دشمنان اسلام کو) قتل کرتے اور کبھی قتل کیے جاتے ہیں (یعنی مرتبہ شہادت پر فائز ہو جاتے ہیں) یہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ وعدہ ہے (کہ انہیں ضرور جنت عطاء فرمائے گا) تورات میں، انجیل میں اور قرآن مجید میں۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنا وعدہ ایفاء کرنے والا کون ہے؟ لہذا (اے اہل ایمان) تم اپنے اس سوزے پر خوش ہو جاؤ، جو تم نے اللہ تعالیٰ سے سودا کیا ہے (کہ اپنی جانیں اور اپنے مال اُسے دے کر بدلے میں جنت لے لی ہے) اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

اس سے اگلی آیت طیبہ کے الفاظ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پڑھنے والے پر وجد طاری ہو جاتا ہے کہ اللہ رب العالمین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے تاثرات کیسے خوب صورت کلمات میں بیان فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے میرے محبوب کی جماعت کے تمام ارکان

ایسے ہیں کہ:

﴿التَّائِبُونَ الْعِبَادُونَ السَّائِحُونَ الرَّكَعُونَ السَّجِدُونَ
الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (۹/توبہ آیت: ۱۱۲)

”(۱) توبہ کرنے والے (۲) عبادت کرنے والے (۳) (اللہ تعالیٰ کی) حمد کرنے والے (۴) روزے رکھنے والے (۵) رکوع کرنے والے (۶) سجدے کرنے والے (۷) نیکی کا حکم کرنے والے (۸) برائی سے روکنے والے (۹) اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرنے والے۔ (اے رسول ﷺ) (۱۰) ایمان والوں (یعنی تمام صحابہ کرام) کو خوشخبری سنا دیجئے۔“

کہ ہم نے انہیں بخش دیا اور اجر عظیم یعنی جنت الفردوس نصیب فرما دیا ہے۔ سورۃ الحجرات کا یہی اعلان ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَوْصَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

”بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے امتحان لیا ہے۔ ان کیلئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔“

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

گستاخانِ رسول کا انجام

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
 ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۳-۵)

”بلاشبہ وہ لوگ جو آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر بے عقل ہیں اور اگر بے شک وہ صبر کرتے یہاں تک آپ خود ہی اُن کی طرف نکلتے تو اُن کیلئے بہتر ہوتا، اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

ہر قسم کی حمد و ثناء اور تعریفات و تسبیحات کے لائق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہے جو حقیقی و قیوم اور وحدہ لا شریک ہے۔ جس ذات کبریٰ نے انسان کو عدم سے وجود میں لا کر اپنی تمام مخلوقات میں سے افضل و اشرف اور احسن بنایا ہے اور کائنات ہست و بود کی تمام اشیاء انسانی خدمت کیلئے تخلیق فرمائیں جبکہ انسان کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾ (۵۱/ الذاریات: ۵۶)

”اور جنوں اور انسانوں کو تو میں نے صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔“

ہر قسم کی زبانی، جسمانی اور مالی عبادات کا مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی قسم کی کوتاہی، سستی اور غفلت کا مظاہرہ نہ کرے اور عبادت صرف نماز، روزے، زکاۃ اور حج کا ہی نام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ اہل ایمان کے تمام معاملات و معمولات اللہ رب العزت کے احکام کے مطابق و موافق ہونے چاہیے۔ اگر ہماری تمام حرکات و سکنات خالق ارض و سماء کے حکم اور

رسول اکرم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کے مماثل ہوں گی تو ہمارا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا، آنا جانا، کمانا اور خرچ کرنا، بیوی بچوں کی کفالت کرنا بلکہ سونا اور جاگنا بھی عبادت شمار ہوگا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کی طرف سے بے شمار و بے حساب اور ان گنت ولا تعداد درود سلام اور برکات نازل فرمائے سرور کونین، سید الثقلین، امام القبلتین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر جو اللہ تعالیٰ کے آخری، برگزیدہ اور محبوب، پیغمبر، نبی اور رسول ہیں جن کی اطاعت و اتباع اور ادب و احترام کی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بار بار تاکید فرمائی ہے اور آپ ﷺ کے نافرمان اور بے ادب کو سخت وعید سنائی ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ
اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

پیارے پیارے ناموں والا

اچھے اچھے کاموں والا

جنت کے انعاموں والا

مرسل برحق، نازش آدم

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رابط خطبات:

اللہ تبارک و تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور خصوصی انعام و احسان کی بدولت قرآن حکیم کے چھبیسویں پارے کی سورۃ الحجرات کی تشریحات و تعبیرات کا چھٹا خطبہ جمعہ ہے۔ اور خطبہ جمعہ کی ان بابرکت گھڑیوں میں ان شاء اللہ العزیز اس سورۃ مبارکہ کی آیت نمبر چار اور پانچ کی تفسیر و توضیح عرض کرنے کا ارادہ ہے۔ گزشتہ پانچ خطبات جمعات میں بحمد اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ کی ذات، بات اور نام کے آداب و احترامات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ احترام

رسالت اور اُن کے امتحانات و انعامات اور تقویٰ کی اہمیت و ضرورت اور فوائد ثمرات کے موضوعات سے آپ واقفیت حاصل کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ساتھ ہماری عقیدت، محبت اور تعلق کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

حضرات! قرآن حکیم کا یہ اسلوب دعوت، اندازِ موعظت اور طریقہ نصیحت ہے کہ اس میں اکثر مقامات پر تصویر کے دونوں رخ دکھائے جاتے ہیں۔ جہاں جنت کا ذکر ہوتا ہے، وہاں جہنم کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔ جس مقام پر اہل ایمان کے فضائل بیان ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی کافروں کے رذائل بیان کئے جاتے ہیں اور جس جگہ مخلصین کے امتیازات و اعزازات کا موضوع آیا ہے۔ اُسی جگہ منافقین کی نشانیاں اور علامات کا موضوع بیان ہوا ہے۔ جہاں اعمال صالحہ کے فوائد و ثمرات کی آیات ہیں وہاں ہی اعمال سیئہ کے نتائج و نقصانات کی بھی آیات ہیں۔ الغرض، قرآن عزیز میں، نیکی اور بدی کا تذکرہ..... جنت اور دوزخ کا تذکرہ..... اچھوں اور بروں کا تذکرہ..... مسلمانوں اور کافروں کا تذکرہ..... اپنوں اور بیگانوں کا تذکرہ..... حق اور باطل کا تذکرہ..... مشرکوں اور موحدوں کا تذکرہ..... کافروں اور مسلمانوں کا تذکرہ..... سنت اور بدعت کا تذکرہ..... اور..... اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان کا تذکرہ..... ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ آئیے! قرآن مجید کے صرف ایک مقام کی آیات پر غور کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت کافروں، بد عملوں اور نافرمانوں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۖ﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا ۚ ذَٰلِكَ جزَاؤُهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٨﴾ (الکہف: ۱۰۳-۱۰۶)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ فرما دیجئے کیا ہم آپ کو اعمال کے اعتبار سے زیادہ خسارہ پانے والوں کی خبر دیں؟ وہ لوگ کہ اُس کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئی۔ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی

لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اُس کی ملاقات کا انکا کیا۔ تو اُن کے اعمال برباد ہو گئے۔ پس ہم قیامت کے دن اُن کیلئے کوئی وزن (ترازو) قائم نہیں کریں گے۔ یہ اُن کے کفر کرنے کی وجہ سے اُن کی سزا جہنم ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔“

آپ نے ان آیات کے الفاظ اور ترجمے پر غور فرمایا کہ یہاں کافروں، نافرمانوں، بد عملوں، اللہ تعالیٰ کی آیات اور اُس کی ملاقات کے منکروں۔ احکام الہی اور آیات الہی کا مذاق اڑانے والوں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کی سزا، عذاب اور انجام کا ذکر فرمایا ہے۔ اب اس سے اگلی آیات پڑھیں تو اُن میں ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کی جزا، صلے اور بدلے میں جنت عطاء فرمائے جانے کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝﴾

﴿الکہف: ۱۰۷ تا ۱۰۸﴾

”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو ان کے لیے بطور مہمانی فردوس کے باغات ہوں گے (یعنی انہیں اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ جنت۔ جنت الفردوس۔ عطا فرمائے گا) وہ اُس (جنت الفردوس) میں ہمیشہ رہیں گے۔ (اور) وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے۔“ سبحان اللہ۔

اللہ رحیم و کریم پس مرگ ہم سب کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین۔
قرآن حکیم کے صرف ایک مقام سے چھ آیات کی تلاوت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن حکیم کے اکثر مقامات پر دونوں گروہوں کا اکٹھا ذکر کیا جاتا ہے۔
با ادب اور بے ادب:

اسی اصول، ضابطے، قانون اور طریق کار کے مطابق سورۃ الحجرات کی تیسری آیت میں جب رسول اکرم ﷺ کا ادب، عزت، احترام، تکریم، توقیر، اور تعظیم کرنے والے سعادت مندوں، خوش نصیبوں اور نیک بختوں کا تذکرہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر کئے جانے

والے انعامات و احسانات اور عنایات و نوازشات کا ذکر آیا تو اس کا لازمی تقاضا تھا کہ ان بد بختوں، بد نصیبوں اور بد قسمتوں کا بھی تعارف کروایا جائے جو محبوب خدا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت، ادب اور احترام نہیں کرتے اور اُن کے انجام و سزا سے بھی آگاہ کیا جائے۔ پچھلے خطبہ جمعہ اور آج کے خطبہ کی آیات ملا کر پڑھیں تو قرآن حکیم کے اسلوب دعوت کا بھی اندازہ ہو جائے گا اور رسول محترم ﷺ کا ادب کرنے والوں کی جزا اور آپ ﷺ کا احترام نہ کرنے والوں کی سزا کے موضوعات بھی سامنے آ جائیں گے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

”یقیناً جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں (یعنی آپ ﷺ کا ادب و احترام بجالاتے ہیں) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے جانچ لیا ہے۔ اُن کیلئے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔ بلاشبہ جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں اُن میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے (یعنی آپ ﷺ کا انتظار کرتے۔ آپ کو آوازیں نہ دیتے اور خاموشی اختیار کرتے) تو اُن کیلئے بہتر تھا۔ (اب چونکہ وہ مسلمان ہو چکے۔ ایمان قبول کر چکے اور احترام رسول کا وعدہ کر چکے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی پچھلی غلطیوں، گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرما دیا ہے) اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

ان آیات میں ادب رسالت کا التزام کرنے والوں کو تین بشارات دی گئی ہیں۔

- ① اُن کے قلوب کا امتحان لے کر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو تقویٰ کیلئے خاص کر دیا ہے۔
- ② اُن کے تمام گناہ، خطائیں اور غلطیاں معاف کر دی گئی ہیں۔
- ③ اُن کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم یعنی بہت بڑا اجر ہے اور وہ ”جنت“ ہے۔

اگر قرآن کریم کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو گستاخانِ رسول کیلئے بھی تین طرح کے عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ احزاب میں فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۵۷)

”بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ اُن پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت نازل فرمائی ہے۔ اور اُن کیلئے اُس نے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات، صفات، کمالات، اختیارات، تصرفات اور عبادات میں شرک کیا جائے اور رسول اکرم ﷺ کو تکلیف دینے، ایذا پہنچانے اور اذیت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی، بے ادبی اور بدتمیزی کی جائے۔ آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا، نامناسب اور برے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ ایسے برے لوگوں کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

① اُن پر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوئی ہے۔

② یومِ آخرت بھی اُن پر لعنت خداوندی نازل ہوگی اور وہ ملعون قرار دیئے جائیں گے۔

③ اللہ تعالیٰ نے گستاخانِ رسول کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یعنی باادب لوگوں کیلئے تین انعامات و احسانات اور بے ادب انسانوں کیلئے تین طرح کا عذاب۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبوب ﷺ کا دلی احترام، ادب اور اطاعت کرنے والوں میں شامل فرمائے۔ آمین۔

شانِ نزول:

سورۃ الحجرات کی ان آیات طیبات کے پس منظر اور شانِ نزول کی طرف ہم پچھلے کسی خطبہ میں اشارہ کر آئے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مدنی زندگی میں ایک مرتبہ عرب کے معروف قبیلے۔

”بنو تمیم کا ایک وفد مدینہ طیبہ میں آیا جو ستر یا اسی افراد پر مشتمل تھا۔ اس وفد کی

مدینہ آمد کا اصل مقصد رسول محترم ﷺ سے ملاقات اور آپ کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا جب یہ لوگ دربار نبوی میں زیارت رسول ﷺ کیلئے حاضر ہوئے اُس وقت آپ ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ میں قبول فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کا انتظار کرنے کی بجائے باہر کھڑے ہو کر صدائیں لگانا اور آوازیں دینا شروع کر دیں۔ یا مُحَمَّدُ اُخْرِجْ عَلَيْنَا۔ اے محمد (ﷺ) ہمارے پاس باہر آؤ۔ ہماری بات سنو اور ہمارے ساتھ ملاقات کرو۔ اس طرح انہوں نے تین بار آپ ﷺ کا ذاتی نام لے کر بلند آواز سے آپ کو آوازیں دیں۔

جب آپ ﷺ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف آئے تو انہوں نے اپنے قبائلی تقاخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

((يَا مُحَمَّدُ اِنَّ مَدَحَنَا زَيْنٌ وَّ اِنَّ شَتْمَنَا شَيْنٌ نَحْنُ اَكْرَمُ الْعَرَبِ))
اے محمد! ہماری عزت و عظمت کا عالم یہ ہے کہ ہم جس کی مدح و تعریف کر دیں وہ معاشرے کا معزز فرد بن جاتا ہے اور جس کی ہم مذمت کر دیں اُسے لوگ معیوب گردانتے ہیں اور عرب معاشرے میں ہم سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔
آپ ﷺ نے اُن کی متکبرانہ، مفتخرانہ اور مغرورانہ باتیں سن کر نہایت متانت اور سنجیدگی سے فرمایا:

((كَذَبْتُمْ بَلْ مَدْحُ اللَّهِ تَعَالَى الزَّيْنُ وَ شَتْمُهُ شَيْنٌ وَاَكْرَمُ مِنْكُمْ يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ))

تم جھوٹ بول رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ستائش ہی کسی کو معزز بناتی ہے اور اسی کی مذمت سے آدمی حقیر و مقہور ہو جاتا ہے۔ اور سیدنا یوسف علیہ السلام تم سے زیادہ معزز اور مکرم تھے۔ (جناب یوسف علیہ السلام کے ذکر خیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم خاندان یوسف سے تعلق رکھتا تھا)۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر انہوں نے کہا کہ اے محمد! ہم تو آپ کے پاس

مفاخرت یعنی فخر و غرور میں غلبہ حاصل کرنے کیلئے مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ لہذا آپ ہمارے خطیب اور شاعر کو اجازت دیں کہ وہ نظم و نثر میں ہمارے خصائل و فضائل بیان کرے۔ آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی تو ان کا بہت بڑا خطیب، جس کا نام ”عطارد“ تھا..... کھڑا ہوا اور پر جوش تقریر میں بنو تمیم کی خوبیاں، خصائص اور اوصاف بیان کئے۔ آپ ﷺ نے اپنے شاگرد رشید سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ..... جن کا ذکر خیر اسی سورت کے تیسرے خطبے میں ہو چکا ہے کہ ان کی آواز قدرتی طور پر بڑی بلند تھی اور وہ بڑے فصیح و بلیغ خطیب اور مقرر تھے..... کو حکم دیا کہ وہ ”عطارد“ کی تقریر کا جواب دیں۔ جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بڑے ادیبانہ، بلیغانہ اور خطیبانہ انداز میں امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق کریمانہ، حسب و نسب، عظمت و فضیلت اور مناقب و محامد کا تذکرہ فرمایا۔ نیز رفقاء رسول انصار و مہاجرین کی خدمات جلیلہ اور قربانیوں کا ایسا نقشہ کھینچا کہ سننے والے دھنگ رہ گئے اور بنو تمیم سہم گئے۔

پھر بنو تمیم نے اپنے شاعر ”زبرقان“ کیلئے اجازت طلب کی کہ وہ بھی کچھ کہنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے کمال فراخ دلی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے بھی اجازت دے دی۔ اُس نے کھڑے ہو کر اپنی قوم کی مدح و ستائش میں ایک قصیدہ پڑھا تو آپ ﷺ نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم بھی کچھ کہو۔ چنانچہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ اشعار میں اسلام کی صداقت و حقانیت، نبی اکرم ﷺ کے امتیازات و خصوصیات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبہ ایثار کو ایسے خوب صورت پیرائے میں بیان کیا کہ وفد کے ارکان کا دماغ ٹھکانے آ گیا اور ہر قسم کا فخر و غرور کا فور ہو گیا۔ آخر کار انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ رسول اللہ ﷺ کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل ہے۔“

(فریقین کے خطباء کی تقاریر اور شعراء کے اشعار سیرۃ النبی لابن ہشام کے باب نمبر ۱۶۴ میں درج ہیں شائقین وہاں سے مطالعہ فرمائیں)

اس مباحثے اور مذاکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنو تمیم کے وفد کے تمام ارکان کو قبول اسلام کی سعادت نصیب فرمائی اور انہوں نے رسول رحمت ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے حلقہ اسلام میں داخلے کا شرف کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کیلئے انہیں احترام رسول اور ادب رسالت کا درس دیتے ہوئے فرمایا۔

(تفسیر روح المعانی سورۃ الحجرات آیت ۴)

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

”بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بے سمجھ و بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے تو ان کیلئے بہتر تھا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا از حد مہربان ہے۔“

ان آیات میں بنو تمیم کے وفد کی غیر شائستہ حرکت پر سرزنش کرنے کے بعد آئندہ کیلئے آپ ﷺ کے آداب و احترامات کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا اور رسول پاک ﷺ کی شان اقدس میں معمولی قسم کی گستاخی سے بھی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

عتیبہ بن ابی لہب:

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اس امر کی وضاحت اور صراحت کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص قصدًا، ارادۃً اور جان بوجھ کر محسن انسانیت جناب محمد کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ دنیا اور آخرت میں سخت سزا اور عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ قرآن مجید، احادیث مبارکات اور تاریخ اسلام میں کئی ایسے بد بختوں اور بد نصیبوں کا تذکرہ ملتا ہے جنہیں گستاخی رسول کی پاداش میں ذلیل و رسوا کر کے نیست و نابود کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ٹھکانے لگانے کا بندوبست فرما دیا۔ انہیں گستاخان رسول میں سے ایک سرکارِ دو عالم ﷺ کا تیا زاد ”عتیبہ بن ابی لہب“ ہے۔

حضرات! یہ اپنے نصیب اور قسمت کی بات ہے کہ آپ ﷺ کے ایک تیا محترم سیدنا

عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے کی بدولت شرف صحابیت سے مشرف ہوئے اور زبان رسالت نے اُن کے بارے میں فرمایا ”یہ میرا تایا ہے مگر، صِنُوْا بَنی، میرے لیے میرے باپ جیسا قابل احترام ہے۔“ اور انہیں کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کے وقت دربار الہی میں دعاء کی کہ ”اے مولائے کریم“ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن حکیم کا علم نصیب فرمادے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک تایا زاد بھائی نے دعاء رسول کی بدولت مفسر قرآن، معلم قرآن اور قاری القرآن کا اعزاز حاصل کیا جبکہ دوسرے تائے ابولہب کے بیٹے عتیبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ستایا کہ آپ نے اس کیلئے ”بددعاء“ کر دی اور وہ ذلیل و رسوا کر ایک درندے کی چیز پھاڑ کے بعد جہنم رسید ہو گیا۔ استغفر اللہ۔

مشہور مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عساکر کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ۔

”ابولہب اور اُس کا بیٹا عتیبہ (اصل کتاب میں عتبہ لکھا ہے مگر درست عتیبہ ہی ہے) شام جانے کیلئے سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ عتیبہ نے کہا۔
وَاللّٰهِ لَا نَطْلُقَنَّ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَلَا ذِیْنَهٗ فِیْ رَبِّہٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی
حَتّٰی اَتٰی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللّٰہ کی قسم! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جا رہا ہوں تاکہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اسے اور اُس کے رب کو گالیاں دے آؤں۔ چنانچہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہیں اور تمہارے خدا کو نہیں مانتا بلکہ انکار کرتا ہوں۔ تم میرا جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو۔ (بعض کتب سیرت میں ہے کہ اس بد بخت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بار بار گستاخی کی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تھوکنے کی بھی کوشش کی۔ اس ظالم و بد قسمت کی اس حرکت قبیحہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل از حد غمگین اور پریشان ہوا اور اس غم کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نبوت سے اس کیلئے بددعا نکل گئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربار الہی میں عرض کی۔ اَللّٰہُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِکَ۔ اے میرے اللہ! اس پر اپنے درندوں میں سے ایک

دردہ مسلط فرما دے۔ (مظلوم نبی کی زبان سے نکلی ہوئی بددعا ساتوں آسمانوں کو چیرتی ہوئی عرش الہی سے ٹکرائی اور درجہ قبولیت حاصل کر گئی۔) جب عتیبہ نے واپس آ کر ساری کارروائی اپنے باپ ابولہب کو سنائی تو اُس نے حسرت و یاس سے کہا۔ بیٹے! اب تو مجھے تیری جان کا خطرہ ہے کیونکہ اس (محمد ﷺ) کی بددعا رائیگاں نہیں جائے گی۔“

حضرات! لمحہ بھر کیلئے رکیے، غور فرمائیے کہ ابولہب، دشمن رسول ہے۔ مخالف پیغمبر ہے اور اس ظالم نے مکی زندگی میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ ستایا اور دکھ پہنچایا ہے مگر اسے زبان رسالت سے نکلے ہوئے الفاظ پر کتنا یقین ہے کہ بیٹے کو کہہ رہا ہے۔ کہ اب تو زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ محمد (ﷺ) کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ رائیگاں نہیں جائیں گے بلکہ اس کی بددعا تیرے لیے جان لیوا ثابت ہوگی۔

سوچئے غور فرمائیے اور اپنے دلوں کو ٹٹولئے کہ کیا ہمیں فرمان رسول، ارشاد پیغمبر اور حدیث نبوی پر ایسا اعتماد اور یقین ہے۔ کہ آپ ﷺ نے جو فرمایا۔ وہ حق ہے۔ سچ ہے۔ سارا جہان غلط ہو سکتا ہے مگر امام دو جہاں کی زبان اقدس سے نکلا ہوا ایک لفظ غلط نہیں ہو سکتا۔ اگر زبان رسالت پر اعتماد ہے تو پھر رسول پاک کی نافرمانی کیوں؟ حدیث رسول سے روگردانی کیوں؟ پھر ہمارا ایمان، ایقان اور اعلان یہ کیوں نہیں ہے کہ:

مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس میں یہ صفائی ہو

ادھر فرمان محمد ہو، ادھر گردن جھکائی ہو

اب سنیے گستاخ رسول کا انجام، عتیبہ کی سزا اور دشمن رسول کی عبرت ناک موت کا حال:

”یہ تجارتی قافلہ مکہ معظمہ سے شام کی طرف ہوا اور سرزمین شام میں ایک عیسائی

پادری کے عبادت خانے کے قریب پڑاؤ کیا۔ اس مقام کا نام۔ ”زرقاء یا

سراة“ ہے، رات کا وقت ہے نہ آگے جاسکتے ہیں نہ پیچھے۔ راہب نے تجارتی

قافلے کو اترتے دیکھا تو اُن سے کہا۔ یَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ مَا أَنْزَلَكُمْ هَذِهِ

الْبِلَادَ فَإِنَّهَا يَسْرُحُ الْأَسَدُ كَيْ تَسْرُحُ الْغَنَمُ۔ اے عربوں کی جماعت!

تم اس جگہ پر کیوں اتر رہے ہو۔ یہاں تو بھیڑیے اتنی کثرت سے پھرتے ہیں جیسے بکریوں کے ریوڑ۔ مگر قافلے کیلئے یہاں ٹھہرے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب ابولہب کو رسول محترم ﷺ کی بددعا یاد آگئی۔ اُس نے تمام قافلے والوں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ۔ اِنَّكُمْ قَدْ عَرَفْتُمْ كِبَرَ سِنِّي وَحَقِّي وَانَّنْ هَذَا الرَّجُلُ قَدْ دَعَا عَلَيَّ ابْنِي دَعْوَةً وَاللّٰهِ مَا اَمْنُهَا عَلَيْهِ۔ یقیناً تم میرے بڑھاپے کا حال جانتے ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میرے تم پر کچھ حقوق ہیں۔ اُس شخص (محمد ﷺ) نے میرے بیٹے کیلئے بددعا کی ہوئی ہے اور مجھے اس کی جان جانے کا خطرہ ہے۔ لہذا میری درخواست قبول کرو۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اپنا سارا سامان اس عبادت خانے کے قریب جمع کر کے اونچا ڈھیر لگاؤ اور اُس ڈھیر کے اوپر میرے بیٹے کو سلا دو (تاکہ کوئی درندہ اونچے ڈھیر پر چڑھ نہ سکے) اور تم سب اس کے ارد گرد اپنے بستر لگا لو تاکہ اس کی حفاظت ہو سکے۔ تمام لوگوں نے ابولہب کی بات کو قبول کر لیا۔ اور سامان کا ڈھیر لگا کر درمیان میں عتیبہ کو سلا دیا اور تمام لوگ اُس کے ارد گرد لیٹ گئے اور چند افراد کو پہرے دار بھی مقرر کر دیا گیا۔

رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو اچانک ایک شیر آیا اور باری باری سب کے منہ سونگھنے لگا، جب سب کے منہ سونگھ کر فارغ ہو گیا اور اُسے اس کا شکار نہ ملا تو پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا اور صورت حال کا بغور جائزہ لینے کے بعد زور سے چھلانگ لگا کر سامان کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ وہاں جا کر عتیبہ کا منہ سونگھا اور اُسے چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب قافلہ والوں نے یہ خوفناک منظر دیکھا تو ابولہب پکارا اٹھا کہ قَدْ عَرَفْتُ اَنَّهُ لَا يَنْفِلْتُ عَنْ دَعْوَةِ مُحَمَّدٍ۔ مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ یہ محمد (ﷺ) کی بددعا کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔“

(تفسیر ابن کثیر۔ سورۃ نجم آیت ۷)

گستاخ مصطفیٰ عتیبہ کی عبرتناک، خوفناک اور وحشت ناک موت سے اللہ تعالیٰ کا

فرمان پورا ہو گیا کہ۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ

لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝﴾ (الاحزاب: ۵۷)

”بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے (یعنی شان رسالت میں گستاخی کرتے) ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اُس نے اُن (بد نصیبوں) کیلئے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

گستاخ رسول..... ابو لہب:

نبی مکرم، رسول معظم، رحمت مجسم، امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی مکی زندگی میں آپ ﷺ کو بہت زیادہ ستانے والوں، پریشان کرنے والوں اور آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں میں سرفہرست ”ابو لہب“ تھا (اس کا اصل نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے)۔ یہ سرور کونین ﷺ کا حقیقی تایا اور قریبی ہمسایہ تھا۔ انتہائی حسین و جمیل اور اس کے رخساروں کا رنگ سرخ سیب کی طرح دکھتا تھا۔ اسی وجہ سے ”ابو لہب“ کی کنیت سے مشہور تھا۔ بڑا مال دار مگر انتہائی کنجوس اور بخیل تھا۔ جب نبی محترم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو یہ بد بخت آپ ﷺ کی دشمنی، عداوت، مخالفت، مخالفت اور گستاخی کرنے میں پیش پیش رہتا تھا اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے، اذیت دینے اور پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

بعثت نبوی کے ابتدائی تین سال خفیہ تبلیغ میں صرف ہوئے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم

آیا کہ۔ ﴿وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

”اے رسول ﷺ! آپ اپنے قریبی عزیزوں کو (عذاب الہی سے)

دُرائیں۔“

اس حکم الہی کے مطابق رسول رحمت ﷺ نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے سربراہ اور وہ اور ذمہ دار لوگوں کو اپنے ہاں کھانے پر بلایا۔ کل پینتالیس (۴۵) افراد کا شانہ نبوی پر حاضر

ہوئے۔ آپ انہیں کھانا کھلانے کے بعد ”دعوت توحید“ پیش کرنا ہی چاہتے تھے کہ ابولہب فوراً بول اٹھا۔

”اے بھیجے یہ حاضرین تمہارے چچے اور چچا زاد بھائی ہیں۔ آپ ان سے جوابات کرنا چاہتے ہیں وہ کر لیں۔ مگر ایک بات یاد رکھیں کہ آپ کا خاندان سارے عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ نے جو کام شروع کر رکھا ہے اسے یہیں ختم کر دیں اور میں سب سے زیادہ حقدار ہوں کہ آپ کو اس کام سے روک دوں۔ آپ کے قبیلے اور قریبی رشتہ داروں کا فرض ہے کہ وہ آپ کو توحید کی دعوت عام سے منع کر دیں۔ اگر آپ اپنی بات پر قائم رہے تو قریش کے تمام قبائل آپ کے خلاف متحد ہو کر مقابلے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے اور عرب کے سارے لوگ ان کی تائید و حمایت کریں گے۔ اے میرے بھیجے! آپ جس فتنہ اور فساد کا پیغام اپنی قوم کے پاس لائے ہیں۔ اس جیسا فساد اور تباہی کا پیغام کوئی اپنی قوم کے پاس کبھی نہیں لایا۔“

ابولہب کی یہ مخالفانہ، شاطرانہ، متعصبانہ اور گستاخانہ گفتگو سن کر نبی اکرم ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور دوسرے لوگ بھی اٹھ کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ لہذا اس مجلس میں دعوت دین کی کوئی بات نہ ہو سکی۔ چند دنوں کی خاموشی کے بعد یا دوسرے ہی دن آپ ﷺ نے دوبارہ ایسی ہی محفل کے انعقاد کا پروگرام بنایا اور اپنے قرابت داروں کو پیغام بھیج کر اپنے گھر بلوایا۔ اکل و شرب سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے ان کے روبرو ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید، اپنی رسالت و نبوت اور آخرت کے موضوع پر کھل کر اظہار خیال فرمایا۔ اور آخر میں کہا: اے عبدالمطلب کی اولاد! میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس مجھ سے بہتر لائحہ عمل لے کر آیا ہو۔ یاد رکھو! میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی فلاح کا سامان لے کر آیا ہوں۔

سرور کونین ﷺ کی یہ پراثر اور پر مغز تقریر سن کر اکثر حاضرین نے معقول جواب دیا مگر سرور گرامی کا تائید گستاخ ابولہب پھر سخت بدتمیزی اور انتہائی غصہ کی حالت میں بولا۔ اسے فرزند ان عبدالمطلب! یہ محمد (ﷺ) تمہاری ذلت اور رسوائی کا سبب بنے گا۔ قبل اس کے کہ لوگ اس کی طرف بڑھیں۔ تم خود ہی اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ اگر تم نے اسے دوسروں کے حوالے کر

دیا تو تمہاری عزت خاک میں مل جائے گی۔ اور اگر تم نے اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی تو عرب کے لوگ تمہیں بھی نیست و نابود کر دیں گے۔ یہی وہ موقع ہے جب آپ ﷺ کے عم محترم جناب ابوطالب نے حاضرین کے سامنے آپ ﷺ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ مگر ابولہب ظالم نے کھلم کھلا مخالفت کی اور رسول پاک سے لوگوں کو دور رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

گستاخی کی انتہاء:

رسول پاک ﷺ نے جب سرزمین مکہ میں توحید کی دعوت کا آغاز فرمایا تو اسی بد بخت نے آپ ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت کی۔ اسلام اور صاحب اسلام سے اسے اتنا بغض اور عناد تھا کہ اکثر اوقات آپ کے پیچھے لگا رہتا اور ہر جگہ آپ کی تکذیب کرتا اور لوگوں کو آپ سے متنفر کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ تجارتی مراکز، بازاروں اور عوامی اجتماع کی جگہوں پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو درس توحید دیتے۔ یہ بد بخت ہر جگہ آپ کے پیچھے پہنچ جاتا اور سرور عالم ﷺ کی تقریر کے بعد چلا چلا کر اعلان کرتا کہ لوگو! یہ محمد میرا بھتیجا ہے۔ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس کی بات ہرگز نہ سنا بلکہ اس کے قریب بھی نہ جانا۔ یہ تمہیں آباؤ اجداد کے دین و مذہب سے برگشتہ کر کے گمراہ کرنا چاہتا اور اپنا مطیع بنانا چاہتا ہے۔ مختصر یہ کہ گستاخی رسول اور مخالفت مصطفیٰ میں اس بد بخت کا کردار بڑا نمایاں تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی مکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (۲۶/ الشعراء: ۲۱۳)

”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔“

اس ارشاد الہی کی تعمیل میں آپ ﷺ نے ایک جرأت مندانہ اقدام کرتے ہوئے ”کوہ صفا“ پہ چڑھ کر یا صَبَا حَاہ کی آواز لگائی۔ (عرب کا رواج تھا کہ کسی ناگہانی آفت کے موقع پر اس طرح کی آواز لگایا کرتے تھے) اور قریش کے ایک ایک قبیلے کا نام لے کر انہیں بلایا۔ ارشاد فرمایا۔

”يَا بَنِي فَهْرٍ يَا بَنِي عَدِيٍّ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ“ اے بنی فہر، اے بنی عدی،

اے عبد مناف کی اولاد! لوگوں نے جب رسول محترم کی زبان حق ترجمان سے یہ آواز سنی تو بھاگے ہوئے صفا پہاڑی کے دامن میں جمع ہو گئے۔ جو خود حاضر نہ ہو سکے انہوں نے حقیقت حال سے آگاہی کے لیے اپنے نمائندے بھیج دیے۔ جب سارے قریشی قبائل کے قابل ذکر اشخاص اکٹھے ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے اونچی جگہ کھڑے ہو کر فرمایا۔ ((لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِينَ)) اگر میں تمہیں بتلاؤں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کے لیے آرہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ ((قَالُوا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا)) تمام حاضرین نے بیک زبان جواب دیا۔ ہاں! ہم آپ کی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ کی تصدیق کریں گے۔ کیونکہ ہم نے جب بھی تجربہ کیا ہے تو آپ کو ہمیشہ سچ بولنے والا ہی پایا۔ اور ہم نے آپ کی زبان سے آج تک جھوٹ نہیں سنا.....“

سرکارِ دو عالم ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے مسلمانوں! کیا ہم میں سے کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ افسوس کہ ہم بازار میں جھوٹ بولتے ہیں۔ گھر میں غلط بیانی کرتے ہیں۔ دفتر میں جھوٹ لکھتے ہیں۔ مسجد میں کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ ”جھوٹ کے بغیر کاروبار نہیں چلتا۔“ ہمارے آقا ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے کہ مومن بزدل ہو سکتا ہے۔ بخیل ہو سکتا ہے مگر جو مومن ہو۔ وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور جو جھوٹا ہو وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ سچ بولنے۔ سچ لکھنے اور سچ کہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

میں عرض کر رہا تھا کہ تمام اہل مکہ نے باواز بلند اور بیک زبان گواہی دی کہ ہم نے محمد ﷺ کی زبان سے ہمیشہ سچ ہی سنا ہے۔ ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ اپنی ذات، بات اور کردار کے حوالے سے سردارانِ قریش سے گواہی لینے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيِ عَذَابٍ شَدِيدٍ)) یقیناً میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اگر تم نے شرک کا راستہ چھوڑ

کر توحید کی راہ نہ اپنائی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب سے نہ چھڑا سکے گی..... آپ ﷺ نے ابھی اتنی ہی بات کہی تھی کہ ابولہب یکدم تڑپ اٹھا اور انگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے بڑی بے ادبی اور گستاخی سے بولا۔ ((تَبَا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ الْهَذَا جَمَعْتَنَا))

سارا دن تم پر ہلاکت ہو۔ کیا تو نے ہمیں اس بات کے لیے جمع کیا تھا۔“
(صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ الشعراء۔ باب وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ)

ظاہر بات ہے کہ حقیقی چچا کی طرف سے یہ گستاخی، بے ادبی اور جارحیت رسول اکرم ﷺ کی طبع نازک پر ناگوار گزری تو اللہ تعالیٰ نے اس گستاخ رسول کا نام لے کر اس کی تباہی، بربادی اور ہلاکت کا اعلان فرما دیا۔ اور آپ ﷺ کے غمزہ قلب مبارک پر قرآنی آیات نازل فرما کر آپ کے لیے سکون اور راحت کا سامان فراہم فرما دیا۔ ارشاد ہوا.....

﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا اَخْفٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۚ سَيَصْلٰٓى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَامْرَاَتُهُ حٰثِلَةٌ بِالْحَطْبِ ۚ فِيْ جِيدِهَا حَبْلٌ ۚ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۶﴾

”ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ و برباد ہو۔ اسے اس کے مال اور کمائی (اولاد) نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھانے والی ہے اس کی گردن میں مضبوط بیٹی ہوئی مویج کی رسی ہوگی۔“

ابولہب کا نام کیوں؟

نبی اکرم، رسول معظم، سرور عالم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی مکی زندگی اور مدنی دور حیات میں آپ کے بہت سے دشمن، مخالف، گستاخ اور معاند تھے۔ مگر پورے قرآن حکیم میں، صرف ابولہب کا نام لے کر اس کی ہلاکت، بربادی اور تباہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بلکہ پوری سورت اس کی مذمت میں نازل فرمائی گئی ہے۔ دور حاضر کے نام ور محقق مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ اس کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

درج ذیل دو وجوہ کی بنا پر ابولہب کا جرم واقعی اتنا شدید تھا کہ قرآن کریم میں اس کا نام لے کر اس کی مذمت کی گئی۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت تو تھی نہیں۔ جہاں فریاد کی جاسکے۔ لے دے کر ایک قبائلی حمیت ہی وہ چیز تھی جو ایسے اوقات میں کام آتی۔ مظلوم شخص فوراً اپنے قبیلے کو دادرسی کے لیے پکارتا تھا اور پورا قبیلہ اس کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس لیے ان کو بھی اضطراباً صلہ رحمی کا لحاظ رکھنا پڑتا۔ ابولہب ہی وہ واحد بد بخت شخص ہے جس نے اس دور کے واجب الاحترام قانون کو توڑ کر اپنے قبیلہ کے علی الرغم ڈٹ کر آپ کی مخالفت کی۔ علاوہ ازیں جب بنو ہاشم اور بنو مطلب کو معاشرتی بائیکاٹ کی وجہ سے سے شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا تھا تو اس وقت بھی ابولہب ہی نے اپنے قبیلے کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اور یہ تو واضح بات ہے کہ شعب ابی طالب کے محصورین میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ تاہم قبائلی حمیت کی بناء پر انہوں نے یہ سب کچھ گوارا کیا تھا اور اس قانون کے احترام کا حق ادا کیا تھا۔ حد یہ ہے کہ آپ کے چھوٹے چچا ابو طالب نے آپ کی حفاظت کے لیے زندگی بھر قریش مکہ کی مخالفت مول لی حالانکہ آخری دم تک وہ ایمان نہیں لائے۔

(بخاری کتاب التفسیر زیر آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبَتَ)

اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس قبائلی معاشرے میں چچا کو بھی باپ کا درجہ حاصل تھا۔ بالخصوص اس صورت میں کہ حقیقی والد فوت ہو چکا ہو۔ اس لحاظ سے بھی ابولہب کو آپ کی حفاظت کا فریضہ بطریق احسن بجالانا چاہئے تھا۔ خواہ وہ ایمان لاتا یا نہ لاتا۔ لیکن وہ آپ کی حفاظت کی بجائے بغض اور عناد میں اتنا آگے نکل گیا کہ اس کا شمار آپ کے صفِ اول کے دشمنوں میں ہوتا ہے۔ اس نے کوہ صفا پر جس گستاخی اور بد خلقی کا مظاہرہ کیا اس پر آپ کے خاموش رہنے کی وجہ بھی یہ ہی تھی کہ معاشرتی سطح پر ابولہب آپ کے باپ کے مقام پر تھا۔ اور باپ ہونے کے ادب کا تقاضا یہی تھا کہ آپ ﷺ خاموش رہتے۔ لہذا اس کی بدتمیزی کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے اس کا نام لے کر دے دیا۔ (تیسرا قرآن، صفحہ ۷۹۷۔ جلد ۴)

ابولہب ایسا شقی القلب انسان تھا۔ کہ جب آپ ﷺ کے دوسرے صاحبزادے جناب عبداللہ فوت ہوئے تو اسے اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے فوراً سرداران قریش کو جا کر یہ

خوشخبری سنائی کہ محمد (ﷺ) تو ابتر ہو گیا۔ اس کی جڑ کٹ گئی۔ اس کے بیٹے کی وفات کے بعد اس دنیا میں اس کا کوئی نام لیوا نہیں رہا۔ بس اس کا نام تو اس کی زندگی تک ہی محدود ہے۔ محمد کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اس کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ابولہب کی اسی حرکت کے جواب میں سورۃ کوثر نازل فرمائی گئی۔ ارشاد ہوا:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ ۖ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝﴾

(۱۰۸/الکوثر: ۱-۳)

”(اے نبی ﷺ) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطاء فرمائی ہے۔ تو آپ اپنے رب کے لیے نماز ادا کیجئے۔ بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہوگا۔“

عبرتناک انجام:

ابولہب مکہ معظمہ کے چار بڑے دولتمندوں میں سے ایک تھا۔ اس کے پاس بے حساب جائیداد، مال مویشی، اور سامان کے علاوہ آٹھ سیر سے زیادہ سونے کی اینٹیں تھیں۔ مگر اتنا دولت مند ہونے کے باوجود بڑا بخیل، کنجوس اور بزدل تھا۔ جب قریش مکہ نے جنگ بدر کی تیاری کا اعلان کیا تو ابولہب اس سے فرار کی راہیں تلاش کرنے لگا۔ بالآخر اس نے اپنے ایک مقروض عاص بن ہشام کو اس شرط پر اپنی جگہ لڑنے کے لیے بھیجا کہ میں تجھ سے قرض کی وصولی نہیں کروں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگ بدر میں ستر سردارین قریش مارے گئے۔ اور اتنے ہی مسلمانوں نے قیدی بنا لیے۔ ابولہب جنگ بدر میں شریک نہ ہو کر اس ذلت سے تونچ گیا مگر یہ ترکیب اسے زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھ سکی۔ اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہ مکہ مکرمہ میں ذلت کی موت مر گیا۔

ایک دن لوگ حرم میں بیٹھے جنگ بدر کے نتیجے کی خبر سننے کے لیے کسی آنے والے کا انتظار کر رہے تھے کہ اتنے میں شرکاء بدر میں سے ایک شخص وارد ہوا۔ لوگوں نے اس سے میدان جنگ کی صورتِ حالت دریافت کی تو اس نے کہا عتبہ، شیبہ، ابوالحاکم (ابوجہل)، امیہ بن خلف..... اور مزید کچھ سرداروں کے نام لے کر..... یہ سب قتل کر دیئے گئے ہیں۔ لوگوں کو اس کی خبر پر یقین نہ آیا۔ ابھی تبصرے جاری تھے کہ شور بلند ہوا۔ وہ دیکھوا بوسفیان آ گیا۔

ابولہب نے سخت بے قراری کی حالت میں ابوسفیان کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھا۔ بتاؤ جنگ میں لوگوں کا کیا حال رہا؟ ابوسفیان نے کہا: ”کچھ نہیں بس مسلمانوں سے ہمارا آنا سامنا ہوا۔ اور ہم نے اپنے کندھے ان کے حوالے کر دیئے۔ وہ جسے چاہتے قتل کرتے اور جسے چاہتے قید کرتے تھے اور ابوسفیان نے اپنی شکست کی ندامت کو چھپاتے ہوئے ابولہب کو بتایا کہ ”ہمارا پالا کسی ایسی مخلوق سے پڑا ہے جو زمین و آسمان کے درمیان چٹکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ خدا کی قسم! کوئی چیز ان کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتی تھی اور وہ کسی کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ بس ہمارے بہت سے سوار مارے گئے اور بہت سے قید ہو گئے۔“

ابولہب کو اس خبر سے اتنا صدمہ ہوا کہ اسی وقت گھر کو روانہ ہو گیا اور آتے ہی بے سدھ بستر پر گر پڑا۔ بذریعہ شکست کے باعث کھانا پینا چھوڑ دیا اور دن بدن کمزور ہونے لگا۔ بدر کی ذلت آمیز شکست کو ابھی سات دن گزرے تھے کہ اس کے جسم پر ایک زہریلا چھالا ”عدسہ“ نمودار ہوا۔ اور چند ہی دنوں میں اس کے سارے جسم میں پھیل کر چیچک کی شکل اختیار کر گیا۔ جسم کے ہر حصہ سے بدبودار پیپ بہنے لگی۔ گوشت گل گل کر گرنے لگا۔ اور قریبی عزیزوں، رشتہ داروں اور بیٹوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ بالآخر اس ظالم ابولہب نے انتہائی بے کسی کی حالت میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ مرنے کے بعد اس کی لاش ٹھکانے لگانے کے لیے بھی کوئی عزیز اس کے قریب نہ گیا۔ اور گستاخ مصطفیٰ ﷺ کی لاش تین دن تک بے گورو کفن پڑی رہی۔ اور گل سڑ کر اس سے بدبو آنے لگی۔ جب لوگ اس کے تعفن اور بدبو سے تنگ آ گئے تو اس کے بیٹوں نے طعن و ملامت کے ڈر سے حبشی غلاموں سے اس کی لاش ٹھکانے لگانے کا سودا کیا۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے گھسیٹ کر ابولہب کی لاش کو اس میں پھینک دیا۔ اور دور ہی سے پتھر پھینک پھینک کر اس کی لاش کو چھپا دیا۔ یہ تھا رسول پاک ﷺ کے گستاخ کا وہ عبرتناک انجام جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۚ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَامْرَأَتُهُ ۖ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ ۚ مِّنْ مَّسَدٍ ۚ﴾ (سورة اللہب)

”ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ اُسے اس کے مال اور کمائی (اولاد) نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی جو ایندھن اُٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں مضبوطی ہوئی موج کی رسی ہوگی۔“

ابولہب کی بیوی:

اس سورۃ میں ابولہب کی تباہی، ہلاکت اور بربادی کے ساتھ اُس کی بیوی کی پھانسی اور موت کی بھی خبر دی گئی ہے۔ ابولہب کی بیوی کا نام ”اروی“ اور کنیت ”اُمّ جمیل“ تھی۔ یہ ابو سفیان بن حرب کی بہن تھی۔ جو غزوہ بدر میں ابو جہل کی موت کے بعد قریش کا رئیس اور اُن کی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا تھا۔ اور فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر کے صحابی رسول کے شرفِ عظیم سے سرفراز ہوا اور رضی اللہ عنہ کا مصداق ٹھہرا۔۔۔۔۔ رسولِ محترم ﷺ کی دشمنی، مخالفت اور گستاخی میں اُمّ جمیل بھی اپنے خاوند ابولہب سے کم نہ تھی۔ آپ ﷺ کے ہمسائے میں رہنے کے باعث آپ کی حرکات و سکنات اور معاملات و معمولات کی نگرانی کرتی اور آپ کو ایذا پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔

یہ بد بخت عورت جنگل سے خاردار جھاڑیاں موج کی رسی میں باندھ کر لاتی اور رات کے اندھیرے میں آپ ﷺ کے گھر کے سامنے پھینک دیتی تاکہ جب آپ علی الصبح بیت اللہ کی طرف جانے کے لیے گھر سے نکلیں تو آپ کے پاؤں میں کانٹے چبھ جائیں۔ اُمّ جمیل بڑی بد زبان اور تیز طرار عورت تھی اور اکثر اوقات رسولِ اکرم ﷺ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ مکی زندگی میں آپ ﷺ پر بیماری کا شدید حملہ ہوا اور آپ ﷺ اپنی علالتِ طبع کے باعث دو یا تین راتیں تہجد کی نماز کے لیے بیدار نہ ہو سکے تو ام جمیل آپ ﷺ کے پاس آئی اور بڑے طنزیہ اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگی:

يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ لَا رَجُوْا اَنْ یَّکُوْنَ شَیْطَانُکَ قَدْ تَرَکَکَ لَمْ اَرَ قَرِیْبَکَ مِنْذُ لَیْلَتَیْنِ اَوْ ثَلَاثَا۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النبی)

”اے محمد (ﷺ) میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ میں نے دو تین راتوں سے اُسے تمہارے پاس آتے ہوئے نہیں دیکھا۔“

حضرات! آپ تصور فرمائیں کہ رسولِ مکرم ﷺ کی قلبی اور ذہنی کیفیت کیا ہوگی؟ کیونکہ عام معاشرتی اصول اور اخلاقیات کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہمسایہ جب بیمار ہو تو اُس کی عیادت کی جاتی ہے۔ اُسے حوصلہ دیا جاتا ہے۔ علاج کے لیے طبیب اور ڈاکٹر بلوایا جاتا ہے۔ اخراجات فراہم کیے جاتے ہیں، ادویات کا بندوبست کیا جاتا ہے اور اپنے ہمسائے کو ہر طریقے سے مطمئن کرنے اور تسلی دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر یہاں کیا ہے؟۔ ہمسائی اور وہ بھی تائی۔ سرورِ عالم ﷺ کے گھر آتی ہے اور گستاخانہ انداز کے ساتھ آپ سے سوال کرتی ہے کہ اے محمد! وہ تمہارا ساتھی شیطان (جبریل) جو تمہارے پاس آیا کرتا تھا، کئی دنوں سے نظر نہیں آیا۔ کہیں وہ تمہارا ساتھ تو نہیں چھوڑ گیا؟ اور اب تم اکیلے رہ گئے ہو۔ اور..... ہاں..... آباء و اجداد کا مذہب ترک کر کے نیا دین بنانے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ استغفر اللہ۔ رسولِ مکرم ﷺ پہلے ہی اپنی بیماری کی وجہ سے پریشان تھے۔ اپنی تائی اور ہمسائی کی ان طنزیہ اور گستاخانہ باتوں سے مزید افسردہ ہوئے تو رب العالمین نے آپ ﷺ کی تسلی، تشفی اور حوصلہ مندی کے لیے سورۃ الضحیٰ کو نازل فرما دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿وَالضُّحٰی ۝۱ وَاللَّیْلِ ۝۲ اِذَا سَجٰی ۝۳ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ ۝۴ وَمَا قَلٰی ۝۵ وَ لِلْآخِرَةِ خَیْرٌ

لَكَ مِنَ الْاَوَّلٰی ۝۶ وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝۷﴾ (الضحیٰ: ۵ تا ۱۱)

”چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم جب وہ سکون سے چھا جائے کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو اکیلا نہیں چھوڑا اور نہ ہی وہ آپ سے ناراض ہوا ہے اور البتہ آپ کا آئندہ دور ابتدائی دور سے یقیناً بہتر ہے اور آپ کا رب عنقریب آپ کو اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔“

اسی گستاخِ رسولِ عورت کی بربادی کی اطلاع دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَامْرَاَتُهُ ۙ حَبَالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِیْ جِدِّهَا حَبْلٌ ۚ مِّنْ مَّسَدٍ ۚ﴾

(الحب: ۳، ۵)

”اُس ابولہب کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے، اُس کی گردن میں مضبوط
بٹی ہوئی رسی ہوگی۔“

یہ اُم جمیل اروی اپنی گردن میں سونے کا مہنگا ہار پہنتی اور کہا کرتی تھی کہ میں یہ ہار بیچ
کر رقم محمد (ﷺ) کی مخالفت کے کاموں پر لگاؤں گی۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ جس مونج کی
بٹی ہوئی مضبوط رسی سے وہ کانٹے دار جھاڑیاں باندھ کر لایا کرتی تھی۔ وہی رسی اُس کی گردن
میں اٹک گئی اور ایسی پھنسی کہ بالآخر اُس کی موت کا سبب بن گئی۔ ایک دن لکڑیوں کا گٹھاسر
پر اور رسی گلے میں تھی۔ تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ لکڑیوں کا گٹھا پیچھے گر گیا اور رسی کا پھندا
گردن میں پڑ گیا جس کی وجہ سے گلا گھٹ کر مر گئی اور خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کا مصداق
ٹھہرائی گئی۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ قیامت کے دن اس عورت کی گردن میں جہنم کی آگ
کی رسی ہوگی جس کے ذریعے اسے کھینچ کر جہنم کے اوپر لایا جائے گا۔ پھر اس رسی کو ڈھیلی چھوڑ
کر اُسے جہنم کی تہہ میں پھینک دیا جائے گا اور یہی عذاب اسے مسلسل ہوتا رہے گا۔
(تفسیر ابن کثیر سورۃ لہب)

www.kitabosunnat.com

مختصر یہ کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں کسی قسم کی گستاخی کا ارتکاب
کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس جہاں میں ذلیل و رسوا کیا، اُن پر لعنتیں نازل ہوئیں اور آخرت
میں انہیں رُسوا کر کے جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ مکی زندگی میں ایک ہی گھر کے تین
گستاخانِ رسول..... ابولہب..... اُس کی بیوی اُم جمیل..... اور..... اُس کے بیٹے عتیبہ کے
احوال، واقعات اور اُن کے عبرتناک انجام آپ سے سنے۔ روزِ حشر یہ بدنصیب اس سے بھی
سخت عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ
لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۵۷)

”بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) کو ایذا
پہنچاتے ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ نے دُنیا اور آخرت میں لعنت نازل فرمائی ہے اور
اُن کے لیے اُس نے رُسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

یہودی گستاخ.... کعب بن اشرف:

کعب بن اشرف مدینہ طیبہ کا ایک سرمایہ دار اور متعصب یہودی سردار تھا۔ اُسے اسلام، صاحب اسلام اور مسلمانوں سے سخت نفرت اور عداوت تھی اور شان رسالت میں گستاخیاں کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ ﷺ کو اذیتیں پہنچاتا اور آپ کے خلاف لوگوں کو جنگ پر ابھارتا تھا۔ غزوہ بدر میں جب اللہ تعالیٰ نے رسول پاک اور اہل ایمان کو شاندار فتح نصیب فرمائی اور قریش مکہ کو سخت ہزیمت اور شکست کا سامان کرنا پڑا تو اس واقعہ کی اطلاع پا کر اس نے کہا:

”اگر یہ خبر درست ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے اشرف اور سردار محمد اور اُس کے ساتھیوں کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں تو پھر لبطن الارض خیرٌ مِّنْ ظَہَرِهَا اِسْ زندگی سے تو مرجانا ہی بہتر ہے۔“

اور جب اُسے متعدد ذرائع سے اِس خبر کی یقینی تصدیق ہو گئی تو یہ دشمن اسلام مقتولین بدر کی تعزیت کے لیے مدینہ سے مکہ آیا۔ مقتولین میں سے ایک ایک کے گھر گیا، ورثاء سے اظہارِ افسوس کیا اور کئی دن تک مقتولوں کے مرنے پر پڑھ پڑھ کر خود بھی روتا اور اہل مکہ کو بھی رلاتا رہا اور لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ اور تیار کرتا رہا۔ آخر کار ایک دن قریش مکہ کو حرم کعبہ میں جمع کر کے بیت اللہ کا غلاف تھام کر اُن سے حلف لیا کہ وہ مدینہ پر ضرور حملہ کریں گے اور محمد (ﷺ) اور اُس کے رفقاء کو نیست و نابود کر دیں گے۔ قیام مکہ کے دوران ایک دن مشرکین مکہ نے کعب بن اشرف سے پوچھا کہ تم یہودیت کے علم بردار ہو۔ ہمیں یہ بتاؤ کہ تمہارے نزدیک محمد (ﷺ) اور اُس کے ساتھیوں کا دین پسندیدہ ہے یا ہمارا؟ کعب بن اشرف نے جواب دیا کہ تم اُن سے افضل اور زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ اور یہودی سردار کے درمیان ہر نے والی اِس گفتگو سے اپنے رسول ﷺ کو مدینہ طیبہ میں آگاہ فرمادیا۔ ارشاد ہوا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْحَبِيَّتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰؤُلَاءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝۱۱ اُولٰٓئِكَ

الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝٥١﴾

(۴/النساء: ۵۱، ۵۲)

”کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کتاب (تورات) سے کچھ حصہ دیا گیا وہ بتوں اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہی لوگ راستہ کے لحاظ سے ایمان والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا تو آپ اُس کا کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔“

اس طرح یہ ظالم اور گستاخ یہودی سردار قریش مکہ کو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف آمادہ جنگ کر کے مدینہ طیبہ واپس آیا، چونکہ وہ قادر الکلام شاعر بھی تھا اس لیے یہاں آکر اُس نے مسلمان خواتین کے متعلق عشقیہ اور واہیات اشعار کہنے شروع کر دیے اور بے ہودہ شعر و شاعری کے ذریعے نبی محترم ﷺ کو بھی بڑی اذیت پہنچائی۔ امام زہری رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ قرآن حکیم کی یہ آیت کعب بن اشرف کے بارے میں نازل ہوئی کہ:

﴿وَلَتَسْبَحَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝١٨٦﴾

(۳/آل عمران: ۱۸۶)

”اور یقیناً تم اُن لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور اُن لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا، ایذا (اور تکلیف) دینے والی باتیں ضرور سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔“

مختصر یہ کہ کعب بن اشرف نے نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی و بے ادبی کی انتہاء کر دی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اتنی ہرزہ سرائی کہ آپ ﷺ اور اہل ایمان اس کی حرکاتِ قبیحہ سے بہت زیادہ تنگ آ گئے۔

قتل رسول کی سازش:

یوں تو مدینہ منورہ کا ہر یہودی اسلام، مسلمانوں اور نبی اکرم ﷺ کا مخالف اور دشمن تھا

لیکن کعب بن اشرف کی اسلام دشمنی اور صاحب اسلام ﷺ سے عداوت کا انداز بڑا گھناؤنا اور انتہائی خطرناک تھا۔ یہ بد بخت رسول مکرم ﷺ کی مذمت میں اشعار کہتا، بکواس کرتا اور لوگوں کو آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھڑکاتا تھا۔ اسی دوران اس گستاخ رسول نے سرور عالم ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ:

أَنَّهُ صَنَعَ طَعَامًا وَوَاطَأَ جَمَاعَةً مِّنَ الْيَهُودِ أَنَّهُ يَدْعُو النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَإِذَا حَضَرَ فَتَكُونُوا بِهِ ثُمَّ دُعَاهُ فَجَاءَ وَمَعَهُ بَعْضُ أَصْحَابِهِ فَأَعْلَمَهُ جِبْرِيلُ بِمَا أَضْمَرُوهُ بَعْدَ أَنْ جَالَسَهُ فَقَامَ فَسْتَرَهُ جِبْرِيلُ بِجَنَاحِهِ فَخَرَجَ فَلَمَّا فَقَدُوهُ تَفَرَّقُوا۔ (فتح الباری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف)

”کعب بن اشرف نے کھانے کا انتظام کر کے یہودی کی ایک جماعت کو آمادہ و تیار کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو دعوتِ طعام دیں۔ پس جب آپ تشریف لے آئیں تو دھوکے سے انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ رؤسائے یہود نے آپ ﷺ کو دعوت پر بلایا تو آپ ﷺ اپنے بعض رفقاء سمیت تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ ابھی آکر بیٹھے ہی تھے کہ جناب جبریل علیہ السلام نے آپ کو ان کے سارے پروگرام اور سازش سے آگاہ فرمادیا اور آپ ﷺ کو اپنے پروں کے سائے میں وہاں سے نکال لائے۔ جب یہودیوں کو آپ ﷺ وہاں نظر نہ آئے تو وہ ناکام و نامراد اور مایوس ہو کر منتشر ہو گئے۔“

صحابی رسول جناب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اس دشمن رسول کی سرگرمیوں، گستاخیوں اور سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”بلاشبہ کعب بن اشرف شاعر تھا جو اپنے اشعار میں رسول اکرم ﷺ کی توہین کرتا اور کفارِ قریش کو آپ کے خلاف جنگ پر ابھارتا تھا۔ رسول مکرم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے باشندے آپس میں جل کر رہتے تھے۔ اُن میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہونے کا اعزاز حاصل کر لیا تھا اور بعض بتوں کے پجاری، مشرک اور کچھ یہودی

بھی تھے۔ یہودی بڑے بااثر، اوس و خزرج کے حلیف اور محفوظ قلعوں میں رہائش پذیر تھے۔ رسول اللہ ﷺ تمام اہل مدینہ کی اصلاح کا راہ رکھتے تھے۔ اور باشندگانِ مدینہ کی صورت حال یہ تھی بعض لوگ خود تو مسلمان تھے مگر اُن کے والدین اور بعض کے بھائی مشرک تھے۔ اور جب سے رسولِ محترم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے یہاں کے مشرک اور یہودی آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو سخت اذیتیں پہنچاتے رہتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو صبر و درگزر کا حکم فرما رکھا تھا۔ قرآن حکیم کی یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی کہ..... اور یقیناً اُن لوگوں کی طرف سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں کی طرف سے جو شرک کرتے ہیں، تم اذیت دینے والی باتیں ضرور سنو گے..... اور یہ آیت بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی کہ..... بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف واپس لوٹا دیں وہ حق واضح ہو جانے کے باوجود تمہارے ساتھ حسد کرتے ہیں، پس تم عفو و درگزر سے کام لو۔

پس جب کعب بن اشرف ایذا رسول اور ایذا اہل ایمان سے باز نہ آیا اور اُس کی خلافِ اسلام سرگرمیاں شدت اختیار کر گئیں اور اصلاحِ احوال کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اس موذی اور گستاخ کے قتل اور خاتمہ کے لیے ایک فوجی دستہ روانہ کریں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الجزیۃ، باب من لا توخذ منه الجزیۃ)

ان تمام حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گستاخ رسول یہودی سردار کعب بن اشرف نے مندرجہ ذیل جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔

- ① نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی، ہرزہ سرائی، دریدہ دہنی اور سب و شتم۔
- ② اشعار کے ذریعے آپ ﷺ کی توہین، تنقیص اور تردید و تنقید۔
- ③ معاہدات کی خلاف ورزی، غداری اور اہل اسلام کے خلاف سازشیں۔
- ④ دین اسلام پر طعن و تشنیع اور مخالفت و مخالفت۔
- ⑤ لوگوں کو آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارنا۔

⑥ غزلوں اور عشقیہ اشعار میں مسلمان خواتین کے خلاف جھوٹ اور بکواس۔

⑦ دعوت کے بہانے رسول مکرم ﷺ کے قتل کی سازش۔

ان سات وجوہات و اسباب کے باعث رسول اکرم ﷺ نے اس ظالم و گستاخ بد بخت و بد نصیب اور بد عہد و بد کردار یہودی سردار کے قتل کا حکم صادر فرمایا کیونکہ ایسے عہد شکن، کینہ پرور، بد زبان اور گستاخ رسول کو مزید مہلت دینا دعوت اسلام، اہل اسلام اور اسلامی معاشرے کے لیے بڑا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس ظالم و گستاخ کے قتل کی تفصیلات کتب حدیث و سیرت میں بیان کی گئی ہیں۔ مگر اختصار وقت کے باعث ہم صرف خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

گستاخ رسول کے قتل کا حکم:

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے جان نثار و فدائکار اصحاب کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

((مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ - يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَكَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا قَالَ قُلْ -

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف)

”کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا۔ کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو بڑی ایذا پہنچائی اور تکلیف دی ہے۔ یہ سن کر نوجوان صحابی جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور نہایت ادب سے عرض کی کہ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اُسے قتل کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے درخواست کی کہ پھر آپ مجھے اس کے سامنے کچھ مبہم اور ذومعنی الفاظ کہنے کی اجازت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اجازت ہے۔ (تم اُسے خوش کرنے اور اعتماد میں لینے کیلئے جو کہنا چاہو۔ کہہ سکتے ہو)۔“

پھر آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ۔

((إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَلَا تَعْجَلْ حَتَّى تَشَاوَرَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ قَالَ فَشَاوَرَهُ فَقَالَ لَهُ تَوَجَّهْ إِلَيْهِ وَاشْكُ إِلَيْهِ الْحَاجَّةُ وَسَلُّهُ أَنْ يُسَلِّفَكُمْ طَعَامًا)) (فتح الباری۔ کتاب المغازی۔ باب قتل کعب بن الاشرف)

”اس کام میں جلد بازی نہ کرنا اور انتہائی اقدام سے پہلے جناب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مشورہ ضرور کر لینا۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے مشاورت فرمائی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اُس کا اعتماد حاصل کرنے کیلئے تم اُس کے پاس جا کر اپنی حاجت و ضرورت کی شکایت کرو اور اُسے کہو کہ تمہیں اشیاء خوردنی اُدھار دے۔“

اب سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے گستاخ رسول کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی شروع کی اور اتنا اہم قدم اکیلے اٹھانے کی بجائے اپنے چند رفقاء کو ساتھ ملانے کا پروگرام بنایا تا کہ اس اہم مشن میں ناکامی نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں جناب ابونا نکلہ سلکان..... حارث بن اوس..... عباد بن بشر اور ابو عبس جبر رضی اللہ عنہم سے بات کی تو وہ چاروں فوراً اس کام میں شریک ہونے پر تیار ہو گئے اور انہوں نے محمد بن مسلمہ کو ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ اس طرح یہ پانچ رکنی ڈیٹھ سکواڈ تیار ہو گیا جس کے کمانڈر سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ایک دن سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو رشتہ میں کعب بن اشرف کے رضاعی بھانجے تھے مگر محبت رسول سے سرشار اپنے گستاخ رسول ماموں کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے..... تنہا کعب بن اشرف کے پاس تشریف لے گئے اور اُس سے کہنے لگے کہ یہ شخص..... اشارہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا..... ہم سے بار بار صدقہ طلب کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہمیں مشقت میں مبتلا کر دیا ہے اور میں تو مجبور ہو کر اپنے بچوں کے لیے تم سے غلہ اُدھار لینے آیا ہوں۔ کعب ان باتوں سے بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! ابھی تم لوگ اور بھی اُکتا جاؤ گے۔

محمد بن مسلمہ نے جواب دیا کہ چونکہ اب ہم نے اس کی اتباع اور پیروی کا راستہ اختیار کر لیا ہے تو اُس کا انجام دیکھے بغیر اُس کا ساتھ چھوڑنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ بھئی! میں تو تم سے پانچ یا دس من غلہ اُدھار لینے آیا ہوں تا کہ اپنے بچوں کا پیٹ بھر سکوں۔ پھر کعب بن اشرف اور محمد بن مسلمہ کے درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

کعب بن اشرف: مجھے تمہاری ضرورت و احتیاج کا شدید احساس ہے اور میں تمہارا احترام بھی زیادہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں تمہارا مطلوبہ غلہ ادھار دینے کو تیار ہوں مگر تمہیں اپنی کوئی چیز میرے پاس گروی رکھنا ہوگی۔

محمد بن مسلمہ: تم کون سی چیز اپنے پاس گروی رکھنا پسند کرو گے؟

کعب بن اشرف: (بڑی ڈھٹائی سے) تم اپنی عورتیں میرے پاس گروی رکھ دو اور غلہ لے جاؤ۔

محمد بن مسلمہ: یہ تو ہمارے لیے ممکن نہیں ہے، کوئی اور چیز طلب کرو۔

کعب بن اشرف: پھر اپنے بیٹے میرے پاس گروی رکھ دو۔

محمد بن مسلمہ: اگر ہم ایسا کریں گے لوگ انہیں ساری عمر طعنے دیں گے کہ تم وہی ہو جن کے والدین نے غلہ کے عوض تمہیں گروی رکھ دیا تھا۔ اس عار کی بناء پر یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ البتہ ہم اپنا اسلحہ تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں بھی اسلحہ کی اشد ضرورت ہے لیکن تمہارے اطمینان کی خاطر ہم یہ کر سکتے ہیں۔ یہ بات جناب محمد بن مسلمہ نے اس لیے فرمائی تاکہ جب وہ اسلحہ لے کر دوبارہ اُس کے پاس آئیں تو کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ کعب نے اسلحہ گروی رکھنے کی تجویز منظور کر لی اور دونوں کے درمیان طے ہو گیا کہ محمد بن مسلمہ اُس کے پاس ہتھیار لے کر آئیں گے اور کعب انہیں ہتھیاروں کے عوض غلہ ادھار دے گا۔

تھوڑے ہی وقفہ کے بعد اس مہم کے دوسرے شریک جناب ابونا نکلہ رضی اللہ عنہ..... جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی..... اور زمانہ جاہلیت کے بے تکلف ہم نشین تھے..... کعب کے پاس گئے اور کافی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے اور اشعار سننے سنانے کے بعد کہنے لگے۔ اے کعب! میں ایک ضرورت کے لیے تمہارے پاس آیا ہوں اور اس شرط پر ذکر کروں گا کہ تم اُسے صیغہ راز میں رکھو گے اور میرا راز افشاء نہیں کرو گے۔ کعب نے رازداری کا وعدہ کیا تو ابو ناکلہ رضی اللہ عنہ نے کہا..... اے ابن اشرف!

”اس شخص (محمد ﷺ) کی آمد تو ہمارے لیے وبال جان بن گئی ہے۔ سارا عرب ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔ سب نے ہمارے خلاف اتحاد کر لیا ہے۔ ہمارے

تجارتی قافلوں کے راستے مسدود ہو گئے ہیں، اب ہمارے بچے بھوک سے
پلک رہے ہیں اور ہماری جانوں پر بنی ہوئی ہے۔“

سیدنا ابونا مملہ رضی اللہ عنہ نے درخواست کے انداز میں فرمایا: اے کعب!

”آج میرے آنے کا خاص مقصد یہ ہے کہ تم ہمیں کچھ غلہ اُدھار دے دو تا کہ ہم
اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک دور کر سکیں اور آپ کی تسلی کے لیے ہم اپنے قیمتی
ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھنے کے لیے تیار ہیں..... اور..... ہاں.....
میرے کچھ اور ساتھی بھی ہیں..... وہ بھی محمد (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سے تنگ آئے
ہوئے ہیں۔ میں انہیں بھی کسی دن تمہارے پاس لانا چاہتا ہوں تم ان کے
ساتھ بھی احسان کرنا تا کہ وہ بھی تمہارے ممنون ہوں۔ اگر تم اجازت دو تو کسی
دن انہیں اپنے ساتھ لے آؤں۔“

کعب نے خوش ہو کر کہا..... ہاں..... اجازت ہے۔ مجھے ایسے لوگوں سے ضرور ملواؤ تا کہ
اُس (محمد صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سے جان چھڑانے کا کوئی منصوبہ تیار کیا جاسکے..... اس طرح محمد بن مسلمہ اور
ابونا مملہ رضی اللہ عنہما نے اپنے ابتدائی مقاصد میں کامیابی حاصل کر لی۔ کیونکہ اس گفتگو کے بعد ہتھیاروں
اور ساتھیوں سمیت ان دونوں کی آمد پر کعب بن اشرف کوئی خطرہ محسوس نہیں کر سکتا تھا۔
گستاخ رسول کی سزا..... سرتن سے جدا:

۳ ہجری ۱۲ ربیع الاول کی چاندی رات تھی کہ محمد بن مسلمہ کی زیر قیادت پانچ رکنی فوجی
دستہ گستاخ رسول کعب بن اشرف کا سرتن سے جدا کرنے کا پروگرام لے کر دربار رسالت
میں اجازت اور دُعا کے لیے حاضر ہوا۔ آپ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ان کی منصوبہ بندی اور حیلہ سازی
سے خوش ہوئے اور ان جاں بازوں کو اس خطرناک مہم پر روانہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ کے
قبرستان بقیع غرقہ تک تشریف لائے۔ یہاں سے آپ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان فداکاروں کو الوداع
کرتے ہوئے فرمایا:

((انْطَلِقُوا عَلٰی اَسْمِ اللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ اَعِنُّهُمْ))

(فتح الباری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف)

”اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جاؤ..... اے میرے اللہ! ان کی مدد فرما۔“

آپ ﷺ اس سکوڑ کو گستاخ رسول، دشمنِ خدا اور مخالفِ اسلام کو قتل کرنے کی مہم پر روانہ کرنے کے بعد گھر تشریف لے آئے اور ان کی کامیابی کے لیے دُعا اور مناجات میں مشغول ہو گئے۔

کعب کا قلعہ مدینہ طیبہ سے باہر شمال مشرق میں واقع تھا، یہ فوجی دستہ جب قلعہ کے قریب پہنچا تو ابونا نلہ نے قدرے زور سے آواز دے کر بلایا۔ پھر محمد بن مسلمہ نے آواز لگائی۔ کعب بن اشرف آوازیں پہچان کر اٹھ کھڑا ہوا اور باہر جانے کے لیے لپکا تو اُس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ تم جیسے آدمی کو..... جس کے کئی دشمن اور مخالف ہیں..... رات کے اس حصہ میں کسی کے بلاوے پر گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے، کعب نے کہا کہ گھبراؤ نہیں، ایک میرا رضاعی بھائی ابونا نلہ ہے..... جو میرا گہرا دوست بھی ہے اور دوسرا محمد بن مسلمہ میرا رضاعی بھانجا ہے۔ کعب کی بیگم نے..... جو نئی نویلی دلہن تھی..... آگے بڑھ کر اُس کا دامن تھام لیا اور کہا کہ ”مجھے تو ان آوازوں سے خون ٹپکتا محسوس ہو رہا ہے۔“ کعب کو چونکہ محمد بن مسلمہ اور ابونا نلہ رضی اللہ عنہما کی گفتگو یاد تھی لہذا اس نے اپنی بیوی کو تسلی دی اور دامن چھڑا کر قلعہ سے نیچے اُتر آیا۔ پانچوں رفقاء رسول نے آپس میں مشورہ کر رکھا تھا کہ ابونا نلہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کا معطر سر سونگھنے کے بہانے اُسے قابو کریں گے اور جب وہ پوری طرح اُن کی گرفت میں آجائے گا تو باقی لوگ حملہ کر کے اُس کا کام تمام کر دیں گے۔ چنانچہ طے شدہ منصوبے کے مطابق جناب ابونا نلہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا کہ تمہارے سر کے بالوں سے بڑی نرالی خوشبو آ رہی ہے اگر اجازت ہو تو قریب ہو کر اچھی طرح سونگھ لوں۔ اُس نے کہا..... ہاں..... ضرور سونگھو۔ ابونا نلہ نے کعب کے سر کے بالوں میں ہاتھ ڈال کر خوشبو کی مزید تعریف کی تو وہ فخر سے کہنے لگا۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ:

عِنْدِيْ اَعْطَرُ نِسَاءِ الْعَرَبِ وَاجْمَلُهُنَّ۔

”میری بیوی عرب کی تمام عورتوں سے زیادہ معطر رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی سب سے بالا ہے۔“

کچھ دیر اسی قسم کی گفتگو اور ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ابونا نکلہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: اے کعب! چلو ذرا ”شعب عجز“ (جگہ کا نام) تک چلتے ہیں۔ وہاں چاندنی رات میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ کعب نے کہا: اگر تمہاری مرضی ہے تو میں چلتا ہوں۔ چنانچہ سب لوگ اُس جگہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں دو تین مرتبہ ابونا نکلہ رضی اللہ عنہ نے کعب کے سر کو سونگھ کر خوشبو کی تعریف کی، ساتھیوں کو بھی سونگھایا اور کئی بار اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تا کہ وہ مطمئن ہو جائے۔ آخری بار اُس کے بالوں میں ہاتھ ڈال کر مضبوطی سے پکڑ لیے اور ساتھیوں سے کہا:

”اُقْتُلُوا عَدُوَّ اللَّهِ.....“ ”اللہ تعالیٰ کے دشمن کو قتل کر دو۔“

چنانچہ سب نے یکبارگی تلواروں سے حملہ کر دیا، کعب نے زوردار چیخ ماری اور لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس گستاخ رسول کا سرتن سے جدا کر کے تھیلے میں ڈال لیا اور عام راستہ کی بجائے غیر معروف راستہ سے مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے۔ بقیع الغرقہ کے قریب پہنچ کر اتنی بلند آواز سے نعرہ تکبیر لگایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرہ مبارکہ میں سنائی دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک اس دستے کی کامیابی کے لیے صلوٰۃ و مناجات میں مصروف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام کے نعرے کے جواب میں ”اللہ اکبر“ کہا۔ جب یہ جاں نثار خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دُعا دیتے ہوئے فرمایا: اَفْلَحَتْ الْوُجُوهُ۔ ان چہروں والے سرخرو اور کامیاب ہو گئے۔ فدا کاروں نے عرض کی: وَ وَجْهُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کا چہرہ مقدس بھی سرخرو ہو۔ جب اس گستاخ رسول اور دشمن خدا کا سر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا: فَحَمِدَ اللَّهُ عَلَى قَتْلِهِ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موزی کے قتل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اُس کی حمد و ثناء بیان فرمائی۔

(فتح الباری، شرح صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف)

گستاخ مصطفیٰ..... ابورافع کا قتل:

مدنی زندگی میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی، بداحترامی اور گستاخی کرنے والوں میں

ایک معروف نام ”ابورافع سلام بن ابی الحقیق“ یہودی سردار کا ہے۔ یہ بڑا مال دار، تجارت پیشہ اور صاحب حیثیت یہودی تھا۔ اور یہودیوں کے ان بڑے مجرموں میں سے تھا جنہوں نے اسلام، مسلمانوں اور ذاتِ رسول ﷺ کو نقصان پہنچانے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ اہل یہود کا وہ وفد جس نے صحرائے عرب کا طوفانی اور ہنگامی دورہ کر کے قریش مکہ اور عرب کے دیگر قبائل کو مدینہ منورہ پر حملہ کی رغبت دلائی، مالی وسائل فراہم کیے اور ہر قسم کا تعاون دلا یا..... اور اسی فتنہ انگیزی اور اشتعال کے نتیجے میں دس ہزار کے لشکر جرار نے شہر رسول پر حملے کے لیے پیش قدمی کی اور غزوہ خندق کا واقعہ پیش آیا..... ابورافع اُس وفد کا رکن رکین تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتا، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بے تحاشا مال خرچ کرتا اور آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں سرعام گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا تھا۔ اس کی رہائش مدینہ طیبہ سے شمال کی طرف ایک سو چوراسی کلومیٹر دور ”خیبر“ میں تھی اور یہ ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ میں سکونت پذیر تھا۔

اس سے قبل آپ جان چکے ہیں کہ..... قبیلہ اوس کے پانچ نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کعب بن اشرف کو اُس کی بہتان تراشی، اذیت رسانی اور گستاخی رسول کے باعث ارشاد رسول ﷺ کی تعمیل میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا..... اب قبیلہ خزرج کے جوانوں کی خواہش تھی کہ ہم بھی کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دیں جس سے رسول کریم کے دشمنوں اور گستاخوں کا خاتمہ ہو جائے اور ہم بھی دُعاء رسول کے مستحق قرار پائیں..... چنانچہ خزرج قبیلہ کے پانچ نوجوانوں..... عبداللہ بن عتیک..... عبداللہ بن اُنیس..... ابو قتادہ حارث بن ربیع..... خزاعی بن اسود..... اور..... مسعود بن سنان رضی اللہ عنہم نے یہودی گستاخ مصطفیٰ ابورافع سلام بن حقیق کو کیفر کردار تک پہنچانے کا پروگرام بنایا اور ماہ ذوالحجہ ۵ ہجری میں رسول کریم ﷺ سے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت تو فرمادی مگر حکم فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو کسی صورت قتل نہ کیا جائے۔

ان پانچ نوجوانوں..... جو سارے کے سارے قبیلہ خزرج کی شاخ ”بنو سلمہ“ سے تعلق رکھتے تھے..... نے گستاخ رسول ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو کیسے جہنم رسید کیا، اس کی

تفصیلات صحابی رسول سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي رَافِعٍ الْيَهُودِيَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فَأَمَرَ عَلَيْهِمُ عَبْدَ اللَّهِ بْنُ عَتِيكَ وَكَانَ أَبُو رَافِعٍ يُؤْذِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُعِينُ عَلَيْهِ وَكَانَ لَهُ فِي حِصْنٍ لَهُ بِأَرْضِ الْحِجَازِ..... إِلَى آخِرِهِ۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے لیے چند انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور ان کا امیر جناب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا ابورافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا اور سرزمین حجاز میں اپنے قلعہ کے اندر رہائش پذیر تھا۔“

جب یہ فوجی دستہ ابورافع کے قلعہ کے قریب پہنچا تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے مویشی ہانک کر اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ سالار دستہ جناب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو، میں جاتا ہوں اور اندر جانے کی کوئی تدبیر کرتا ہوں۔ چنانچہ جب عبداللہ بن عتیک دروازے کے قریب پہنچے تو اپنے آپ کو چادر سے ڈھانپ کر اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی قضائے حاجت کے لیے بیٹھا ہو۔ اسی دوران قلعہ کے تمام رہائشی اندر داخل ہو گئے (اور پہرے دار نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی قلعے کا رہائشی ہے جو پیشاب کرنے کے لیے بیٹھا ہوا ہے) تو دربان نے زور سے آواز دی کہ ”اے اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو جلدی کرو۔ ورنہ میں دروازہ بند کر کے جا رہا ہوں۔“

عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ چوکیدار کی آواز سن کر میں جلدی سے اٹھا اور قلعہ کے اندر داخل ہو گیا اور چھپ کر اس کی کارروائی دیکھنے لگا، جب تمام لوگ اندر داخل ہو گئے تو دربان نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے چابیوں کا گچھا کھونٹی کے ساتھ لٹکا دیا۔ سارے لوگوں کے سونے اور سکون ہو جانے کے بعد میں اٹھا اور چابیوں کا گچھا لے کر دروازے کا تالا

کھول دیا۔

ابورافع بالا خانے میں رہتا تھا اور وہاں ہر رات مجلس ہوتی تھی۔ لوگ قصے کہانیاں سناتے اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرے ہوتے تھے، اُس رات جب یہ مجلس برخاست ہو گئی اور قصہ گو ابورافع کے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے تو میں بالائی منزل میں چلا گیا۔ (ابورافع کا رہائشی کمرہ کئی کمروں سے گزرنے کے بعد آتا تھا) میں جب کسی کمرے میں داخل ہوتا تو اُس کا دروازہ اندر سے بند کر دیتا تھا تاکہ اگر قلعے والوں کو میرا علم ہو بھی جائے تو اُن کے مجھ تک پہنچنے سے پہلے میں اپنا کام مکمل کر چکا ہوں گا۔

جب میں ابورافع کے رہائشی کمرے میں پہنچا تو وہاں چراغ گل اور کمرے میں شدید اندھیرا تھا اور ابورافع اس تاریک کمرے میں اپنے بال بچوں کے درمیان لیٹا ہوا تھا مگر مجھے اندازہ نہ ہوسکا کہ وہ اس کمرے میں کہاں ہے؟ لہذا اُس کی جگہ معلوم کرنے کے لیے میں نے اُسے آواز دی۔ اے ابورافع! اُس نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے فوراً آواز کی طرف لپک کر تلوار کا وار کیا۔ مگر چونکہ میں گھبرایا ہوا تھا اس لیے میرا حملہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ اُس نے زور سے چیخ ماری تو میں کمرے سے باہر آ گیا۔ تھوری دیر کے بعد میں دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور آواز کا لہجہ بدل کر پوچھا: اے ابورافع! یہ آواز کیسی تھی؟ اُس نے جواب دیا۔ تیری ماں ہلاک ہو جائے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کسی نے مجھ پر تلوار سے حملہ کر دیا ہے۔

جناب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دوبارہ آواز کی طرف بڑھ کر زور دار ضرب لگائی جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا مگر ابھی تک مرا نہیں تھا تو میں نے اپنی تلوار کی نوک کو اُس کے پیٹ پر رکھ کر زور سے دبایا تو میری تلوار اُس کی پشت تک پہنچ گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ لہذا میں وہاں سے واپس بھاگا۔ ایک ایک کمرے کا دروازہ کھولتا ہوا واپس آیا، جلدی سے سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اتر رہا تھا۔ آخری سیڑھی کا مجھے خیال نہ رہا۔ میں نے پاؤں رکھا تو نیچے زمین پر گر گیا۔ جس سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی اور (ٹخنے کی) ہڈی بھی سرک گئی۔ میں نے اسے پکڑی سے کس کر باندھ لیا اور قلعے کے دروازے کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اپنے دل میں کہا کہ:

فَإِنِّي لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَسْمَعَ النَّاعِيَةَ۔

”جب تک ابورافع کے مرنے کی تصدیق نہ ہو جائے، میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔“

چنانچہ جب بحری کے وقت مُرغ نے اذان دی تو موت کی خبر دینے والے نے قلعے کی فصیل پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ:

أَنْعَى أَبَا رَافِعٍ تَاجِرَ أَهْلِ الْحِجَازِ۔

”میں حجاز کے تاجر ابورافع کی موت کی اطلاع کر رہا ہوں۔“

عبداللہ بن عتیک بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہاں سے جلدی نکل چلیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو انجام تک پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ میں نبی محترم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو سارے واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أُبَسِّطُ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا فَكَانَهَا لَمْ أَشْتَكِ قَطُّ))

”اپنا پاؤں آگے کرو۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلا یا تو آپ ﷺ نے اُس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ ایسے درست ہو گیا جیسے اُسے کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔“
(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع)

گستاخِ رسول.... قبر کو قبول نہیں:

احادیث مبارکات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی بدنصیب جان بوجھ کر رحمتِ کائنات جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی بے ادبی، گستاخی اور بد احترامی کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تو وہ رُسوا کرنے والے عذاب اور لعنت کا مستحق ہے ہی..... مگر پس مرگ اُس کی لاش کو زمین بھی قبول نہیں کرتی بلکہ قبر اُسے باہر پھینک دیتی ہے اور اُس کی لاش کو درندے، پرندے اور چرندے کھا جاتے ہیں، رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ایک ایسا ہی عبرتناک اور خوفناک واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے خادمِ خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”ایک عیسائی شخص مسلمان ہو گیا اور اس نے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران یاد کر لی، وہ نبی کریم ﷺ کے لیے کتابت کیا کرتا تھا لیکن بعد میں مرتد ہو گیا اور کہنے لگا محمد ﷺ کو تو کسی چیز کا پتہ ہی نہیں۔ جو کچھ میں لکھ کر دیتا ہوں بس وہی کہہ دیتے ہیں۔ جب اسے اللہ تعالیٰ نے موت دی تو عیسائیوں نے اسے دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا جس پر عیسائیوں نے کہا، یہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ وہ ان کے دین سے بھاگ کر آیا ہے اس لیے انہوں نے انتقام لینے کی غرض سے رات کی تاریکی میں اس کی لاش کو قبر سے نکال کر باہر پھینک دیا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے اس کے لیے دوبارہ نئی جگہ پر پہلے سے زیادہ گہری قبر کھودی اور لاش کو دوبارہ دفن کر دیا۔

فَاصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْأَرْضُ فَقَالُوا هَذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابُهُ
نَبَشُوا عَنْ صَاحِبِنَا لِمَا هَرَبَ مِنْهُمْ فَالْقَوْهُ خَارِجَ الْقَبْرِ
فَحَفَرُوا لَهُ فَأَعَمَّقُوا لَهُ فِي الْأَرْضِ مَا اسْتَطَاعُوا فَاصْبَحَ قَدْ
لَفَظَتْهُ الْأَرْضُ فَعَلِمُوا أَنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ فَالْقَوْهُ۔

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة)

”جب صبح ہوئی تو (لوگوں نے دیکھا کہ) زمین نے اسے دوبارہ باہر پھینک دیا ہے۔ عیسائیوں نے پھر الزام لگایا کہ یہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے کیونکہ وہ ان کے دین سے بھاگ کر آیا ہے لہذا انہوں نے اس کی قبر کھود کر لاش باہر پھینک دی ہے، عیسائیوں نے اس کے لیے تیسری مرتبہ قبر تیار کی اور جتنی گہری قبر وہ بنا سکتے تھے انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق اسے بہت زیادہ گہرا بنایا اور اسے از حد گہری قبر میں دفن کر دیا۔ لیکن صبح لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ زمین نے اس کی لاش کو تیسری مرتبہ بھی باہر پھینک دیا ہے۔ تین مرتبہ یہ صورت حال دیکھ کر عیسائیوں کو یقین آ گیا کہ یہ مسلمانوں کا کام نہیں۔ (بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے کہ زمین اس مرتد کی لاش قبول کرنے کے لیے تیار نہیں

ہے) چنانچہ عیسائیوں نے اس مرتد کی لاش کو اسی طرح چھوڑ دیا۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سو فیصد سچ ثابت ہوا کہ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۵۷)

”یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا اور آخرت میں اُن پر لعنت کی ہے اور اُن کے لیے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔“

سورة الحجرات کی زیر خطبہ آیات بھی اعلان فرما رہی ہیں کہ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۵-۴)

”بلاشبہ وہ لوگ جو آپ ﷺ کی حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر بے عقل ہیں اور اگر بے شک وہ صبر کرتے یہاں تک آپ خود ہی اُن کی طرف نکلتے تو اُن کیلئے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

تحقیق خبر

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
 ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمُ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ۬ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا
 بِجَهَالَةٍ فَتُصِحُّوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نُّدَمِيْنَ ۝۱ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلًا
 اللّٰهُ ۭ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۶-۸)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو (اُس کی
 اچھی طرح) تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے علمی میں تکلیف
 پہنچا دو۔ پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ ﷺ
 موجود ہیں۔ اگر اکثر معاملات میں وہ تمہاری اطاعت کریں تو تم مشقت میں پڑ
 جاؤ۔“

تمام قسم کی تعریفات و تحمیدات کی مستحق صرف اور صرف اللہ جلّ جلالہ کی ذاتِ
 بابرکات ہے جو ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق اور حاکم ہے۔ وہی عَلَّامُ الْغُیُوبِ،
 غَفَّارُ الذُّنُوبِ اور سَتَّارُ الْغُیُوبِ ہے۔ وہی اَحَدٌ، صَمَدٌ، لَمْ یَلِدْ اور لَمْ یُوْلَدْ ہے۔
 کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کی حمد و ثناء میں مصروف و مشغول ہے۔ اللہ خود فرماتا ہے:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ ۭ۱۷ وَ اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا
 یُسَبِّحُ بِحَمْدِهِۦ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ۱۸ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۱۹﴾
 (۱۷/ بنی اسرائیل: ۴۴)

”ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے وہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی
 تسبیح کرتی ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی پاکیزگی
 بیان نہ کرتی ہو۔ اور لیکن تم اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) بڑے
 تحمل والا، بہت بخشنے والا ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کی طرف سے سرور کو نین، رسول الثقلین، امام القبلتین جناب

محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر لا تعداد و بے شمار درود و سلام اور برکات نازل فرمائے جو ہادی کل، امام الرسل اور دانائے سبل ہیں۔ جن کی اطاعت دراصل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی ذات الہی کی نافرمانی ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا﴾ (النساء: ۸۰)

”اور جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو تحقیق اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس سے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو اُن پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔“

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔
اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

رابط خطبات:

سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کی جماعتی، اجتماعی اور معاشرتی زندگی کو خوش گوار بنانے کے جو اصول بیان فرمائے گئے ہیں۔ اُن میں چار اصول و ضوابط پہلی پانچ آیات کی تشریح و تفسیر میں بالتفصیل اور بالوضاحت بیان ہو چکے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

① اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی ہرگز کوشش نہ کی جائے بلکہ زندگی کے تمام معاملات اور جمیع معاملات میں رب العالمین اور رحمۃ للعالمین کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے۔

② اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی گرفت، پکڑ اور عذاب سے ہر وقت اور ہر حال میں ڈرا جائے۔ خوف کھایا جائے اور خلوت و جلوت اور محفل و تنہائی میں تقویٰ اختیار کیا جائے۔

③ سید الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی از حد عزت و تکریم اور توقیر و تعظیم کی جائے۔ ذات رسول، بات رسول اور نام رسول کے آداب و احترامات کا خیال رکھا جائے۔

④ کسی صورت اور کسی حال میں بھی نبی اکرم، رسول معظم، رحمت مجسم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی، بے ادبی اور بد احترامی نہ کی جائے ورنہ نیک اعمال برباد کر دیئے جائیں گے۔ گستاخ رسول پر دنیا اور آخرت میں لعنت نازل ہوگی اور رسوا کن عذاب میں پھینک دیا جائے گا۔

اب اسی سورۃ مبارکہ کی آیت نمبر ۶ میں اہل ایمان کی اجتماعی زندگی کا پانچواں اصول قاعدہ اور قانون بیان فرمایا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی ناقابل اعتماد شخص کسی قسم کی اطلاع دے، کوئی خبر پہنچائے اور کسی کے بارے میں آگاہ کرے تو اُسے بغیر سوچے سمجھے، بغیر غور و خوض کیے اور بلا تحقیق و تفتیش تسلیم و قبول نہ کیا جائے، بلکہ اُس خبر کی پوری چھان بین کی جائے۔ اچھی طرح تحقیق کی جائے اور خوب جانچ پڑتال کر کے معلوم کیا جائے کہ اس اطلاع کی حقیقت کیا ہے؟، پس منظر کیا ہے؟ سیاق و سباق کیا ہے؟ اور خبر دینے والے کی اپنی دینی، اخلاقی اور معاشرتی حیثیت اور حالت کیا ہے؟ پھر اگر تمام ذرائع سے تصدیق ہو جائے کہ پہنچائی جانے والی خبر درست، اطلاع صحیح اور بات سچ ہے تو اُس پر اعتماد و اعتبار کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے ورنہ سنی سنائی خبر کو مسترد کر دیا جائے اور اُسے قابل اعتناء اور لائق توجہ بھی نہ سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ①﴾

”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جہالت و لاعلمی میں کسی قوم کا نقصان کر دو۔ پھر تمہیں اپنے اس فعل پر شرمندگی اٹھانا پڑے۔“

حضرات! اگر ہم اپنے حالات و ماحول، گرد و پیش اور معاملات کا بغور جائزہ لیں تو ہمارے ہاں عزیز و اقارب میں دُوریوں..... بہن بھائیوں کے درمیان نفرتوں..... دوست و احباب میں بُعد..... اور..... برادریوں کی لڑائیوں کا اصل سبب اور محرک ”بغیر تحقیق خبروں اور اطلاعات“ پر یقین و اعتماد ہے۔ ہمیں کسی عزیز کے بارے میں جو کسی نے کہہ دیا ہم آنکھیں

بند کر کے اُس پر ایمان لے آئے اور اپنے دل میں اُس کے خلاف گرہ باندھ لی۔ اور اُسے نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئے۔ اور پھر جب اصل بات واضح ہوئی۔ حقیقت حال سامنے آئی اور تحقیق کے بعد منجر کی اطلاع غلط ثابت ہوئی تو اب سوائے ندامت، شرمندگی اور معذرت و معافی کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہمارے اجتماعی نظام کی اصلاح اور معاشرتی فلاح کے لیے ہمیں حکم دے رہا ہے کہ ہر خبر کی پوری طرح تحقیق کرو۔ اگر تفتیش کے بعد اطلاع درست ثابت ہو تو کوئی قدم اٹھاؤ ورنہ خاموش رہو اور سکون و اطمینان سے زندگی گزارو اور خواخواہ ہر آدمی کی ہر بات پر یقین کر کے اپنا ذہنی اور قلبی سکون برباد نہ کرو۔

قبیلہ بنو مصطلق کا تعارف:

سورۃ الحجرت کی اس آیت طیبہ کا سبب نزول چونکہ قبیلہ بنو مصطلق اور اُنکے سربراہ کے ساتھ پیش آنے والا ایک واقعہ ہے (جس کا ذکر ان شاء اللہ العزیز ہم آگے کریں گے) اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس قبیلے کا مختصر تعارف کروایا جائے۔

”مصطلق“ عرب کے ایک مشہور سردار جزیمہ بن سعد کا لقب ہے۔ اس کی اولاد و احفاد کو ”بنو مصطلق“ کہا جاتا ہے اور یہ ”قبیلہ خزاعہ“ کی ایک شاخ ہے۔ مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ”قدید“ ہے۔ قدید کے اطراف میں ساحل کے قریب ایک چشمے کا نام ”مرسیع“ ہے اور اس قبیلہ کے افراد اسی چشمہ کے ارد گرد رہائش پذیر تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اس قبیلے کے سردار اور سربراہ کا نام ”حارث بن ابی ضرار“ تھا۔ بنو خزاعہ کے لوگ عام طور پر رسول کریم ﷺ کے طرف دار تھے مگر بنو مصطلق قریش مکہ کے حمایتی تھے۔

ماہ شعبان ۵ ہجری میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلے اور کچھ دیگر عرب سرداروں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی تیاری کر رہا ہے اور یہ لوگ کسی وقت بھی مدینہ طیبہ پر حملہ کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے تحقیق احوال اور اس خبر کی تصدیق کے لیے اپنے ایک صحابی جناب بریدہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے وہاں جا کر صورت حال کا باریک بینی سے جائزہ لیا، مختلف لوگوں سے معلومات حاصل کیں اور قبیلے کے سردار حارث سے بھی ملاقات کی اور واپس آ کر آپ ﷺ کو وہاں

کے حالات کی اطلاع دی اور اُن کی جنگی تیاریوں سے آگاہ فرمایا تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا اور فیصلہ فرمایا کہ اُن کے حملے سے قبل ہی وہاں چھاپہ مار کارروائی کی جائے تاکہ انہیں مدینہ مبارکہ پر حملے کا موقع ہی نہ مل سکے۔

چنانچہ نبی محترم ﷺ اصحاب عظام کی ایک جمعیت کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر جب قبیلہ بنو مصطلق کے رہائشی مقام ”مریسع“ کے قریب پہنچے تو وہ اہل اسلام کی فوج کو اچانک دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے اور جو عرب اُن کے ساتھ تھے وہ سب ادھر ادھر بکھر گئے، بنو مصطلق نے صف بندی کر کے لڑنے کی کوشش کی مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ کچھ دیر تیروں کا تبادلہ ہوا پھر رسول پاک ﷺ کے حکم پر جب اسلامی فوج نے یکبارگی حملہ کیا تو کافروں کے بہت سارے لوگ مارے گئے، باقی بھاگ گئے اور مسلمانوں نے اُن کے مال مویشی پر قبضہ کر کے اُن کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُونَ وَأَنْعَامُهُمْ تَسْقَى عَلَى الْمَاءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبَى ذَرَارِيَّهُمْ وَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ جَوِيرِيَّةً۔

(صحیح بخاری، کتاب العتق، باب من ملک من العرب وباع)

”نبی اکرم ﷺ نے جب بنو مصطلق پر حملہ کیا تو وہ بالکل غافل تھے اور اُن کے جانور (چشمہ پر) پانی پی رہے تھے۔ اُن کے لڑنے والے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا۔ ان قیدیوں میں ایک ”جویریہ“ بھی تھیں۔“

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا:

جویریہ، قبیلہ بنی مصطلق کے رئیس، سربراہ اور سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھی جسے دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار کر کے مدینہ طیبہ لایا گیا اور قبیلے کی دوسری خواتین کی طرح اسیران جنگ کی حیثیت سے کنیزیں اور لونڈیاں قرار دے کر مال غنیمت کی طرح مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس تقسیم غنائم میں جویریہ جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ وہ چونکہ رئیس قوم کی صاحبزادی تھی لہذا اُسے لونڈی کی حیثیت سے زندگی گزارنا

گوارانہ ہوا تو اُس نے جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے ”مکاتبت“ کی درخواست کی..... مکاتبت کا مفہوم یہ ہے کہ لونڈی یا غلام اپنے مالک کو طے شدہ رقم ادا کر دے تو اُسے آزادی حاصل ہو جاتی ہے..... چنانچہ ثابت رضی اللہ عنہ نے اُن کی درخواست کو قبول فرمایا اور معاہدہ طے پا گیا کہ جویریہ طے شدہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیں گی۔

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”معاہدہ مکاتبت“ کے بعد جویریہ دربار رسالت میں حاضر ہوئی اور نہایت ادب سے عرض کی:

يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا جُوزِيرِيَّةُ بِنْتُ الْحَارِثِ
وَإِنَّمَا كَانَ أَمْرِي مَا لَا يَخْفَى عَلَيْكَ وَإِنِّي وَقَعْتُ فِي سَهْمِ
ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ وَإِنِّي كَاتَبْتُ عَلَى نَفْسِي فَجِئْتُ أَسْأَلُكَ فِي
كِتَابَتِي۔

”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی ”جویریہ“ ہوں (اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی رسالت کا اقرار کر کے مسلمان ہو چکی ہوں) میرا معاملہ آپ سے مخفی نہیں ہے، میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں اور انہیں میں نے مکاتبت پر راضی کر لیا ہے (اور زرِ کتابت نو اوقیہ یعنی تین سو ساٹھ درہم سونا مقرر ہوا ہے) میں آپ کی خدمتِ عالیہ میں تعاون کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں (آپ سرِ ایا رحمت و شفقت اور خواتین کے ہمدرد و خیر خواہ ہیں۔ اگر میری آزادی کے لیے معاونت فرمائیں تو زندگی بھر ممنون احسان رہوں گی)۔“

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے جویریہ کی داستانِ غم سن کر فرمایا اے جویریہ! ((فَهَلْ لَكَ إِلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ قَالَتْ وَمَا هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَدَّى عَنْكَ كِتَابَتُكَ وَاتَزَوَّجُكَ))

”اگر تمہارے ساتھ تمہارے مطالبے سے بہتر سلوک کیا جائے تو پسند کرو گی؟ جویریہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہو سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے

فرمایا: وہ یہ ہے کہ میں تمہارا زکات بھی ادا کر دیتا ہوں اور تمہیں اپنی زوجیت میں لینا چاہتا ہوں۔“

جویریہ کے لیے اس سے بڑھ کر سعادت مندی، خوش قسمتی اور نیک بختی کیا ہو سکتی تھی کہ وہ یک دم لونڈی کی حیثیت سے نکل کر زوجہ رسول اور اُم المومنین کے منصبِ جلیل پر فائز ہو جائے۔ لہذا اُس نے آپ ﷺ کا ارشاد مبارک سنتے ہی کہا:

قَدْ فَعَلْتُ۔ مجھے منظور ہے۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اُن کا زکات ادا کر کے بحیثیت ولی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر کے اُنہیں اپنی زوجیت میں لے لیا اور اُنہیں چار سو درہم حق مہر ادا کیا۔ جب عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر ہوئی کہ آپ ﷺ نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا ہے تو اُنہوں نے قبیلہ بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور کہا کہ چونکہ یہ رسول اکرم ﷺ کے سرال بن گئے ہیں اس لیے ان کے احترام کا تقاضا ہے کہ اُنہیں رہا کر دیا جائے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ:

فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً كَانَتْ اَعْظَمُ بَرَكَهَ عَلَى قَوْمِهَا اُعْتَقَ فِي سَبَبِهَا مِائَةُ اَهْلِ بَيْتٍ مِّنْ بَنِي الْمُصْطَلَقِ۔

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی بیع الکاتب اذا.....)

”ہم نے جویریہ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے خیر و برکت والی کوئی عورت نہیں دیکھی کہ اس کی وجہ سے بنو مصطلق کے سو خاندانوں کے قیدیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔“

حارث کا قبولِ اسلام:

قبیلہ بنو مصطلق کے رئیس اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار کو جب یہ اطلاع ملی کہ اُس کی بیٹی جویریہ کو قید کر کے لونڈی بنا لیا گیا ہے تو اُس نے اپنی بیٹی کی رہائی کے لیے مختلف تدابیر و تجاویز پر غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ محمد ﷺ سے اپنی بیٹی کو ہر صورت آزادی دلائیں گے چاہے اُس کے لیے جتنا بھی مال دولت خرچ اور ادا کرنا پڑے۔ چنانچہ وہ

اور اُس کے دو بیٹے اونٹوں کی ایک معقول تعداد بطورِ فدیہ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے، دیگر زعماء قبیلہ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ جب مدینہ کے قریب ”وادی عقیق“ میں پہنچے تو حارث نے ایک نظر اونٹوں کی لمبی قطار پر ڈالی جسے وہ اپنی بیٹی کے بدلے رسول اللہ ﷺ کو پیش کرنے کے لیے ساتھ لایا تھا۔ اونٹوں کی طویل قطار میں سے دو اونٹ اُسے بہت زیادہ پسند آئے جنہیں رسول اکرم ﷺ کو دینے میں اُسے تامل ہوا اور اُس نے وہ دونوں اونٹ عقیق کی وادی میں چھپا دیئے کہ واپس آ کر یہاں سے لے لیں گے۔ ادھر رسول محترم ﷺ کو بذریعہ وحی ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا گیا اور اونٹوں کو غائب کرنے کا واقعہ بھی بتا دیا گیا تھا۔ حارث بن ابی ضرار اپنے دو بیٹوں اور دیگر ارکانِ وفد کے ہمراہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور نہایت لجاجت سے عرض کی:

”يَا مُحَمَّدُ! هَذَا فِدَاءُ ابْنَتِي۔“

اے محمد ﷺ! (تم میری بیٹی کو گرفتار کر کے لے آئے ہو) یہ (اونٹوں کی لمبی قطار) میری بیٹی کا فدیہ ہے۔ اسے قبول کرو۔ اور میری نورِ نظر کو رہا کر دو۔“

آپ ﷺ نے ایک نظر اونٹوں کی قطار کو دیکھا اور مسکرا کر حارث سے پوچھا:

((فَإِنَّ الْبَعِيرَانَ الذَّانِ غَيَّبْتَهَا بِالْعَقِيقِ))

”وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنہیں تم وادی عقیق میں چھپا آئے ہو؟“

حارث رسول اکرم ﷺ کی یہ بات سن کر بڑا حیران، پریشان اور پشیمان ہوا اور سوچنے لگا کہ یہ بات تو میں نے کسی کو بھی نہیں بتائی، بلکہ صرف میرے دل کا خیال تھا جسے میں نے عملی جامہ پہنایا۔ اور ہمارے وفد کا کوئی آدمی ہم سے پہلے مدینہ میں بھی نہیں آیا تو انہیں ہمارے یہاں آنے سے پہلے میرے خیال اور میرے عمل کی اطلاع کیسے ہو گئی؟ کافی سوچ و بچار کے بعد آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ محمد ﷺ کو اس صورتِ حال سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی آگاہ نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا نبی، پیغمبر اور رسول ہے۔ اور ہمیں اس پر ایمان لا کر اپنی دنیا اور آخرت کو سنوار لینا چاہیے، حارث نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! آپ کی دعوت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے کلمہ شہادت سنایا تو وہ، اُس کے

دونوں بیٹے اور دیگر ارکانِ وفد اُسی وقت پکاراٹھے۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ مَا أَطَّلَعَ عَلَى
ذَلِكَ إِلَّا اللَّهُ۔ فَاسْلَمَ وَأَسْلَمَ مَعَهُ ابْنَانِ وَنَاسٌ مِّنْ قَوْمِهِ۔

”ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم اس (اونٹوں کو غائب کرنے والے) معاملے کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ لہذا اُسی نے آپ کو مطلع کیا ہے۔ پس اس معجزہ رسول کو دیکھ کر حارث، اُس کے دونوں بیٹے اور اُس کی قوم فوراً مسلمان ہو گئے۔“ (سیرۃ النبی ﷺ لابن ہشام باب ۱۳۶)

بعد ازاں ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ زیر بحث آیا تو حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ کو یہ جان کر خوشی اور مسرت ہوئی کہ اس کی بیٹی کنیزہ اور لونڈی نہیں بلکہ زوجہ رسول، مومنوں کی ماں اور ایک آزاد و معزز خاتون ہیں، تاہم اُس نے درخواست کی کہ میری بیٹی کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے۔ آپ ﷺ نے معاملہ جویریہ رضی اللہ عنہا پر چھوڑ دیا تو انہوں نے فرمایا: فَإِنِّي أَخْتَارُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو پسند فرمالیا ہے، اب میں باپ کے گھر جانے کی بجائے رسول اکرم ﷺ کے گھر رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔ سبحان اللہ۔ جناب حارث رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں پہلی مرتبہ حاضری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِي إِلَى الْإِسْلَامِ
فَدَخَلْتُ فِيهِ وَأَقْرَرْتُ بِهِ فَدَعَانِي إِلَى الزَّكَاةِ فَأَقْرَرْتُ بِهَا۔

(مسند احمد، صفحہ: ۳۰۸، جلد ۴ حدیث الحارث بن ضرار الخزاعی)

”میں رسول اللہ ﷺ کے پاس (فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو رہا کروانے کے لیے) آیا تو آپ ﷺ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ آپ ﷺ کے کہنے پر میں اسلام میں داخل ہو گیا اور اس (توحید الہی، رسالت محمدی اور پنجگانہ نماز) کا اقرار کر لیا۔ پھر آپ ﷺ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا

جسے میں نے فوراً تسلیم کر لیا۔“

آیت حجرات کا شان نزول:

ان ابتدائی اور ضروری گزارشات کے بعد اب سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ کا شان نزول سنئے تو ان شاء اللہ العزیز اس کا پورا مفہوم ذہن نشین ہو جائے گا۔ اللہ رحیم و کریم عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی جناب حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ نے سعادت اندوز اسلام ہونے کے بعد رسول مقبول ﷺ سے واپسی کی اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول!

أَرْجِعْ إِلَى قَوْمِي فَأَدْعُوهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَدَاءِ الزَّكَاةِ فَمَنْ اسْتَجَابَ لِي جَمَعْتُ زَكَاتَهُ فَيُرْسِلُ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا لَا يَأْتِيَنِي كَذًا وَلَا كَذًا لِيَأْتِيَنِي مَا جَمَعْتُ مِنَ الزَّكَاةِ۔

”میں اپنی قوم کی طرف واپس جا رہا ہوں اور انہیں اسلام قبول کرنے (نماز پڑھنے) اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دوں گا۔ تو جو لوگ میری بات کو تسلیم کر لیں گے میں اُن سے زکوٰۃ وصول کر کے جمع کر لوں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو اپنا کوئی نمائندہ میرے پاس بھیج دیں۔ میں زکوٰۃ کا جمع شدہ مال اُس کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔“

جناب حارث رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم میں واپس آ کر انہیں اسلام، نماز اور زکوٰۃ کی دعوت دی تو عوام نے اپنے سردار کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اقرار توحید و رسالت کیا (نماز پڑھنا شروع کر دی) اور زکوٰۃ کا مال جناب حارث رضی اللہ عنہ کے پاس جمع کروا دیا۔ چنانچہ جب وہ مقررہ وقت آیا اور رسول اللہ ﷺ کا کوئی نمائندہ اور قاصد حارث رضی اللہ عنہ کے پاس نہ پہنچا تو چند دن گزرنے کے بعد اُس نے اپنی قوم کے معزز اور معتبر افراد کو جمع کیا اور اُن سے کہا:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ وَقَّتَ لِي وَقْتًا يُرْسِلُ إِلَيَّ رَسُولَهُ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدِي مِنَ الزَّكَاةِ وَلَيْسَ

مِنْ رَّسُولِ اللَّهِ الْخَلْفُ وَلَا أَرَى حَبْسَ رَسُولِهِ إِلَّا مِنْ سَخَطَةٍ
كَانَتْ فَانْطَلِقُوا فَنَأْتِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”یقیناً رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے وقت مقرر فرمایا تھا کہ آپ میرے پاس کسی عامل کو بھیجیں گے تاکہ وہ میرے پاس جمع شدہ زکوٰۃ کا مال وصول کر کے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دے۔ (وہ مقررہ وقت اتنے دن ہوئے گزر چکا ہے مگر آپ ﷺ کا قاصد ہمارے پاس نہیں پہنچا) اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ وعدہ خلافی تو نہیں کر سکتے (کیونکہ آپ ﷺ تو وعدے کے بڑے پابند اور عہد کی پاس داری کرنے والی شخصیت ہیں) اور مجھے تو اس بات کی سمجھ نہیں آرہی کہ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے آدمی کیوں نہیں بھیجا۔ سوائے اس کے کہ مجھے خدشہ ہے کہ آپ ﷺ کسی وجہ سے ہمارے ساتھ ناراض ہو گئے ہیں۔ لہذا اگر تم میری رائے سے اتفاق کرو تو ہمیں خود دربار رسالت میں حاضر ہو کر آپ کی خدمت اقدس میں زکوٰۃ کا مال پیش کرنا (اور آپ ﷺ کی زیارت اور ملاقات کرنی) چاہیے۔“

(مسند احمد، صفحہ ۳۰۸، جلد ۴، حدیث الحارث بن ضرار الخزاعی)

چنانچہ تمام لوگوں نے جناب حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے قبیلہ بنو مصطلق کے عمائدین و قائدین کا ایک وفد ترتیب دیا اور جمع شدہ زکوٰۃ کا مال ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ آپ ﷺ کے رُخ انور کی زیارت سے دلوں کو سکون و قرار پہنچا سکیں، آپ ﷺ کی ملاقات کی سعادت حاصل کر سکیں اور جمع شدہ زکوٰۃ کا مال خود حاضر ہو کر دربار رسالت میں پیش کر سکیں اور چند دن مدینہ طیبہ میں گزار کر اپنا ایمان تازہ کر سکیں۔

ادھر یہ پاکیزہ جذبات، عقیدت مندانہ خیالات اور اعلیٰ تصورات اور دوسری طرف مدینہ طیبہ میں یہ صورت حال کہ جب جناب حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ طے کردہ مقررہ وقت آیا تو:

بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلِيدَ بْنَ عُقْبَةَ إِلَى

الْحَارِثِ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدَهُ مِمَّا جَمَعَ مِنَ الزَّكَاةِ فَلَمَّا أَنْ سَارَ الْوَلِيدُ حَتَّى بَلَغَ بَعْضَ الطَّرِيقِ فَرَّقَ فَرَجَعَ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِي الزَّكَاةَ وَأَرَادَ قَتْلِي-

(مسند احمد، جلد ۴ حدیث الحارث بن ضرار الخزاعی)

”رسول اللہ ﷺ نے ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ کو اپنا سفیر بنا کر حارث رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ اُن سے زکوٰۃ کا جمع شدہ مال وصول کر لائیں۔ جناب ولید رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر راستہ میں کسی مقام پر پہنچے تو ڈر گئے اور خوف زدہ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور مدینہ میں آ کر آپ ﷺ کو رپورٹ دی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! حارث نے مجھے زکوٰۃ کا جمع شدہ مال دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گیا۔“

اصل صورت حال:

اصل صورت حال یہ تھی کہ جناب ولید رضی اللہ عنہ کے خاندان اور قبیلہ بنو مصطلق کے درمیان زمانہ جاہلیت میں دشمنی، عداوت اور اختلاف تھا اور جناب ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ زمانہ کفر میں اس قبیلہ کے ایک شخص کو قتل بھی کر چکے تھے۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کی طرف زکوٰۃ کی وصولی کے لیے اپنا نمائندہ مقرر فرمایا تو وہ انکار نہ کر سکے اور فرمان رسول کے مطابق بنو مصطلق کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن دورانِ سفر اُن کے دل میں مسلسل یہ ڈر، خوف اور خدشہ رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ متقول کے ورنہاء مجھے پہچان لیں اور مجھے دیکھتے ہی اُن کے جذبات مشتعل ہو جائیں اور بے قابو ہو کر مجھے قتل نہ کر دیں، اسی کشمکش اور گولگو کی کیفیت میں انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ تا آنکہ وہ بنو مصطلق کی بستی کے قریب پہنچ گئے۔

ادھر قبیلہ بنو مصطلق کے لوگ اور اُن کے رئیس جناب حارث رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے وصولی افسر کاشت کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔ جب انہیں اندازہ ہوا کہ آپ ﷺ نے فلاں دن قاصد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اور مدینہ طیبہ سے ہمارے علاقے تک پہنچنے میں

اتنے دن صرف ہوتے ہیں لہذا نمائندہ رسول ہمارے علاقے میں پہنچنے ہی والا ہوگا تو وہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر رسول اکرم ﷺ کے سفیر کا استقبال کرنے کے لیے بستی سے باہر آ گئے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ الْوَلِيدَ بْنَ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ إِلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ لِيَأْخُذَ مِنْهُمْ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّهُمْ لَمَّا آتَاهُمُ الْخَبَرُ فَرَحُوا وَخَرَجُوا يَتَلَقَّوْنَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ لَمَّا حَدَّثَ الْوَلِيدُ أَنَّهُمْ خَرَجُوا يَتَلَقُّونَهُ رَجَعَ الْوَلِيدُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ بَنِي الْمُصْطَلِقِ قَدْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ فغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيدًا۔

(تفسیر ابن کثیر سورۃ الحجرات آیت ۶)

”رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنو مصطلق قبیلہ کی طرف صدقات کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا۔ جب بنو مصطلق کو خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہمارے ہاں پہنچنے والا ہے تو وہ بڑے خوش ہوئے اور ”سفیر رسول“ کا استقبال کرنے کے لیے اپنی بستی سے باہر نکل آئے۔ ادھر جناب ولید رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ یہ لوگ اکٹھے ہو کر مجھے مارنے کے لیے آرہے ہیں۔ چنانچہ وہ راستہ ہی سے واپس آ گئے اور مدینہ میں آ کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی کہ بنو مصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے (اور مجھے قتل کرنے کے لیے جمع ہو گئے تھے)۔ تو رسول اکرم ﷺ کو ان پر بڑا غصہ آیا۔“

یہ خبر آنا فانا پورے مدینہ طیبہ میں پھیل گئی، لوگ مشتعل ہو گئے اور مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشاورتی اجتماع ہوا جہاں اس صورت حال پر بحث ہوئی کہ بنو مصطلق نے رسول اکرم ﷺ کو دھوکہ دیا، بغاوت کی اور رسول محترم کے سفیر کو قتل کرنے کی کوشش کی جو دراصل آپ ﷺ کے قتل کی سازش کے مترادف ہے لہذا اس قبیلہ کے خلاف اعلان جنگ کیا

جائے کہ انہیں اس اقدام کی جرأت کیسے ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس لوگوں نے اپنے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا اور مدینہ طیبہ کی فضا خاصی جذباتی اور اشتعال انگیز ہو گئی۔ جب یہ خبر اُمّ المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو وہ از حد غمگین اور پریشان ہوئیں اور اس افواہ کے مطابق اپنے والد جناب حارث رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑی متفکر ہوئیں کہ وہ تو ایسی طبیعت کے آدمی نہیں ہیں۔ انہوں نے خود مدینہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کر کے اپنی آزاد مرضی اور خوشی سے اسلام قبول کیا تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی تھی کہ آپ فلاں دن قاصد بھیج دیں جو صدقات و زکوٰۃ کا مال وصول کر کے مدینہ طیبہ لے آئے۔ اب انہیں کیا ہوا؟ کہیں وہ مرتد تو نہیں ہو گئے؟ اور قبیلے کے عوام کے احتجاج سے مجبور ہو کر تو یہ قدم نہیں اٹھایا؟ الغرض حالات کشیدہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت جذباتی اور مشتعل تھی اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس عجیب و غریب صورت حال کی وجہ سے پریشان تھے کہ اب حارث میرا سر ہے۔ اُس کی بیٹی جویریہ میری بیوی ہے۔ نظر بظاہر وہ شریف النفس اور معاہدات کی پابندی کرنے والا نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم اُسے کیا ہو گیا ہے اور اصل صورت حال کیا ہے؟

خالد بن ولید کا دستہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لے کر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک فوجی دستہ تشکیل دیا۔ جس سے مدینہ طیبہ کی کشیدہ فضا میں ٹھہراؤ آ گیا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَيْهِمْ خَفِيَّةً فِي عَسْكَرٍ وَقَالَ: اُنْظُرْ فَإِنْ رَأَيْتَ مِنْهُمْ مَا يَدُلُّ عَلَى إِيمَانِهِمْ فَخُذْ مِنْهُمْ زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ وَإِنْ لَمْ تَرَ فَاسْتَغْمِلْ فِيهِمْ مَا يُسْتَعْمَلُ فِي الْكُفَّارِ۔ (بلوغ الامانی، کتاب التفسیر سورة الحجرات)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کی قیادت میں مجاہدین کا ایک لشکر اُن (قبیلہ بنو مصطلق) کی طرف بھیجا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ خوب اچھی طرح

تحقیق و تصدیق کر لینا۔ اگر اُن میں ایمانداروں والے کام نظر آئیں تو اُن کے مالوں کی زکوٰۃ وصول کر کے واپس آ جانا اور اگر اُن میں مومنوں والے اعمال و افعال نظر نہ آئیں تو پھر اُن سے وہی سلوک کرنا جو کافروں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔“

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے بنو مصطلق کے علاقے کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ آگے سے ایک قافلہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے فوجیوں کو الٹ کر دیا۔ اور اُس قافلے کی نگرانی کا حکم دیا۔ جب وہ قافلہ اس اسلامی لشکر کے قریب پہنچا تو خالد بن ولید اور دوسرے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہچان لیا کہ یہ تو قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار اور اُن کے ساتھ قاعدین و عمائدین قبیلہ ہیں۔ جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فوجیوں نے اس وفد کو گھیرے میں لے لیا اور اُن سے استفسار کیا کہ ”تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔“ اُنہوں نے بتایا کہ ہم مدینہ طیبہ میں رسولِ محترم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے جا رہے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے ہمارے پاس اپنا نمائندہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ مقررہ وقت پر ہمارے پاس نہیں پہنچا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ وعدہ خلافی تو نہیں کر سکتے۔ کہیں آپ ہماری کسی حرکت پر ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ چنانچہ ہم زکوٰۃ کا جمع شدہ مال لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں تاکہ اسلامی بیت المال میں اپنا حصہ خود جمع کروائیں اور آپ کی زیارت و ملاقات سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو سکون و سرور پہنچائیں اور ہاں۔ آپ لوگ اسلحہ اٹھائے کہاں جا رہے ہو؟ اُنہوں نے بتایا کہ تمہاری طرف۔ اُنہوں نے پوچھا کیوں؟ تو جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء اُن کی باتیں سن کر بڑے حیران ہوئے اور اُن سے کہا کہ اے حارث!

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَعَثَ إِلَيْكَ الْوَلِيدَ
بْنَ عُقْبَةَ فَرَعَمَ أَنَّكَ مَنَعْتَهُ الزَّكَاةَ وَارْدَتْ قَتْلَهُ قَالَ لَا:
وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ مَا رَأَيْتُهُ بَتَّةً وَلَا آتَانِي۔

”بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمہاری طرف ولید بن عقبہ کو اپنا نمائندہ بنا کر

بھیجا تھا۔ اُس نے واپس آ کر بتایا کہ تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور اُس کے قتل کا پروگرام بنایا۔ حارث اور اُن کے ساتھی یہ بات سُن کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے: قسم ہے اُس ذاتِ الہی کی جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ہم نے تو اُسے کبھی دیکھا ہی نہیں اور وہ قطعاً ہمارے پاس نہیں آئے۔“

الحمد للہ ہم مسلمان ہیں۔ یہ زکوٰۃ کا مال ہمارے پاس ہے، ہم تو نمائندہ رسول کا انتظار کرنے کے بعد خود خدمتِ رسول میں حاضری کے لیے جا رہے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے یہ اطلاعات رسولِ اکرم ﷺ کو کیوں پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے اس طرح کیوں کیا؟، بہر حال آپ لوگ ہمارے ساتھ مدینہ طیبہ واپس چلیں۔ ہم خود خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر صورتِ حال کی وضاحت کریں گے۔ مختصر یہ کہ حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ہمراہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے فوجی دستے کے ساتھ اکٹھے خدمتِ رسول میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے جناب حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((مَنْعَتَ الزَّكَاةَ وَارَادَ قَتْلَ رَسُولِي قَالَ: لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْتُهُ وَلَا آتَانِي وَمَا أَقْبَلْتُ إِلَّا حِينَ احْتَبَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَشِيتُ أَنْ تَكُونَ سَخَطَةً مِّنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولِهِ۔ فَنَزَلَتِ الْحُجُرَاتُ.....

(مسند احمد جلد ۴، حدیث الحارث بن ضرار الخزاعی)

”کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے عامل و تحصیلدار کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا؟ حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ ایسی قطعاً کوئی بات نہیں۔ مجھے اُس ذات (اللہ تعالیٰ) کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ نہ میں نے اُسے دیکھا اور نہ وہ میرے پاس آیا۔ اور میں تو رسول اللہ ﷺ کے قاصد کے نہ پہنچنے کے باعث ہی حاضر خدمت ہوا ہوں۔ جب آپ کا عامل حسبِ وعدہ ہمارے پاس نہیں آیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ اس لیے ہم خود خدمتِ نبوی میں

حاضر ہوئے ہیں تاکہ معلوم کر سکیں کہ آں جناب نے اپنا سفیر کیوں نہیں بھیجا۔“
جب مسجد نبوی میں حارث بن ابی ضرار اور اُن کے ساتھی وضاحتیں پیش کر رہے تھے تو
عین اُسی وقت ذات رسالت مآب ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور آپ کے قلب اطہر
پر سورة الحجرات کی یہ آیت نازل فرمائی گئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا
بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝۱ وَاعْلَمُوا أَن فِيكُمْ رَسُولَ
اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ ۝﴾ (الحجرات: ۶-۸)

”اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اُس کی خوب تحقیق
کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لاعلمی میں کسی قوم کو تکلیف پہنچا دو۔ پھر تمہیں اپنے
اس فعل پر شرمندہ ہونا پڑے (اور اے اصحابِ رسول) جان لو کہ رسول
اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں۔ اگر وہ اکثر معاملات میں تمہارا کہا مانیں تو تم
مشقت میں پڑ جاؤ۔“

یعنی اگر تمہارے اصرار، مطالبے اور مشورے پر آپ ﷺ جلد بازی میں بنو مطلق پر
فوج کشی کر دیتے، تمہارے کہنے کے مطابق انہیں تہس نہس کر دیتے اور تمہاری خواہش پر اُن
کا نام و نشان مٹا دیتے تو تم اندازہ کرو کہ صورت حال کیا ہوتی؟ کتنے مسلمان تمہارے ہاتھوں
قتل ہوتے۔ کتنے سہاگ اُجڑتے۔ کتنے بچے یتیم ہوتے۔ اہل ایمان کا کتنا نقصان ہوتا اور
لوگوں کی نظروں میں تمہاری کیا قدر و قیمت رہ جاتی؟ اس لیے تم رسول اللہ ﷺ کو غلط
اطلاعات پہنچا کر جذباتی بنانے کی کوشش نہ کیا کرو۔ وہ تمہارے فرماں بردار نہیں۔ بلکہ تم اُن
کے فرماں بردار ہو۔ اُن کے لیے تمہاری بات ماننا ضروری نہیں بلکہ تمہارے لیے اُن کی ہر
بات ماننا لازم ہے۔ اگر وہ تمہاری ہر بات تسلیم کر کے اُس کے مطابق فیصلے فرمانا شروع کر دیں
تو تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمہارے لیے سختیاں برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس
لیے تم رسول پاک ﷺ کی اطاعت کرو۔ انہیں اپنی بات منوانے پر اصرار نہ کرو۔ کیونکہ
نبی ﷺ تمہارے مشورے کے پابند نہیں بلکہ تم اُن کی اطاعت کے پابند ہو..... اور.....

ہاں..... اگر بارگاہ رسالت میں تمہارا مشورہ قبول نہ ہو تو اس کا برا بھی نہ مانو کیونکہ تم پر وحی نہیں آتی بلکہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

ولید بن عقبہ کی معافی:

بعض لوگ جناب ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس آیت کے نزول کو آڑ اور بہانہ بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبانِ طعن دراز کرتے، اُن پر سب و شتم کرتے اور انہیں فاسق و فاجر قرار دینے کی ناپاک اور ناکام کوشش کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طہارت و پاک دامنی، ایمان کے ساتھ محبت و عقیدت اور اُن کے تقویٰ و خلوص کی تفصیلات اسی آیت کے اگلے الفاظ میں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر خیر ان شاء اللہ العزیز آئندہ کیا جائے گا۔ اب ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت طیبہ میں ”فاسق“ کے لفظ کو بنیاد بنا کر اصحاب رسول پر دُشنام طرازی کرنا نہایت فبیح حرکت اور بہت برا فعل ہے۔ جناب ولید رضی اللہ عنہ..... جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے..... کے خاندان اور قبیلہ بنو مصطلق کے درمیان زمانہ جاہلیت میں عداوت تھی۔ ان کے ہاتھوں قبل از اسلام اُن کا ایک آدمی قتل ہو چکا تھا۔ اس لیے بتقاضائے بشریت اُن کے قلب و ذہن میں ایک ڈر، خوف اور خدشہ تھا جس کی بناء پر اُن سے یہ خطا سرزد ہوئی کہ انہوں نے آپ ﷺ کو خلاف واقعہ اطلاع پہنچائی۔ جس کا انہیں بھی از حد صدمہ ہوا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ سے معافی طلب کی اور انہیں معاف بھی فرما دیا گیا۔

چنانچہ جب آپ ﷺ کو جناب حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ اور جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زبانی اصل حقائق معلوم ہوئے تو آپ ﷺ نے جناب ولید رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر اس غلط بیانی کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے صاف صاف بتا دیا تھا کہ میں اس قبیلہ کے ایک شخص کا قاتل ہوں مجھے خوف لاحق ہوا کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ اس لیے میں نے اپنے خیال میں اپنی جان بچانے کے لیے یہ انداز اپنایا جو غلط تھا۔ میں اپنے اس فعل پر اظہارِ ندامت کرتے ہوئے توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ سے بھی معافی کا طلب گار ہوں اور حارث بن ابی ضرار اور اُن کے قبیلے سے بھی معذرت کرتا ہوں۔ چنانچہ جناب حارث بن ابی ضرار نے دربار رسالت میں عرض کی

اے رسول اللہ ﷺ۔ جو ہوا سو ہوا۔ قبولِ اسلام کے بعد ولید ہمارا بھائی ہے۔ زمانہ کفر میں اس کے ہاتھوں ہمارے قبیلے کا جو آدمی قتل ہو گیا تھا۔ ہم مقتول کا خون معاف کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے بارے میں آپ کو جو اطلاعات پہنچائیں۔ اُن پر یہ نام ہیں۔ ہم ان کا عذر قبول کرتے ہیں۔ آپ بھی معاف فرمادیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے معافی کی دعا کریں۔ چنانچہ رسولِ رحمت ﷺ نے جناب ولید رضی اللہ عنہ کو معافی کی خوشخبری سنائی اور اس طرح یہ معاملہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اور نتیجۃ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے اہل ایمان کو پابند فرمادیا کہ وہ بلا تحقیق کسی سنی سنائی بات پر اعتبار و اعتماد نہ کریں۔ بلکہ پوری تحقیق و تفتیش اور خبر کی تصدیق کے بعد کوئی فیصلہ کریں تاکہ بعد میں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب ولید رضی اللہ عنہ کو حارث رضی اللہ عنہ نے معاف کر دیا۔ رسولِ مکرم ﷺ نے معاف فرمادیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے معافی کا اعلان فرمادیا تو ہمیں یا کسی اور کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ ایسے واقعات کو بنیاد بنا کر اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرے۔ اُن کے ایمان میں شک و شبہ کا اظہار کرے اور اُن کے بارے میں نازیبا الفاظ و کلمات استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بار بار فرماتا ہے کہ:

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ط﴾

”اللہ تعالیٰ تمام صحابہ کرام سے راضی اور وہ تمام اللہ تعالیٰ پر راضی ہیں۔“

سورۃ الحجرات کی اس آیت اور تفسیر سے ایک اور بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عظیم ضرور ہیں مگر معصوم نہیں۔ معصوم صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے، جن سے کبھی، کسی صورت اور کسی حال میں بھی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات سے بسا اوقات خطائیں سرزد ہوئیں مگر وہ اپنی لغزشوں سے توبہ کر کے فوراً پاک اور صاف ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات میں اُن کی صفاتِ جلیلہ اور اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ فرمایا۔

ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کی لغزش:

اب بات آگئی ہے تو آپ کو احادیثِ مبارکات سے ایک دو ایسے واقعات سنائے دیتا

ہوں جن سے عقیدے اور عقیدت کا یہ مسئلہ مزید نکھر کر سامنے آجائے گا کہ انسان ہونے کے ناطے کسی صحابی سے غلطی ہو جانا شرفِ صحابیت کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ اُن کی عظمت کا نشان ہے کہ وہ اپنی معمولی خطاؤں اور لغزشوں پر فوراً تادم ہو جاتے، توبہ اور استغفار کرتے اور اللہ رحیم و کریم اُنہیں معافی اور بخشش کی خوشخبریاں سنانے کے لیے عرش سے آیاتِ قرآنی نازل فرما دیتا۔ انہیں سعادت مندوں، نیک بختوں اور خوش قسمتوں میں سے ایک جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا اصل اسم گرامی رفاعہ اور والد کا نام عبدالمنذر تھا اور آپ مدینہ طیبہ کے قبیلہ اوس سے تعلق تھے۔ یثرب کے جن لوگوں نے حج کے موقع پر مکہ مکرمہ کے قریب ایک گھاٹی میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ملاقات کر کے قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی اُن میں ایک جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یعنی آپ ”بیعت عقبہ ثانیہ“ میں شریک تھے۔ اکثر غزوات میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ شریک رہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے راستہ سے اُنہیں اپنا نائب نامزد کر کے واپس مدینہ طیبہ بھیج دیا اور مالِ غنیمت میں شرکاءِ بدر کے برابر اُن کا بھی حصہ مقرر فرمایا۔ بعض دیگر غزوات کے موقع پر بھی اُنہوں نے مدینہ طیبہ میں نائب رسول کے فرائض سرانجام دیئے۔

غزوہ احزاب کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے تین ہزار افراد پر مشتمل اسلامی فوج کی قیادت کرتے ہوئے بد عہد، فتنہ پرور اور دھوکہ باز یہودیوں کے ایک قبیلے ”بنی قریظہ“ کے محلے کا محاصرہ کیا جو اکیس (۲۱) دن مسلسل جاری رہا۔ جب یہودی اس محاصرے سے تنگ آ گئے تو اُنہوں نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں صلح کی درخواست کی جسے اُن کی سابقہ بد عہدیوں، فتنہ پردازیوں اور خلافِ اسلام سرگرمیوں کے باعث مسترد کر دیا گیا اور رسولِ اکرم نے واپسی پیغام بھیج دیا کہ ہم آپ کے پاس سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیج رہے ہیں وہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاملات طے کریں گے اور اُن کا فیصلہ حتمی ہوگا۔ یہودیوں نے درخواست کی کہ سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے قبل ہمیں اپنے مسلمان حلیفوں سے مشورے کی اجازت دی جائے اور ہمارے پاس ابولبابہ کو بھیج دیا جائے۔ چنانچہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اُن کی خواہش پر

جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کے پاس مشاورت کے لیے بھیج دیا۔

جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے حلیف تھے اور اُن کے باغات، اہل و عیال اور تمام اموال اسی علاقے میں تھے۔ اس لیے یہودیوں کا خیال تھا کہ وہ ہمیں ہمارے مفاد میں صحیح مشورہ دیں گے۔ چنانچہ جب سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو آپ کو دیکھ کر تمام مرد آپ کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے اور عورتوں اور بچوں نے اُن کے سامنے چیخ و پکار شروع کر دی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ کا دل نرم ہو گیا۔

اب یہودی سرداروں نے جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم نے دوسروں کے مقابلے میں مشاورت کیلئے آپ کا انتخاب کیا ہے لہذا مہربانی فرما کر ہماری راہنمائی کریں کہ موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ کا مطالبہ ہے کہ ہم اُن کے آگے سر نہ رکھ دیں۔ ہتھیار ڈال دیں اور اپنے آپ کو اُن کے حوالے کر دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ ہمارے بارے میں آخری فیصلے کا اختیار سعد بن معاذ کو دے رہے ہیں اور انہیں ثالث و فیصل مقرر فرما رہے ہیں۔ کیا آپ ہمارے لیے مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم ہتھیار پھینک کر اپنے آپ کو اُن کے حوالے کر دیں۔ جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے زبان سے تو۔ ہاں۔ کہہ دی لیکن ہاتھ کو اپنے حلق پر پھیر کر اشارہ کر دیا کہ اس طرح ذبح اور قتل کر دیے جاؤ گے۔

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہاتھ سے اشارہ کرنے کے بعد ابھی میں اپنی جگہ سے ہٹا بھی نہ تھا کہ فوراً مجھے احساس ہو گیا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ اور میں نے تو جنگی راز فاش کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت و غداری کا ارتکاب کر لیا ہے۔ مجھے بڑی ندامت و پشیمانی ہوئی اور میں مسلسل۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھتا اور آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہاتا رہا یہاں تک میری داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور پشیمانی کے باعث مجھے خدمت نبوی میں حاضری کی ہمت نہ ہوئی۔

ادھر رسول اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی واپسی کے منتظر تھے مگر انہوں نے اپنے لیے از خود سزا تجویز کر لی اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کی



درخواست کرنے کی بجائے دوسرے راستے سے مسجد نبوی میں تشریف لے آئے اور اپنے آپ کو ریاض الجنۃ کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔ اور کھانا پینا بھی ترک کر دیا..... اُس ستون کو اُسٹوانہ توبہ اور اُسٹوانہ ابی البابہ کہا جاتا ہے..... اور قسم کھائی کہ میں بطور سزا اسی ستون سے بندھا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے اور امام الرسل ﷺ خود مجھے اپنے مبارک ہاتھوں سے رہا فرمائیں۔ جب ابوالبابہ رضی اللہ عنہ کی واپسی میں تاخیر ہو گئی تو آپ ﷺ کو تشویش ہوئی۔ چنانچہ حالات معلوم کیے گئے۔ تو پتہ چلا کہ ابوالبابہ رضی اللہ عنہ تو مسجد نبوی کے ستون سے بندھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر وہ میرے پاس آجاتے، غلطی کا اعتراف کر لیتے اور میں اُن کیلئے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا تو اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرما دیتا لیکن اب انہوں نے اپنے بارے میں خود ہی یہ فیصلہ کر لیا ہے تو جب تک اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ میں بھی انہیں رہا نہیں کروں گا۔

حضرات! قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے رسول محترم ﷺ کی یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں کہ اگر کسی سے کوئی غلطی، خطا، لغزش اور کوتاہی ہو جائے اور وہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے دعا کروائے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرما دیتا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (النساء: ۶۴)

”اور جب انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کر لیا تھا تو اگر وہ اُس وقت آپ (ﷺ) کے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے اور رسول اکرم ﷺ بھی اُن کیلئے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا از حد مہربان پاتے۔“

سیدنا ابوالبابہ رضی اللہ عنہ نے اس قرآن اصول پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اپنے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ سات دن تک اسی طرح مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ بندھے رہے۔ نماز اور حوائج ضروریہ کیلئے اُن کی اہلیہ اور کبھی اُن کی بیٹی انہیں کھول دیتیں اور پھر اسی

ستون کے ساتھ باندھ دیتی تھیں۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کھانا پینا چھوڑنے کی وجہ سے بڑے کمزور، لاغر اور نحیف ہو گئے۔ بصارت و سماعت بھی کمزور ہو گئی اور کھڑے ہونے کے قابل نہ رہے۔ مگر سات دن مسلسل صبح و شام۔ لیل و نہار اور دن رات اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزش کی معافی طلب کرتے رہے۔

ابولبابہ کی توبہ:

رسول اکرم ﷺ ایک رات اُم المؤمنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں آرام فرماتے۔ وقتِ سحر بیدار ہوئے۔ اور وضو کر کے نماز تہجد پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بھی مصروفِ عبادت تھیں کہ اچانک امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ بعد از سلام اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے جناب رسول کریم ﷺ سے ہنسنے کا سبب دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے بتایا کہ ابھی مجھے بذریعہ وحی آگاہ کیا گیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ کی توبہ کو قبول فرمالیا ہے۔“ اُم المؤمنین نے عرض کی۔ آقا! اگر اجازت ہو تو یہ خوشخبری ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو سنادوں۔ ارشاد ہوا، سنادو۔ اُم المؤمنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے کھڑکی سے آواز دی..... ”اے ابولبابہ! تمہیں مبارک ہو، رب العالمین نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ہے۔“ یہ آواز سننے کی دیر تھی کہ مسجد نبوی میں مصروفِ عبادت لوگ ابولبابہ کو کھولنے کے لیے دوڑ پڑے۔ مگر ابولبابہ نے کسی کے ہاتھوں رہا ہونے سے انکار کرتے ہوئے کہا: ”خبردار مجھے کوئی آزاد کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جبکہ تک رحمتِ عالم ﷺ اپنے دستِ مبارک سے میری رسیاں نہیں کھولیں گے۔ میں رہا نہیں ہوں گا۔“ چنانچہ آپ ﷺ جب نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے رسیاں کھول کر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو آزاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جناب ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کو قبول فرماتے ہوئے اپنے محبوب ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَاٰخِرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۙ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يُّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۙ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۷﴾ (۹/التوبہ: ۱۰۲)

”اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا،

انہوں نے ملے جلے عمل کیے تھے۔ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا ارحم مہربان ہے۔“
اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمانے اور انہیں رہائی دلوانے کے فوراً بعد اہل ایمان کی اصلاح و تربیت کے لیے حکم فرمایا کہ (تفسیر مظہری)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْلَئِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٢٨﴾ ﴿٢٧﴾ وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ٢٨﴾ (٨/ الانفال: ٢٧-٢٨)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو۔ اور تم آپس کی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو۔ اور تم جانتے ہو، اور جان لو کہ یقیناً تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔“

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قرآنی آیات کے نزول سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بسا اوقات بعض خطائیں سرزد ہوئیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُن پر کمال مہربانی فرماتے ہوئے اُن کی کوتاہیوں کو معاف فرمادیا اور اُن کے لیے قرآن حکیم کی آیات مبارکات میں مغفرت، بخشش اور معافی کا اعلان عام فرمادیا۔

پیغمبر زادوں کی جھوٹی خبر:

سورۃ الحجرات کی اس آیت مقدسہ میں اہل ایمان کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح و درستی کے لیے جو بنیادی اصول اور قاعدہ بیان فرمایا گیا وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو سنی سنائی باتوں پر اعتبار و اعتماد کرنے کی بجائے ہر خبر کی مکمل چھان بین اور تحقیق و تفتیش کرنی چاہیے تاکہ اطلاع اور واقعہ کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔ قرآن حکیم میں برادران یوسف کے ظلم و ستم کی داستان بالتفصیل بیان کی گئی ہے اور آخر میں جناب یعقوب علیہ السلام کی تحقیق و تفتیش کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ تاکہ قرآنی حکیم کی تعلیمات سے مستفید ہونے والے آگاہ ہو جائیں کہ بسا اوقات شیطان، پیغمبر کے صاحبزادوں کو بھی اپنے چنگل میں پھنسا لیتا

ہے اور اُن سے جرم کا ارتکاب کروا کے پھر جھوٹ بلواتا اور باپ کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے اُن سے غلط بیانی کرواتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جد الانبیاء جناب ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور جناب اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے سیدنا یعقوب علیہ السلام کو تین بیویوں اور دو لونڈیوں سے بارہ بیٹے نصیب فرمائے جو بڑے دراز قد، جفاکش اور بہادر تھے۔ اُن میں سے ایک صاحبزادے کا نام ”یوسف“ تھا۔ جو اپنی ذہانت، فطانت، دانائی، عقل مندی اور حسن و جمال کی وجہ سے جناب یعقوب علیہ السلام کی نظروں میں زیادہ معتبر، مقرب اور محبوب تھے اور یوسف و بنیامین کی والدہ کے انتقال کے باعث آپ علیہ السلام اپنے ان دونوں چھوٹے بیٹوں سے زیادہ پیار کرتے اور خیال رکھا کرتے تھے۔ اسی دوران جناب یوسف علیہ السلام کو ایک خواب آیا جو اُن کے روشن اور تابناک مستقبل کی غمازی کرتا تھا لہذا دس (۱۰) برادرانِ یوسف کے سینوں میں حسد کی آگ سلگنے لگی اور اُنہوں نے جناب یوسف کو ٹھکانے لگانے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دیں۔ آخر کار طے ہوا کہ کسی طرح یوسف کو ساتھ لے جا کر جنگل کے تاریک کنویں میں پھینک دیا جائے۔

جناب یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادوں نے اپنی سازش کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے ایک دن جنگل کی سیر کا پروگرام بنایا اور حیلے بہانے سے جناب یوسف کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کر لی اور جنگل میں لے جا کر بڑی بے دردی، سفاکانہ اور ظالمانہ طریقے سے اُنہیں ایک گہرے اور تاریک کنویں میں پھینک دیا اور والد کے سامنے جنگلی درندے کے کھا جانے کی جھوٹی اور من گھڑت کہانی کو سچ ثابت کرنے کے لیے اُن کی قمیص کو اُتار لیا اور اُسے کسی جنگلی جانور یا اپنی بکری ذبح کر کے اُس کے خون سے رنگین کر لیا۔

حضرات! غور فرمائیں یہ حرکاتِ قبیحہ اور افعالِ شنیعہ پیغمبر زادے کر رہے ہیں جو نبی کے بیٹے، نبی کے پوتے اور جد الانبیاء کے پڑپوتے ہیں۔ ان کے والدِ گرامی جناب یعقوب علیہ السلام۔ دادا محترم جناب اسحاق علیہ السلام اور پڑدادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ جب حسد کی آگ بجھانے کے لیے صاحبزادگان یہ کچھ کر رہے ہیں تو عام آدمی کی ہر بات پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اسی

لیے اللہ تعالیٰ نے معاملات اور حالات کی تحقیق و تفتیش اور جانچ پڑتال کا حکم دیا ہے۔ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے کہ جب فرزند ان یعقوب عشاء کے وقت جنگل سے واپس آئے تو شہر میں داخل ہوتے ہی آہ و فغاں، چیخ و پکار اور واویلا شروع کر دیا اور جب گھر کے قریب پہنچے تو ان کے رونے میں اور زیادہ شدت آگئی۔ جناب یعقوب علیہ السلام جو دوپہر سے ان کی واپسی کے منتظر تھے..... نے یہ صورت حال دیکھ کر ان سے یوسف کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا:

”اباجی! ہم وہاں جنگل میں جا کر بھاگ دوڑ میں مشغول ہو گئے اور شوقِ مسابقت میں بہت دور نکل گئے۔ یوسف، چونکہ کم عمر تھا اور ہمارے ساتھ دوڑ میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے ہم اُسے اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ جہاں وہ اکیلا تھا۔ کم سن تھا اور جنگلی درندوں سے محفوظ رہنے کے طریقوں سے بھی ناواقف تھا۔ اسی دوران ایک بھیڑیا آیا اور یوسف کو اکیلے پا کر شکار کیا اور کھا گیا۔ والد محترم! ہم آپ کو سچی بات سن رہے ہیں۔ اگرچہ ہمیں پتہ ہے کہ آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے۔“ اللہ اکبر۔

قرآن مجید برادرانِ یوسف کی اس من گھڑت، جھوٹی اور خود ساختہ کہانی کو یوں بیان فرماتا ہے کہ وہ صاحبزادے:

﴿وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نُسْتَبِثُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝﴾ (۱۲/ یوسف: ۱۶، ۱۷)

”اپنے والد کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے، اے اباجی! بے شک ہم دوڑنے لگے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔ تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔ اور آپ ہم پر یقین نہیں کریں گے، اگرچہ ہم سچے ہیں۔“

پیغمبرزادوں نے اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے اور اپنے والد کو من گھڑت خبر کا یقین دلانے کے لیے جناب یوسف علیہ السلام کی قمیص بھی پیش کی اور کہا والد محترم! یہ ہے ہمارے

پیارے بھائی یوسف کی قمیص، خونِ یوسف سے شرابور۔ اس نے بڑھ کر ہماری خبر کی صداقت کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں واقعی درست اور صحیح کہہ رہے ہیں۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں:

﴿وَجَاءُ عَلَى قَبِيضٍ بِدَمٍ كَذِبٍ ط﴾

”برادرانِ یوسف اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے۔“

جناب یعقوب علیہ السلام کی تحقیق:

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے لیے اپنے لاڈلے، پیارے اور محبوب لختِ جگر کی جدائی کا صدمہ ناقابلِ برداشت تھا۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں کی زبانی جناب یوسف کو بھیڑیے کے کھا جانے کی خبر سنی اور قمیصِ یوسف کو خون سے رنگین دیکھا تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور بے ہوش ہو کر گر گئے۔ رات بھر بے ہوش رہنے کے بعد جب صبح ہوش آیا اور طبیعت قدرے بحال ہوئی تو آپ علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ مجھے اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے بیٹوں کی اطلاع پر کلی اعتبار و اعتماد کرنے کی بجائے پوری چھان بین اور تحقیق و تفتیش کرنی چاہیے کہ اصل وقوعہ کیا ہے اور صورتِ حال کی حقیقت کیا ہے؟ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اپنے فرزند ارجمند جناب یوسف علیہ السلام کی قمیص سے تحقیق کا آغاز فرمایا۔ اور صاحبزادوں کو حکم دیا کہ ”لاؤ مجھے دکھاؤ یوسف کی وہ قمیص جسے تم نے اپنے دعویٰ کی دلیل کے طور پر پیش کیا تھا۔“ برادرانِ یوسف نے سمجھا کہ باپ کو ہماری باتوں پر یقین آ گیا ہے لہذا فوراً وہ قمیص حاضرِ خدمت کر دی اور نہایت لجاجت سے بولے: ”ابا جی! یہ ہے ہمارے پیارے بھائی کی قمیص۔ افسوس کہ ہم وہاں موجود نہ تھے۔ اگر ہم وہاں ہوتے تو اپنے چھوٹے بھائی کو ضرور بچا لیتے۔ چاہے ہم میں سے کسی کی جان ہی چلی جاتی۔ ابا جی! ہم واقعتاً بے قصور و بے گناہ ہیں اور یوسف کی ہلاکت میں ہمارا کوئی کردار نہیں ہے۔ یہ ہے۔ ابا جی! یوسف کی قمیص۔“

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر یوسف کی قمیص کو ہاتھوں میں پکڑا۔ اُسے الٹ پلٹ کر بنظرِ غائر ملاحظہ فرمایا۔ قمیص کے بازو اور آگے پیچھے کو بار بار دیکھا اور یہ جان کر بڑے

حیران ہوئے کہ یوسف کی قمیص بالکل سلامت تھی۔ کہیں سے پھٹی ہوئی نہ تھی اور بھیڑے کے دانتوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ انتہائی غور و خوض، سوچ و بچار اور جانچ پڑتال کے بعد آپ ﷺ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا:

”صاحبزادو! اگر کسی بھیڑیے نے میرے نورِ نظر یوسف کو کھایا ہوتا تو اُس کی جو قمیص تم نے پیش کی ہے۔ وہ کہیں سے پھٹ جاتی۔ اُس میں بھیڑیے کے دانتوں کے نشان ہوتے۔ کہیں اُس کے پنچے کا نشان ہوتا اور یہ قمیص خاک آلود بھی ہوتی مگر میں حیران ہوں کہ وہ کیسا سمجھدار درندہ تھا جس نے یوسف کو تو سارا کھالیا مگر گرتے کو خراش تک نہیں آنے دی۔ کیا اُس نے یوسف کو لقمہ بنانے سے پہلے اس کی قمیص کو اتار لیا تھا۔ اور اگر قمیص یوسف اتار لی گئی تھی تو اُسے خون آلود کس نے کیا ہے؟۔ میں حیران ہو رہا ہوں کہ وہ بھیڑیا کیسا باادب تھا جو یوسف کے سارے جسم کو تو کھا گیا مگر اُس کے گرتے کی بے ادبی نہ کی۔ ایسا بھیڑیا مجھے بھی دکھاؤ تا کہ میں اُس رحمِ دل، مہربان اور باادب بھیڑیے کی زیارت کر سکوں۔“

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے برادرانِ یوسف سے فرمایا:

مَا أَرَىٰ بِهِ أَثَرَنَا وَلَا ظُفْرٍ إِنَّ هَذَا لَسَبْعٌ رَّحِيمٌ۔ وَقَالَ تَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ ذُبًّا أَحْلَمَ مِنْ هَذَا أَكَلَ ابْنِي وَلَمْ يَمْزُقْ عَلَيْهِ قَمِيصَهُ۔

”مجھے تو اس قمیص میں بھیڑیے کے دانت اور ناخنوں کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ وہ بھیڑیا تو بڑا رحمِ دل تھا۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک اس سے زیادہ حلم والا کوئی بھیڑیا نہیں دیکھا کہ وہ میرے بیٹے کو تو کھا گیا مگر اُس کی قمیص پھاڑنے کی بے ادبی نہیں کی۔“

قصہ یوسف علیہ السلام کو پنجابی اشعار میں تفصیلاً بیان کرنے والے بزرگ مولوی عبدالستار رحمۃ اللہ نے جناب یعقوب علیہ السلام کی اس تحقیق و تفتیش کا حال پنجابی میں یوں بیان کیا

ہے کہ جناب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

جس بگیاڑ یوسف نوں کھادا، لہو اُس دا پیتا
گرتے دا کس کارن اُس نے، ادب زیادہ کیتا
چھک چھک بدن یوسف دا جس نے، توڑے بند تمامی
کیوں کر گرتے دا اُس جاتا، ادبوں شان گرامی
تُسیں کہو بگیاڑا کھادا، روشن بدر منیراں
کیوں گرتا رہیا سلامت، کیوں نہ ہو گیا لیراں
اوہ بگیاڑ تہاڑے نالوں، نکلیاں بہت پیارا
گرتے دا بے ادب نہ ہو یا، یوسف کھا گیا سارا
سیدنا یعقوب علیہ السلام کی تحقیق و تفتیش اور جانچ پڑتال کے نتیجے میں جب برادرانِ یوسف
کا کذب و افتراء واضح ہو گیا اور سیدنا یعقوب علیہ السلام پر ساری حقیقت منکشف ہو گئی تو آپ علیہ السلام
نے پیغمبرانہ فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بیٹوں سے فرمایا:

”یہ محض تمہارے نفسوں کی فریب کاری ہے اور تمہارے اس دعویٰ میں صداقت
و سچائی کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ سارا منصوبہ تمہارا خود ساختہ ہے۔ اب میں اس
حادثہ فاجعہ اور صدمہ عظیمہ پر ”صبرِ جمیل“ کروں گا۔“

قرآن مجید جناب یعقوب علیہ السلام کے الفاظ نقل فرماتا ہے کہ:

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى
مَا تَصِفُونَ ۝﴾ (۱۲/ یوسف: ۱۸)

”جناب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے یہ کام
آراستہ کر دکھایا۔ میں (اس جاں کاہ حادثہ پر) صبرِ جمیل ہی کروں گا اور جو کچھ تم
بیان کرتے ہو۔ اس پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔“

آپ نے غور فرمایا کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی تحقیق سے صورتِ حال بالکل واضح ہو گئی
اور برادرانِ یوسف کا جھوٹ کھل کر سامنے آ گیا۔ اگر آپ علیہ السلام خدا نخواستہ تحقیقِ احوال نہ

کرتے تو پیغمبر زادے اپنے کذب و افتراء کو سچ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت طیبہ میں بھی تحقیق اطلاعات کا حکم دیا گیا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾

”اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اُس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔“

بگاڑ کا اصل سبب:

حضرات! آج ہمارے دینی، دُنیاوی اور معاشرتی بگاڑ اور فساد کا اصل سبب یہی ہے کہ ہمارے ہاں کسی خبر، اطلاع اور افواہ کی تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی اور اکثر لوگ محض افواہوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کے دشمن اور مخالف بن جاتے ہیں۔ آپس میں نفرت کی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ اور معاشرہ انتشار و افتراق کا شکار ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بسا اوقات غیر مصدقہ اطلاعات کی بناء پر ہی لوگ ایک دوسرے کو مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں اور پھر یہ دشمنیاں کئی نسلوں تک پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ اور جب بعض سنجیدہ حلقے دونوں گروہوں کو قریب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور فتنہ و فساد کا اصل محرک اور سبب تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اکثر یہی صورت حال سامنے آتی ہے کہ کسی فتنہ پرور اور غیر ذمہ دار شخص نے غلط اطلاعات فراہم کیں۔ جن کی وجہ سے سارا معاملہ خراب ہوا اور نوبت قتل و غارت تک جا پہنچی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا اور پابند فرمایا ہے کہ تم ہر بات کو آنکھیں بند کر کے قبول و تسلیم نہ کر لیا کرو۔ اور محض خبر کی بنیاد پر کسی کے ساتھ حقارت و نفرت کا رویہ نہ اپنایا کرو بلکہ خبر و اطلاع کی غیر جانبدارانہ تحقیق کے بعد کوئی حتمی فیصلہ کیا کرو۔ ورنہ دُنیا اور آخرت میں نقصان اٹھاؤ اور پچھتاؤ گے۔

اگر بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو ہمارے دینی بگاڑ اور فساد کا اصل سبب بھی غیر مصدقہ اطلاعات اور سینہ بسینہ خبریں ہیں۔ آج ہمارے ہاں سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن کی قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے مگر لوگ اُن پر سختی سے عمل پیرا ہیں اور انہیں دین کا اہم حصہ اور

جزء سمجھتے ہیں مگر تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ یہ بات حضرت صاحب نے فرمائی ہے..... مفتی صاحب نے کہا ہے..... پیر صاحب کا ارشاد ہے..... مولانا کی تقریر ہے..... قاری صاحب سے سنا ہے..... دادا محترم یہی کہا کرتے تھے..... نانا جی کیا کرتے ہیں..... ابا جی کا عمل ہے..... امی سنایا کرتی تھیں..... دادو نے کیا تھا۔ نانوں نے بتایا ہے..... اور سب سے بڑھ کر ہماری مسجد کے خطیب صاحب نے فرمایا ہے..... بس ہماری تمام دینی معلومات و تعلیمات کے سرچشمے یہی ہیں۔

حضرات! سوچیں ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا ہے؟ کتنے ہیں جنہوں نے حدیث شریف کی کسی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے؟ کتنے ہیں جنہوں نے رسول محترم ﷺ کی سیرت طیبہ پر کوئی معیاری کتاب پوری پڑھی ہے؟ ہمارے اکثر لوگوں کا گزارا محض سنی سنائی باتوں، من گھڑت قصوں اور جھوٹی حکایتوں پر ہے..... آئیے! سورۃ الحجرات کی اس آیت طیبہ کی روشنی میں ہم اپنے معاملات و معمولات کا جائزہ لیں۔ سوچیں، غور کریں اور تحقیق و جستجو کی عادت ڈالیں۔ آنکھیں بند کر کے ہر بات پر یقین و اعتماد نہ کریں۔ بلکہ قرآن و حدیث سے استفادہ کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری اور مقدس کتاب قرآن مجید کو ہماری ہدایت و راہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے اور تشریح و توضیح اور تفسیر و تعبیر کے لیے امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ دین اسلام کے ان دوسرے چشموں کی طرف لوٹ آئے۔ انہیں کی طرف رجوع کریں۔ انہیں دو چیزوں کو جادہ حق، صراطِ مستقیم اور راہِ نجات گردانیں اور صرف قرآن و حدیث پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ کسی کے جبہ و ستار سے متاثر نہ ہوں۔ محض سنی سنائی باتوں پر اعتبار نہ کریں بلکہ ہر بات، ہر مسئلہ، ہر خبر، ہر اطلاع اور ہر افواہ کی مکمل جانچ پڑتال، پوری تحقیق اور غیر جانبدارانہ تفتیش کرنے کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچیں اور اُس پر عمل کریں۔ ورنہ بے خبری میں اپنا یا کسی کا نقصان کر کے بعد میں پچھتانا پڑے گا۔ آخر میں ایک مرتبہ سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت اور ترجمہ پر غور فرمائیں۔ ارشاد الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نُدَامِينَ ۝۱﴾

”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے علمی میں تکلیف پہنچا دو۔ پھر تمہیں اپنے کیے پر نادام ہونا پڑے۔“

شریعت اسلامیہ میں سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق آگے پھیلانا بھی گناہ قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((كُفِيَ بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب)

”کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات (بغیر تحقیق کے) آگے بیان کر دے۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولائے کریم ہم سب کو دینی اور دنیاوی معاملات میں تحقیق و

تفتیش، جانچ پڑتال اور چھان بین کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ یا رب العالمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

خطبہ نمبر ۸

صحابہ کرام کا مثالی ایمان

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
 ﴿وَلَكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَ زَيَّنَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَ كَرَّهَ إِلَيْكُمُ
 الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرُّشْدُوْنَ ۚ فَضَّلًا مِّنَ اللّٰهِ
 وَ نِعْمَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۷-۸)

”اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا اور اُس نے تمہارے دلوں میں اُسے مزین فرما دیا۔ اور اُس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے لیے کفر، فسق اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنا دیا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (اور یہ) اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا احسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“

ہر قسم کی حمد و ثناء خالق ارض و سماء اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہے جس نے انسان کو عدم سے وجود بخشنے کے بعد مسجود ملائک بنایا۔ اپنی تمام مخلوقات میں سب سے افضل بنایا اور انسانیت کی رشد و رہنمائی کی خاطر انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ہمارے محبوب مکرم جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء، امام الانبیاء اور شافع روز جزا کا عظیم الشان مقام و منصب عطاء فرمایا۔

لا تعداد و بے شمار درود و سلام اور برکات نازل ہوں سید الرسل، دانائے سبل، ختم الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات طیبہ، طاہرہ اور مبارکہ پر جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور دُنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی اور نجات و فلاح کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کو لازمی اور ضروری قرار دیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
 اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

ربط آیات:

گزشتہ سات خطبات میں بتوفیق اللہ تعالیٰ:

☆ رسول اکرم ﷺ کے فرمانِ ذی شان کا احترام۔

☆ آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کے آداب۔

☆ نامِ مصطفیٰ ﷺ کے آداب و احترامات۔

☆ ادبِ رسالت کے ثمرات و اثرات اور فوائد و برکات۔

☆ گستاخانِ رسول کا عبرتناک انجام۔

☆ تقویٰ کی اہمیت و فضیلت اور فوائد۔

☆ خبر کی تحقیق و تفتیش کے احکام و مسائل۔

جیسے اہم عنوانات و موضوعات بیان کیے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا سننا، سنانا اور سمجھنا،
سمجھانا مقبول و منظور فرمائے۔ اور تمام مسلمانوں کو قرآنی احکام اور سنتِ رسول پر عمل کی
سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

گزشتہ خطبہ میں ”خبر کی تحقیق“ کے ضمن میں اسی سورت کی آیت ۶ کی تفسیر و توضیح
کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے ایک نوجوان صحابی جناب ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی بیان
کردہ ایک خبر کا تذکرہ ہوا جو انہوں نے نبی محترم ﷺ کو پہنچائی اور وہ خبر زمینی حقائق کے
مطابق و موافق نہیں تھی بلکہ اُن کا اپنا خدشہ، خیال اور زعم تھا، اس خبر کے نتیجے میں ایک قوم کے
خلاف لشکر کشی کا حکم دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور جلد ہی حقیقتِ حال واضح ہو گئی
اور مسلمان ایک بہت بڑی آزمائش اور نقصان سے بچا لیے گئے۔ جناب ولید رضی اللہ عنہ کی اس
خبر، خیال اور بات سے یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے، اس کے
مفہم کو سمجھنے والے اور اس کی تفسیر سے واقفیت حاصل کرنے والے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار نہ ہو جائیں۔ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں اور صحابہ کرام

کی صداقت کے بارے میں شبہات میں نہ پڑ جائیں۔ اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اگلی آیات مبارکات میں رفقاء رسول کے فضائل، صحابہ کرام کے مناقب اور یارانِ مصطفیٰ کے خصائل کا تذکرہ فرمایا اور اس امر کی وضاحت فرمائی کہ جناب ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ محض اتفاقی اور حادثاتی تھا ورنہ حقیقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عمومی صورت حال، اُن کے عقائد و نظریات اور اُن کے اعمال و کردار پر قطعاً انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی۔ کیونکہ انہیں رفاقتِ مصطفیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود منتخب فرمایا ہے، اُن کی نظروں میں ایمان کو سب سے زیادہ محبوب بنا دیا ہے، ایمان کو اُن کے قلوب مطہرہ میں مزین فرما دیا ہے۔ انہیں ہدایت سے خود فیض یاب فرمایا ہے اور انہیں کفر، گناہ اور نافرمانی سے متنفر کر کے دور ہٹا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات کی ان آیات، بینات میں اصحاب رسول کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۖ فَضَّلَا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۸﴾ (الحجرات: ۷-۸)

”اور (اے صحابہ کرام کی جماعت) لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور اُس نے اُسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا ہے اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمہارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا ہے۔ یہی لوگ (صحابہ کرام) ہی ہدایت یافتہ ہیں (یہ) اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

اوصافِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

ان قرآنی الفاظ مبارکات میں اللہ تعالیٰ نے رفقاء رسول کے چھ اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و احسان کے باعث انہیں ایمان کا محب اور ایمان کو اُن کا محبوب بنا دیا ہے۔ یعنی وہ ہر چیز سے زیادہ ایمان سے محبت کرتے ہیں اور اپنی جان سے بڑھ کر ایمان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

② ربِّ کائنات نے اصحابِ رسول پر دوسرا انعام یہ فرمایا ہے کہ ایمان کو اُن کے قلوب میں مزین فرما دیا ہے اور اُن کے دلوں کو ایمان پر مضبوط فرما دیا ہے۔
 ③ قبولِ ایمان کے بعد کفر اُن کے لیے ناپسندیدہ قرار دے دیا گیا ہے۔
 ④ جماعتِ صحابہ کے تمام ارکان و افراد ہر ممکن حد تک گناہوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

⑤ صحابہ کرام، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کو قطعاً پسند نہیں کرتے بلکہ ہر لمحہ اور ہر آن اطاعت، فرماں برداری اور اتباع کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔
 ⑥ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہدایت یافتہ ہیں کیونکہ اُن کی رُشد و ہدایت کے اسباب خود اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں۔

آپ اصحابِ رسول کی عظمت، فضیلت اور مقام و مرتبہ کا اندازہ فرمائیں کہ ربِّ کائنات اُن کے اوصاف و خصائص اور محامد و محاسن کے بیان و اظہار کے لیے قرآن کریم کی آیات طیبات نازل فرما رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر کتابِ الہی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو متعدد قرآنی آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بلکہ قرآن کریم تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے۔

- ☆ افعال و اعمال بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی سیرت و کردار بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے شب و روز کی مصروفیات بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے لیل و نہار کے حالات بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے سفر و حضر کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے سرایا اور غزوات بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی دعائیں اور التجائیں بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی آرزوئیں اور صدائیں بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی نمازوں اور زکوٰتوں کا تذکرہ کرتا ہے۔

- ☆ اُن کے عمرے اور حج بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی خوشیاں اور غمیاں بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے رونے اور مسکرانے کا ذکر فرماتا ہے۔
- ☆ اُن کے گھروں اور بازاروں کو یاد کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی صبحوں اور شاموں کا تذکرہ کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی خدمات اور قربانیوں کی تحسین فرماتا ہے۔
- ☆ اُن کے صدقات اور خیرات کی تفصیل بتاتا ہے۔
- ☆ اُن کی ہجرتوں اور شہادتوں کا تذکرہ کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی تلواریں اور گھوڑوں کو یاد کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی چال اور ڈھال بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے احوال اور کمال بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی فرض اور نفلی عبادات بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے تصورات و خیالات بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے عہد اور امانات کا ذکر کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے احساسات اور جذبات بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کے فائدے اور نقصان بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی ریاضت اور تجارت بیان کرتا ہے۔
- ☆ اُن کی شرافت اور صداقت بیان کرتا ہے۔

حضرات! یہ محض جذباتی اور عقیدت مندانہ گفتگو نہیں ہے بلکہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن حکیم کی آیات مبارکات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اک اک ادا کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ میں تفصیل میں جائے بغیر قرآن کریم کے صرف ایک مقام کی چند آیات اور اُن کا ترجمہ پیش کرتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ رب العالمین اپنے محبوب ﷺ کے وفاداروں سے کتنا پیار فرماتا ہے اور اُن کی حرکات و سکنات کو کیسے خوبصورت الفاظ میں بیان فرماتا

ہے۔ کتاب الہی کا انیسواں پارہ اور سورۃ فرقان کا آخری رکوع پڑھیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۚ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ﴾

(۲۵/ الفرقان: ۶۳-۶۷)

”اور رحمان کے بندے تو وہ لوگ ہیں (یعنی رفقاء رسول ایسے ہیں) جو زمین پر آہستگی (وقار اور عاجزی) کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب اُن سے جاہل گفتگو کرتے ہیں (یعنی بے وقوف اُن کا وقت ضائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ سلام ہے۔ اور اپنے رب کے حضور سجدے کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور ہٹا دے۔ بلاشبہ اُس کا عذاب تو چمٹنے والا ہے۔ بے شک وہ جہنم ٹھہرنے اور قیام کرنے کی بہت بُری جگہ ہے اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ فضول خرچی اور کنجوسی نہیں کرتے اور اُن کے اخراجات معتدل طریقے سے اس کے درمیان ہوتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو (ہرگز) نہیں پکارتے اور کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ تعالیٰ نے مارنا حرام قرار دیا ہے اور وہ زنا بھی نہیں کرتے۔“

آپ اسی رکوع کا آخری حصہ تلاوت کریں تو اندازہ ہوگا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے وفادار، خدمت گزار، اطاعت شعار اور فرماں بردار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عمدہ عادات اور پاکیزہ افعال کا کیسے عجیب اور پیارے الفاظ سے تذکرہ فرماتا ہے۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ۚ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝ وَالَّذِينَ

إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صَبَّاءً وَعُمِيَانًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خُلِدُوا فِيهَا حَسَنَتٌ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ ﴿٢٥﴾ (الفرقان: ٢٤-٢٦)

”اور وہ (صحابہ کرام) جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ لغو (فضول) کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزت و وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور جب وہ اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کیے جاتے ہیں تو وہ اُن پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطاء فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنادے۔ یہی لوگ ہیں جنہیں جنت کے بالا خانے بطور جزا دیئے جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور دُعا اور سلام کے ساتھ اُن کا استقبال کیا جائے گا۔ وہ جنت کی ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ جنت بہت ہی اچھی قرار گاہ اور قیام گاہ ہے۔“

قرآن مجید فرقانِ حمید کی سینکڑوں آیات میں اصحاب رسول کے امتیازات و اعزازات بیان فرمائے گئے ہیں مگر ہم اپنی گزارشات کو صرف سورۃ الحجرات کی آیت نمبر سات اور آٹھ تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صرف ان اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کریں گے جو سورۃ الحجرات کی ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

انتخاب الہی:

سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت کریمہ اس امر کا اظہار و اعلان فرما رہی ہے کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو صحبت رسول، رفاقتِ مصطفیٰ اور صحابیت کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔ یہ خدائی انتخاب ہے کہ اُس ذاتِ رحیم و کریم نے جماعتِ صحابہ پر خاص فضل و کرم اور لطف و احسان فرمایا اور انہیں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت و صحبت کے لیے نامزد فرما دیا۔ ذرا قرآنی الفاظ پر توجہ فرمائیے۔

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۖ فَضَّلَا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۱﴾

”اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اُسے تمہارے قلوب میں مزین و آراستہ فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمہارے لیے ناپسند بنا دیا۔ یہی لوگ (صحابہ کرام) ہی ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔“

آپ غور فرمائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے خوش نصیب، سعادت مند اور نیک بخت ہیں کہ خود ذات الہی اُن کے قبول ایمان کے لیے راستے ہموار فرما رہا ہے۔ اسباب پیدا فرما رہا اور وسائل مہیا فرما رہا ہے اور اُن کے قلوب و اذہان کو ایمان کی طرف متوجہ فرما رہا ہے، اُن کے لیے ایمان کو محبوب بنا رہا اور اُن کے سینوں کو ایمان کے تمنوں سے سجا رہا ہے۔ سبحان اللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات ہست و بود کے تمام انسانوں کو حکم ہے کہ تم ایمان قبول کرو۔ مگر ایمان کو حکم ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں رچ بس جائے۔ اُن کے قلوب کو منور کر دے اور سینوں کو خوشبوئے ایمان سے معطر کر دے۔ اور تمام لوگوں کو حکم ہے کہ تم نے کفر، گناہ اور نافرمانی کے قریب نہیں جانا مگر یہاں کفر، گناہ اور نافرمانی کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم نے میرے محبوب کے صحابہ کرام کے قریب نہیں جانا۔

یعنی اصحاب رسول اور ایمان لازم و ملزوم ہیں، اُن کا ایمان پختہ، مضبوط اور سچا ہے اور کوئی صحابی بھی ایمان کی نعمت سے محروم اور دولتِ ایمان سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اُس مقدس جماعت کے بارے میں یہ خیال کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے کہ قبولِ ایمان کے بعد وہ کسی شک اور شبہ کا شکار ہو گئے ہوں یا کسی دُنیوی مفاد، لالچ اور خود غرضی نے اُن کے ایمان کو کمزور کر دیا ہو یا کسی ڈر اور خوف نے اُن میں ایمانی کمزوری پیدا کر دی ہو۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اللہ کریم کے احکام کی بجا آوری کے دیوانے اور شمع رسالت کے پروانے تھے

جن کی زندگی کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت تھا۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت، بادشاہوں کی قوت اور مال و دولت کی حشمت اُن کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ اُنہوں نے دنیا کے مال و منال اور جاہ و جلال کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا مگر ایمان میں مدہانت کو گوارا نہ کیا سورۃ الحجرات کے یہ الفاظ واضح اعلان فرما رہے ہیں کہ صحابہ کرام کی طرف سے کفر، فسق اور عصیان کا ارتکاب تو بڑی دور کی بات ہے۔ اُن کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے خود:

﴿كَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۗ﴾

”تمہارے لیے کفر، گناہ اور نافرمانی کو ناپسندیدہ قرار دے دیا ہے۔“

اب یہ آپ لوگوں پر منحصر ہے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا خیالات و تصورات رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اُن کے خصائص و خصال کو قرآنی آیات کی زینت بنا رہا ہے اور اُن کی فضیلت و عظمت کے اظہار و بیان کے لیے قرآن حکیم کی آیات طیبات نازل فرما رہا ہے۔ افسوس صد افسوس! سو اچودہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بعض مجالس و محافل میں اصحاب رسول کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا۔ اُن کے ایمان پر بحث کی جاتی اور نعوذ باللہ اُنہیں دولت ایمان سے محروم قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے۔

حضرات! یاد رکھیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نامناسب الفاظ استعمال کرنا، اُن کے ایمان پر بحث کرنا اور اُنہیں نافرمان ثابت کرنے کی کوشش کرنا اپنے آپ کو ایمان سے محروم اور خالی کرنے کے مترادف ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کریں۔ اُن کے فضائل بیان کریں۔ اُن کے ایمان، تقویٰ، خلوص، نیکی، پرہیزگاری اور دینی خدمات کو سلام عقیدت پیش کریں۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب بیان کرنا سنت خدا اور سنت مصطفیٰ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب مطہرہ:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت مبارکہ کے علاوہ قرآن عزیز کی متعدد آیات مبارکات میں اصحاب رسول کے اوصاف، خصال، امتیازات اور اعزازات کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے ایمان اور ایمان کے مرکز قلوب صحابہ کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔

کیونکہ تمام انسانی احساسات و جذبات، خیالات و تصورات اور جسمانی حرکات و سکنات کا اصل مرکز و محور ”دل“ ہے۔ کسی بھی کام کا خیال و احساس پہلے دل ہی میں ہوتا ہے، پھر عقل و دماغ فیصلہ کرتے ہیں، اُس کے بعد انسان اُسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے رسول رحمت ﷺ کے حسبِ فرمان سارے جسم کی اصلاح اور فساد کا انحصار اور دار و مدار انسان کے دل پر ہے۔ دل کا بگاڑ سارے جسم کے بگاڑ کا سبب اور دل کی اصلاح پورے انسانی جسم کی اصلاح ہے۔ اسی لیے اسلامی تعلیمات میں دل کی اصلاح اور درستی پر زور دیا گیا ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:
 ((الَا وَانَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ
 وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدينه)

”خبردار! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔
 خبردار! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔“

امام الرُّسُل ﷺ نے اپنی تعلیمات، ارشادات، فرمودات اور تبلیغی خدمات سے ایسا روحانی اور قلبی انقلاب برپا کیا کہ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے والے، اُن کے محافظ بن گئے..... عورتوں کی خرید و فروخت کے دلدادہ، اُن کی عفتوں اور عصمتوں کے رکھوالے بن گئے..... سینکڑوں بچوں کے بچاری، ایک رب کریم کے پرستار بن گئے..... اور ایمان سے دور بھاگنے والے، اُسی ایمان کو اپنے قلوب میں آراستہ و پیراستہ کرنے والے بن گئے.....

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾

”اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اُسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

((إِنَّ اللَّهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَرَأَى قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ أَهْلِ الْأَرْضِ فَاخْتَصَّهُ بِرِسَالَتِهِ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَرَأَى قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَهُمْ لِصُحْبَتِهِ)) (مسند احمد، مسند عبد الله بن مسعود)

”اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو روئے زمین پر بسنے والے تمام بندوں میں سے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب مبارک کو سب سے بہتر پایا تو انہیں اپنی رسالت (پیغام رسانی) کے لیے مختص کر لیا۔ پھر بندوں کے دلوں کو دیکھا تو صحابہ کرام کے دلوں کو باقی بندوں کے دلوں سے بہتر پایا تو انہیں آپ ﷺ کی صحابیت کے لیے منتخب فرمالیا۔“

کتاب الہی کے نوویں پارے میں صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے ایمان اور اُن کی قلبی کیفیات کا خوب صورت تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾ (الأنفال: ۲-۴)

”مومن (کامل) تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب (اُن کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈرجاتے ہیں اور جب اُن پر اُس (اللہ تعالیٰ) کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (آیات) اُن کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ صرف اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں، وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ اُن کے لیے اُن کے رب کے ہاں بڑے درجات اور بخشش اور باعزت رزق ہے۔“

ان آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان اور قلوب کا ذکر خیر کرتے ہوئے جن

اوصاف وخصائص کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے ذکر کو سن کر اُن کے دل ڈرجاتے ہیں اور وہ اُس کی نافرمانی کے تصور سے کانپ اُٹھتے ہیں۔

② قرآن مجید کی آیات بینات سن کر اُن کے ایمان و تقویٰ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

③ تمام دُنیوی اسباب و وسائل کو استعمال میں لانے کے باوجود اُن کا اصل بھروسہ اور توکل صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ہوتا ہے۔

④ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازوں کو پورے حقوق و آداب کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔

⑤ وہ اللہ کریم کے عطاء کردہ مال و دولت کا مقررہ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے یعنی زکوٰۃ، صدقات اور خیرات دیتے رہتے ہیں۔

ان پانچ امتیازات اور خوبیوں کے مالک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت، فضیلت اور منقبت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ایمان کی گواہی دی اور انہیں اعلیٰ درجات، مغفرت و بخشش اور جنت کے باعزت رزق کا مستحق قرار دیا۔ آئیے! ان نفوسِ قدسیہ کی ”محبتِ ایمان“ کے مختصر تذکرے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ:

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوبِ مطہرہ میں ایمان کو آراستہ و پیراستہ فرما دیا اور کائنات ہست و بود کی ہر چیز سے زیادہ محبوب بنادیا تھا اس لیے جماعتِ صحابہ نے ایمان کے راستے میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو عبور کیا۔ مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور محبتِ ایمان میں دنیا کے مال و دولت کو خوش دلی سے قربان کر کے ایمان کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ ایمان و اسلام اور محبتِ رسول کی خاطر تمام مال و اسباب قربان کر دینے والوں میں ایک معزز ہستی کا نام ”سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ“ ہے۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ دراصل عربی النسل اور عراقی شہر بصرہ سے ملحقہ قدیمی علاقے ”ابلہ“ کے گورنر سنان بن مالک نمیری کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد کی بحیثیت گورنر تقرری شاہ ایران کسریٰ کی طرف سے کی گئی تھی اس لیے وہ بادشاہ روم کی آنکھوں میں کھٹکتے

تھے اور وہ ان سے حکومت و اقتدار چھین لینے کا خواہش مند تھا۔ جناب صہیب کی عمر ابھی صرف پانچ سال تھی کہ رومی فوجوں نے اُبلہ پر حملہ کر کے اُن کے والد کو اقتدار اور مال و متاع سے محروم کر دیا اور دیگر لوگوں کے ساتھ اس خوب صورت اور سرخ سنہری بالوں والے جاذب نظر معصوم بچے کو بھی قیدی اور غلام بنا کر روم کی منڈی میں لے جا کر فروخت کر دیا۔ وہ بکتے بکاتے ایک آقا سے دوسرے مالک کی طرف منتقل ہونے لگے، اُن کی حالت ان ہزاروں غلاموں جیسی تھی جن سے روم کے محلات بھرے ہوئے تھے۔ کئی آقاؤں کی غلامی کے باعث جناب صہیب کو رومی معاشرے کی برائیوں، عیوب، فواحش اور منکرات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جس کی وجہ سے آپ کے دل میں رومی ماحول سے شدید نفرت پیدا ہو گئی اور آپ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس پر فتن ماحول سے راہ فرار اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی دوران آپ نے اپنے آقا سے ایک نصرانی نجومی کی گفتگو سنی جو اُسے کہہ رہا تھا کہ ”عنقریب جزیرہ نمائے عرب کے شہر مکہ میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ جو جناب عیسیٰ بن مریم کی نبوت کی تصدیق کرے گا۔ اور لوگوں کو علم کے نور سے منور کرے گا۔“

یہ خوشخبری سن کر آپ نے دل میں پختہ عزم کر لیا کہ جب بھی موقع میسر آیا وہ غلامی کی زنجیریں توڑ کر مکہ مکرمہ پہنچیں گے اور نبی موعود کا انتظار کریں گے۔ چنانچہ قسمت نے یاوری کی۔ نصیب نے ساتھ دیا اور صہیب کے دل کی آرزو اس طرح پوری ہوئی کہ بنو کلب نے آپ کو روم سے خرید کر مکہ مکرمہ میں لا کر فروخت کر دیا۔ یہاں کے ایک غریب پرور اور سخی انسان ”عبداللہ بن جدعان“ نے خرید کر آزاد کر دیا مگر آپ نے ابن جدعان سے حلیفانہ اور دوستی کے تعلقات قائم رکھے اور اُس کے کاروبار میں شریک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت جلد تجارت میں برکت فرمائی اور جناب صہیب بن سنان، جو مکہ معظمہ میں صہیب رومی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بہت سارے مال و دولت کے مالک بن گئے اور مکہ معظمہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ جب تجارتی مصروفیات بہت بڑھ گئیں تو کاروباری سلسلے میں کئی کئی دن مکہ معظمہ سے باہر رہنے لگے مگر نصرانی نجومی کی بات ہمیشہ یاد رہی اور اپنے مکہ مکرمہ آنے کا اصل محرک کبھی فراموش نہ ہونے دیا۔

جب رسول اکرم ﷺ نے سرزمین مکہ میں ”اعلان نبوت“ فرمایا۔ اُن دنوں آپ مکہ معظمہ میں موجود نہ تھے۔ واپسی پر اطلاع ملی کہ صادق و امین کا لقب پانے والے ”محمد بن عبد اللہ“ نے دعویٰ نبوت کر دیا ہے اور آپ ﷺ لوگوں کو توحید باری تعالیٰ، رسالت محمدی، آخرت پر ایمان اور عدل و انصاف کا حکم دیتے اور فواحش و منکرات سے اجتناب کی تاکید و تلقین اور تبلیغ فرماتے ہیں۔ چند لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ مگر قریش مکہ سعادت اندوز اسلام ہونے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا رہے ہیں اور دشمنان اسلام نے مسلمانوں کا جینا دو بھر کر رکھا ہے۔ جناب صہیب نے اپنے ایک واقف کار سے جب رسول اکرم ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اُسے بتایا کہ میرے مکہ مکرمہ آنے کی اصل غرض و غایت ہی رسول محترم ﷺ کی ملاقات و زیارت ہے تو اس نے آپ کو انتہائی محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا: میں تمہیں محمد ﷺ کے پاس جانے سے منع تو نہیں کرتا لیکن یہ خیال رکھنا کہ ہمیں قریش تمہیں وہاں جاتے ہوئے دیکھ نہ لیں۔ تم یہاں غریب الدیار ہو۔ پر دیسی ہو اور مکہ میں تمہاری کوئی برادری، قوم، قبیلہ، اور خاندان نہیں ہے جو مصیبت کے وقت تمہارے کام آ سکے۔ لہذا چھپ چھپا کر دار ارقم میں جانا اور کسی کو خبر نہ ہونے دینا ورنہ مارے جاؤ گے اور تمہارا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا۔

سیدنا صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ زیارت رسول کے اشتیاق میں جب دار ارقم کے قریب پہنچے تو دروازے پر جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر قدرے توقف فرما کر اُن سے پوچھا۔ عمار! کیسے آئے ہو؟ انہوں نے جواباً فرمایا۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تو جناب صہیب نے واضح طور پر کہا کہ ”میں دار ارقم میں موجود شخص محمد ﷺ سے ملاقات کا شوق لے کر آیا ہوں اور اُن کا پیغام سننا چاہتا ہوں۔“ اب بتاؤ۔ تم کیوں آئے ہو؟ جناب عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میرا ارادہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ دونوں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، چہرہ اقدس کی زیارت کی اور ارشادات رسول سُن کر دلوں کو منور کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رسول مقبول ﷺ نے کلمہ شہادت پڑھایا اور جماعت صحابہ میں شامل فرمایا۔

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾

خَلِيدَيْنَ فِيهَا أَبَدًا ۝

جناب صہیب رومی رضی اللہ عنہ اگرچہ مکہ مکرمہ میں غریب الوطن، نو وارد اور پردیسی تھے اور سرزمین مکہ میں آپ کا کوئی ہمدرد، معاون اور مددگار بھی نہیں تھا مگر آپ رضی اللہ عنہ کی ایمانی غیرت نے قبول اسلام کی سعادت کو مخفی رکھنا گوارا نہ کیا بلکہ ابتداء میں ہی ”تبدیلی مذہب“ کا اظہار و اعلان فرمادیا اور حفاظت ایمان کی خاطر قریش مکہ کے مظالم و مصائب کو انتہائی صبر، استقامت اور تحمل سے برداشت کیا۔ ایک مرتبہ سیدنا صہیب جناب بلال اور سیدنا سلمان رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔

((لَئِنْ كُنْتَ أَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ أَغْضَبْتَ رَبَّكَ))

(صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل سلمان.....)

”اگر تم نے ان کو ناراض کر دیا تو اپنے رب کو ناراض کر دیا۔“

صہیب رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان:

جب امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا تو دوسرے رفقاء نبی کی طرح جناب صہیب رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا پختہ ارادہ فرمالیا۔ جب قریش مکہ کو آپ رضی اللہ عنہ کی تیاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو ہجرت سے روکنے کا پروگرام بنایا اور کئی نگران و جاسوس مقرر کر دیئے جو جناب صہیب رضی اللہ عنہ کا ہر وقت خیال رکھتے اور آپ کی تمام سرگرمیوں کی نگرانی کرتے تھے۔ چونکہ نفع بخش تجارت کے باعث آپ کے پاس دراهم و دنانیر اور سونے چاندی کی کثرت تھی اور آپ رضی اللہ عنہ خاصے مالدار، متمول اور صاحب جائیداد صحابی تھے۔ اس لیے قریش مکہ کا خیال تھا کہ اگر صہیب مدینہ گئے تو یہ اپنا سارا مال و منال بھی ساتھ لے جائیں گے اور ان کا جمع شدہ مال ہمارے خلاف استعمال ہوگا۔ لہذا جیسے بھی ہوا انہیں ہجرت سے روکا جائے تاکہ یہ مکہ میں کمائی ہوئی دولت کو مدینہ نہ لے جاسکیں۔

جناب صہیب رضی اللہ عنہ مسلسل اس انتظار میں رہے کہ کب موقع میسر آئے اور وہ سفر ہجرت پر روانہ ہوں مگر نگہبانوں اور جاسوسوں کی نظریں دن رات اُن کے تعاقب میں تھیں۔ اس لیے

وہ ایک عرصہ تک کوشش کے باوجود ہجرت کا سفر اختیار نہ کر سکے۔ آخر کار آپ ﷺ ایک دن تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوئے اور اُسے سر پٹ دوڑاتے ہوئے مدینہ کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ قریش کے نوجوانوں کی ایک مسلح جماعت نے آپ کا راستہ روک لیا اور آپ سے کہنے لگے کہ۔

تم جب مکہ میں آئے تھے تو مفلس، محتاج اور تنگ دست تھے۔ یہاں رہ کر تم نے کثیر دولت جمع کی ہے اور اب یہ سرمایہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔ ہم آپ کو قطعاً اس کی اجازت نہیں دیں گے اور اپنے شہر کی کمائی مدینہ منتقل نہیں کرنے دیں گے۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے، اپنے ترکش سے تیر نکالا اور کمان پر چڑھاتے ہوئے فرمایا۔

اے گروہ قریش! تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ ماہر تیر انداز ہوں اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ یاد رکھو! تم اُس وقت تک میرے قریب نہیں آ سکتے جب تک میں اپنے ترکش میں موجود تیروں کی تعداد کے برابر تمہارے آدمی قتل نہ کر دوں۔ اور۔ ہاں۔ تیر ختم ہونے کے بعد میری تلوار تمہارے سر قلم کرے گی اور جب تک میرے بازوؤں میں قوت اور میرے جسم میں جان موجود ہے یہ معرکہ آرائی جاری رہے گی۔ اگر تمہارا مقصد صرف مال و دولت کا حصول ہے تو مطالبہ کرو۔ میں اپنی ساری عمر کی پونجی لٹا سکتا ہوں مگر دولت ایمان قربان نہیں کر سکتا۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کا یہ نعرہ مستانہ سن کر قریش مکہ لالچ میں آ گئے اور کہنے لگے کہ اے صہیب! اگر تم اپنا سارا مال ہمارے سپرد کر دو تو ہم تمہارا راستہ نہیں روکیں گے اور تمہیں مدینہ جانے کی اجازت دے دیں گے، سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ تھا سب اُن کے حوالے کر دیا اور مزید فرمایا۔ میرے گھر کے فلاں کونے میں خزانہ چھپا ہوا ہے۔ جا کر نکال لو۔ اور میرے راستے سے ہٹ جاؤ تا کہ میں اپنے محبوب جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے چہرہ پر انور کی زیارت کر کے قلبی سکون اور دلی راحت حاصل کر سکوں۔

ادھر جناب صہیب رضی اللہ عنہ اپنی ساری جائیداد، تمام مال و منال اور کل دولت قربان کر

کے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وادی قباء میں مقیم اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ وحی اس ساری صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے جناب جبریل علیہ السلام کو یہ آیت طیبہ دے کر نازل فرمایا کہ۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ (۲/البقرہ: ۲۰۷)

”اور کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرنے کیلئے فروخت کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بہت زیادہ شفیق ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (۹/التوبہ: ۱۱۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا۔ کہ بے شک اس کے بدلے میں اُن کیلئے جنت ہے۔“

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کی زبانی جناب صہیب رضی اللہ عنہ کے ایثار و قربانی کا تذکرہ سن کر فرمایا:

(رَبِحَ صُهَيْبٌ رَّبِحَ صُهَيْبٌ) (سیرۃ النبی لابن ہشام جلد اول)

”صہیب کا سودا نفع بخش ہے۔ صہیب نے منافع کمایا ہے۔“

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ جب مکہ معظمہ سے کئی دن کا طویل اور کٹھن سفر کر کے وادی قباء پہنچے تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ مقام ”حرہ“ پر آپ کا استقبال کیا، خوش آمدید کہا اور مبارک باد پیش فرمائی۔ جناب صہیب رضی اللہ عنہ نے مبارک باد کا پس منظر پوچھا تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم نے مشرکین مکہ کے ساتھ جو سودا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آ گیا ہے اور اُس نے تمہارے یہاں پہنچنے سے پہلے تمہارے حالات کے بارے میں قرآن مجید کی آیت نازل فرمادی ہے۔

جب جناب صہیب رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے بھی انہیں مبارک دی اور قرآن حکیم کی خوشخبری سنائی۔ سبحان اللہ۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ بقرہ آیت ۲۰۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمان کے ساتھ اسی محبت، اُلفت اور مودت کا تذکرہ سورۃ الحجرات بیان کر رہی ہے کہ۔

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِيدُونَ ۖ فَضَّلَا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۱﴾

”اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا ہے۔ اور اُسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا ہے۔ اور اُس نے تمہارے لیے کفر، گناہ اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنا دیا ہے اور یہی لوگ (صحابہ کرام) ہدایت یافتہ ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“

حبیب بن زید رضی اللہ عنہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے ایمان کی حفاظت اور محبت میں اپنی جان کا نذرانہ پیش فرمایا۔ جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو مازن بن نجار قبیلہ سے تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی کنیت سے معروف تھیں۔ جو ایک بہادر، شجاع اور نڈر خاتون تھیں۔ جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو جنگ یمامہ میں (اور بقول بعض عمان سے مدینہ آتے ہوئے راستہ میں) گرفتار کر کے جھوٹے مدعی نبوت ”مسلمہ“ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مسلمہ کذاب نے جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا۔ کہ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جواباً جناب حبیب نے فرمایا۔ نَعَمْ۔ ہاں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ مسلمہ نے کہا۔ اَتَشْهَدُ اَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ۔ کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں (مسلمہ) اللہ کا رسول ہوں۔ جناب حبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لَا اَسْمَعُ۔ تمہاری بات مجھے سنائی نہیں دیتی۔ مسلمہ کذاب کہنے لگا۔ کہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں سنتا ہے اور میرے بارے میں نہیں سنتا۔

مختصر یہ کہ میلہ نے جناب حبیب رضی اللہ عنہ سے اپنی رسالت کی گواہی دلوانے کیلئے ہر حربہ استعمال کیا مگر وہ یہی کہتے رہے۔ کہا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ میں تو صرف محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ کا رسول مانتا ہوں۔ دوسری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اب میلہ کذاب سخت طیش اور غصہ میں آیا اور فرط غضب سے دیوانہ ہو گیا اور جناب حبیب رضی اللہ عنہ کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ فَجَعَلَ يَقْطَعُ عُضْوًا ظالم میلہ کذاب نے جناب حبیب رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کا ایک ایک عضو اور جوڑ جوڑ کاٹنا شروع کیا۔ ایک عضو کاٹا اور اپنی رسالت کے اعتراف کا مطالبہ کرتا۔ جناب حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ میلہ سفاک ان کے جسم کے اعضاء کو کاٹتا جاتا اور مطالبہ دہرائے جاتا۔ وہ صحابی رسول بند، بند، جوڑ، جوڑ اور عضو، عضو کٹوائے جاتا اور۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کانعرہ لگائے جاتا۔ حَتّٰی مَاتَ فِیْ یَدَیْہِ۔ جناب حبیب رضی اللہ عنہ نے جسم کا ایک ایک جوڑ کٹوا لیا مگر اپنے ایمان اور حب رسول سے انکار نہیں کیا اور اسی حالات میں جام شہادت نوش فرمالیا۔

بنا کر دند خوش رے بخاک و خون غلطیدین
خدا رحمت کندایں عاشقانِ پاک طینت را
.....اور.....

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی
.....اور.....

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے ایمان کی محبت میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ذی شان کی عملی تفسیر پیش فرمائی کہ۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمْ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَّہٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾

”اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مزین و آراستہ فرما دیا ہے۔“

سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ:

اب تک کی گفتگو سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب مطہرہ میں ”ایمان کی محبت“ ہر چیز سے زیادہ تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ماں باپ، اولاد، بیوی، خاندان، مال، تجارت، مکان بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتے تھے تو ”ایمان“ سے محبت کرتے تھے۔ اسلام کی تاریخ اور اصحاب رسول کے حالات زندگی میں متعدد ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں نے ”حُب ایمان“ میں رکاوٹ بننے والی ہر چیز کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ یہاں تک کہ اگر ”ایمان“ کی راہ میں باپ نے رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو اسے تہ تیغ کر کے ایمان کی محبت کا حق ادا کر دیا۔

ایسے ہی مخلصین میں سے ایک سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام۔ عامر، کنیت ابو عبیدہ، والد کا نام عبداللہ اور دادا کا نام جراح ہے۔ آپ نے والد کی بجائے دادا کی طرف نسبت کے حوالے سے ”ابو عبیدہ بن جراح“ کے نام سے شہرت حاصل کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ”أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ“ امت میں سب سے زیادہ امانت دار کے بے مثال لقب سے سرفراز فرمایا۔ اور ان کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت فرمایا تھا کہ ”اگر آج ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں انہیں بلا تامل خلیفہ نامزد کر دیتا۔“

اسلام کے معرکہ اول غزوہ بدر میں جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کمان بڑی شجاعت، جانبازی اور بہادری کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ کے والد کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے اور آبائی دین کی حمایت میں اپنے لخت جگر کو تاک تاک کر نشانہ بنا رہے تھے۔ میدان جنگ میں باپ اور بیٹا آمنے سامنے ہوئے تو والد نے باپ دادا کے مذہب کی طرف واپس آنے کا مطالبہ کیا جب کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں توحید الہی اور حب رسول کی

طرف بلایا۔ باپ بار بار اپنی محبت، پیار اور پرورش کا واسطہ دے کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا رہا اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ انہیں توحید و سنت کی طرف مائل اور قائل کرنے کی جدوجہد کرتے رہے اور اپنے والد کے سامنے برملا اعلان کر دیا کہ میں آپ سمیت سارے جہان کو چھوڑ سکتا ہوں مگر ایمان و اسلام سے انحراف نہیں کر سکتا۔ باپ نے بیٹے کی زبان سے توحید و ایمان کا نعرہ مستانہ سن کر تلوار نکالی اور نور نظر پر حملہ آور ہو کر انہیں قتل کرنا چاہا۔ جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طرح دے کر والد کے حملے سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہر چند یہ کوشش کی کہ والد محترم میرے اور میرے ایمان کی محبت کے درمیان حائل نہ ہوں۔ مگر جب باپ کی محبت اور ایمان کی محبت کا مقابلہ ہوا تو سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فضاء میں تلوار لہرا کر اپنے باپ کی گردن پر ماری اور اسے تن سے جدا کر کے زمین پر پھینکتے ہوئے فرمایا۔ میں اسلام کی محبت پر اپنا باپ قربان کر سکتا ہوں مگر توحید و رسالت کی الفت اور محبت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔

سرزمین بدر پر یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر فرشتے دم بخود اور حیران و پریشان ہوئے ہوں گے۔ کہ اے اللہ! تیرے دین کی محبت میں بیٹے نے اپنا باپ قربان کر دیا ہے۔ اس کی گردن کو تن سے جدا کر دیا اور والد کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ وہ دیکھ۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے اس فعل پر نادم و پشیمان نہیں بلکہ فرحاں اور شاداں ہے۔ کہ اس نے ایمان و اسلام سے محبت کا حق ادا کر دیا۔ عرش سے آواز آئی۔ اے جبریل! عرض کی۔ کیا حکم ہے۔ رب جلیل۔ فرمایا جاؤ۔ میری طرف سے میرے رسول کو آگاہ فرما دو کہ تمہارے جانثار ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے محبت ایمان کی اعلیٰ مثال پیش فرمادی ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ جو میرا اور تمہارا دشمن ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فداکاروں کا دوست نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ ان کا باپ، بیٹا، بھائی یا خاندان کا فرد ہی کیوں نہ ہو۔ قرآنی الفاظ سماعت فرمائیے اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمات پر اللہ تعالیٰ کے خراج تحسین پر غور فرمائیے۔ اٹھائیسویں پارے میں فرمان الہی ہے۔

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۖ أُولَٰئِكَ

كُتِبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانُ وَ آيَدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيَدْخُلُهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ ۖ أُولَٰئِكَ
حِزْبُ اللَّهِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥٨﴾ (المجادلہ: ۲۲)

”(اے محبوب ﷺ) آپ ایسی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت
کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ (پھر) وہ ان سے محبت کرے جو اللہ اور اس کے
رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ (مخالفین) اُن کے باپ ہوں یا ان
کے بیٹے۔ اُن کے بھائی ہوں یا قبیلہ کے افراد۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر
اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نقش فرما دیا ہے۔ اور اپنے فیض خاص سے انہیں تقویت
عطاء فرمائی ہے۔ اور انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا۔ جن کے نیچے
نہریں رواں ہوں گی۔ وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے
راضی ہو گیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں اور
اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی کامیاب و کامرن ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں خالق وارض وسماء نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم
کی ایمان و اسلام، توحید الہی اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ محبت و عقیدت اور تعلق و الفت کی
داد دیتے ہوئے ان کے رفیع الشان مراتب اور ان سعادت مندوں پر اپنی خصوصی نوازشات
کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب مطہرہ پر ایمان کو نقش فرما دیا ہے۔ کہ وہ
نقش نہ مٹ سکتا نہ دھندلا سکتا ہے۔ رب العزت نے اصحاب رسول کی فیض خاص سے مدد اور
تائید فرمائی ہے۔ الہ العالمین نے ان پاک بازوں کو یقیناً جنت کا داخلہ نصیب فرما دیا ہے۔ ان
وفاداروں کی جیبوں میں رضائے الہی کی ٹکٹیں ڈال دی ہیں۔ ان پاکیزہ نفوس کو اللہ تعالیٰ کی
جماعت کے ارکان بنا لیا گیا ہے اور ان خوش نصیبوں کے ہاتھوں میں کامیابی اور کامرانی کی
اسناد تھما کر سینوں پر اعزازات سجادے کئے گئے ہیں۔

یہ سب اس لیے ہوا ہے کہ ان مقدس ہستیوں کی نظروں میں توحید، رسالت، اسلام اور
ایمان کے سوا کچھ چچتا ہی نہیں ہے اور وہ لوگ ایمان کے ساتھ ہر چیز سے زیادہ محبت کرنے

والے ہیں۔ اور اُن کے قلوب میں ایمان کی یہ محبت اللہ تعالیٰ نے خود و پیدا فرمائی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحجرات بیان فرما رہی ہے کہ۔

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ نبی معظم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے جاں نثاروں، وفا شعاروں اور فرماں برداروں میں کچھ ایسے محب مخلص بھی تھے جنہوں نے اسلام، ایمان اور صاحب اسلام جناب رسالت مآب ﷺ کی محبت و اُلفت اور عقیدت میں اپنی جنم دینے والی حقیقی ماں کی ممتا کو قربان کر کے سورۃ الحجرات کی اس آیت کی تفسیر کا عملی حق ادا فرمایا۔ ایسے بالنصیب اور محب ایمان لوگوں میں ایک شخصیت جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے زبان رسالت سے جنت کی بشارت پائی، آپ رضی اللہ عنہ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ آپ کو دربار رسالت سے ”رجل صالح“ کا عظیم لقب مرحمت فرمایا گیا اور غزوہ احد کے موقع پر نبی مکرم ﷺ نے آپ کی شجاعت، بہادری اور تیر اندازی کی داد دیتے ہوئے فرمایا۔ اِزْمِ يَا سَعْدُ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اَبِيْ۔ ”اے سعد تیر چلاتے جاؤ۔ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔“

داماد رسول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے سعد رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کے حق میں ایسے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نہیں سنے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق میں اتباع سنت، زہد و تقویٰ اور ”حُبِّ ایمان“ خاص اوصاف ہیں۔

خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعلان نبوت کے وقت آپ انیس سال کے صحت مند اور خوبصورت نوجوان تھے۔ اور مکہ معظمہ کے نوجوانوں میں نہایت شریف النفس اور سلیم الفطرت سمجھے جاتے تھے۔ زبان نبوت سے توحید الہی کی آواز سنتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ اور بالغ مردوں میں تیسرے یا ساتویں مسلمان ہونے کا شرف عظیم حاصل فرمایا۔

جناب سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ ”حمنہ“ کو اپنے آبائی مذہب سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ اس لیے اپنے گھر کے کسی فرد کا مسلمان ہو جانا اس کے لیے بڑی تکلیف اور پریشانی کا

سبب تھا۔ جناب سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے بڑے فرماں بردار، اطاعت شعار اور خدمت گزار بیٹے تھے۔ اور ہمہ وقت اپنی ماں کی خدمت اور دلجوئی میں لگے رہتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ وہ ماں کی قدر و قیمت اور اہمیت و فضیلت سے پوری طرح باخبر تھے۔ میری ملت کے نوجوانو! اپنی ماؤں کی خدمت، عزت، تعظیم، تکریم، احترام اور توقیر کیا کرو۔ اس ماں نے بڑی اذیتوں، تکلیفوں اور دشواریوں کے بعد ہمیں پالا، پوسا اور جوان کیا ہے۔ اس عظیم ہستی کے وجود کو غنیمت سمجھئے۔ اس کی خدمت میں سعادت ہے۔ اس کی عزت میں عظمت ہے اور اس کے پاؤں تلے جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اپنے والدین کی خدمت اور عزت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور میرے والدین سمیت تمام فوت شدگان کی مغفرت فرما کر انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔ آمین۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جناب سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے بڑے خدمت گزار اور فرماں بردار تھے۔ اور ان کی والدہ ”حمنہ“ کو اپنے آبائی دین سے گہری وابستگی تھی اور وہ خاندانی رسوم پر بڑی سختی سے کار بند تھیں۔ جب انہیں علم ہوا کہ ان کے فرزند سعد نے محمد ﷺ کا کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا ہے تو از حد غمگین اور پریشان ہوئیں اور جناب سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم محمد ﷺ کے دین کا انکار کر کے واپس آباء و اجداد کے مذہب کی طرف آ جاؤ۔ جناب سعد رضی اللہ عنہ نے بڑے ادب و احترام اور نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی مگر والدہ نے دین محمدی کو چھوڑنے پر اصرار کیا اور دھمکی دی کہ اگر تم نے محمد ﷺ سے اپنا تعلق نہ توڑا تو میں کھانا پینا بند یعنی بھوک ہڑتال کر دوں گی۔ اور موت آنے تک پیٹ میں کوئی چیز نہیں اتاروں گی۔

جناب سعد رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے اپنی والدہ کی بڑی منت سماجت کی، بار بار سمجھایا اور درخواست کی کہ سرور کونین کا دین قبول کرنے کے باوجود آپ کا ادب و احترام کروں گا اور آپ کی خدمت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کروں گا۔ مگر میری تمام تر کوششوں اور سمجھانے کے باوجود میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ اور شام تک کوئی چیز حلق سے نیچے نہ اتاری۔ میں نے پھر بار بار مرتبہ درخواست کی کہ اماں جان۔ ضد کو چھوڑ دیں۔ اپنی جان کو تکلیف نہ دیں۔ میرے سر الزام نہ دیں۔ میں آپ کی اُسی طرح خدمت کرتا رہوں گا۔

مگر میری والدہ نے میری ایک نہ مانی اور اپنی ضد پر قائم رہیں۔ تا آنکہ دوسرا دن بھی اسی پریشانی میں گزر گیا۔ اور میری ماں نے بھوک ہڑتال قائم رکھی۔ میں بھی اپنے موقف پر ڈٹا رہا کہ چاہے کچھ ہو جائے میں سرور کائنات ﷺ کا دین نہیں چھوڑوں گا۔

جب میری ماں کی بھوک ہڑتال کا تیسرا دن شروع ہوا تو ان کی حالت بگڑنی شروع ہو گئی تو میں نے پھر عاجزانہ درخواست کی کہ اماں جان! پورے خاندان کی عزت و آبرو کو داؤ پر نہ لگائیں، یہ کھانا کھائیں، پانی پیئیں، ہوش کریں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں آپ کی خدمت میرا فرض ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی نہیں کروں گا۔ مگر میری اماں کا ایک ہی مطالبہ کہ۔ لَا أَكُلُ وَلَا أَشْرَبُ حَتَّى أَمُوتَ۔ میں مرجاؤں گی مگر نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ ہاں اگر تم مجھے کھلانا، پلانا اور زندہ دیکھنا چاہتے ہو۔ لَتَدْعُنَّ دِينَكَ هَذَا۔ پھر تمہیں اپنے اس دین کو چھوڑنا ہوگا۔ اب تمہاری مرضی ہے کہ ماں کے قاتل کہلاؤ یا میرا مطالبہ پورا کر کے میری زندگی بچالو۔

جناب سعد رضی اللہ عنہ کا اعلانِ حق:

جناب سعد رضی اللہ عنہ حالات کی نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فَتَعَيَّرَ بَنِي فَقَالَ يَا قَاتِلَ أُمِّهِ۔ لوگوں نے میری عیب جوئی شروع کر دی اور مجھے ”ماں کا قاتل“ کہا جانے لگا۔ آخر کار جناب سعد رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ رنگ اڑا ہوا۔ آنکھیں متورم اور چہرے پر افسردگی۔ اپنے صحابی کی یہ حالت دیکھ کر غم خوار اور ہمدرد آقا نے پوچھا۔ سعد کیا ہوا؟ جناب سعد رضی اللہ عنہ نے تین روزہ کاروائی بیان فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ بھی پریشان ہو گئے اور لمحہ بھر کے لیے خاموشی اختیار فرمائی۔ آپ ذرا تصور فرمائیے:

- ☆ مرید بھی خاموش ☆ پیر بھی خاموش
- ☆ سائل بھی خاموش ☆ مسئول بھی خاموش
- ☆ نبی ﷺ بھی خاموش ☆ امتی بھی خاموش
- ☆ رسول اللہ ﷺ بھی خاموش ☆ صحابی بھی خاموش

☆ آقا بھی خاموش ☆ غلام بھی خاموش آخر کیوں؟
 قرآن حکیم اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۵۴/ النجم: ۳-۴)

”نبی مکرم ﷺ اپنی مرضی اور خواہش سے اپنی زبان مبارک کو حرکت نہیں دیتے وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق گفتگو فرماتے ہیں۔“

ابھی چند لمحات ہی گزرے تھے آسمان سے جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور جناب سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قرآنی آیت کو سرور کونین ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرما دیا:

﴿وَإِنْ جَاهِدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا
 وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (۳۱/ لقمان: ۱۵)

”اور اگر تمہارے ماں باپ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ اس شے کو شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم تک نہیں تو پھر ان کی اطاعت و فرماں برداری نہ کرو۔
 البتہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزارا کرو۔“

جناب سعد رضی اللہ عنہ زبان نبوت سے یہ قرآنی الفاظ سن کر فوراً گھر تشریف لائے تو والدہ کو اسی حالت میں پایا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے والدہ کو پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور سعد رضی اللہ عنہ کی ماں نے اپنا وہی مطالبہ دہرایا تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اعلان کے انداز میں فرمایا:

يَا أُمَّهُ تَعْلَمِينَ وَاللَّهِ لَوْ كَانَتْ لَكَ مِائَةُ نَفْسٍ فَخَرَجْتَ نَفْسًا
 نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِينِي هَذَا لِشَيْءٍ إِنْ شِئْتَ فَكُلِّي وَإِنْ شِئْتَ لَا
 تَأْكُلِي۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۃ لقمان)

”اے میری ماں! تو خوب اچھی طرح جان لے کہ تیری ایک جان ہے جسے میرے سر چڑھ کر ضائع کرنے کی دھمکی دے رہی اور تین دن سے بھوک ہڑتال کر رہی ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر یہ اعلان کر رہا ہوں کہ اگر تیرے قالب میں سو جانیں بھی ہوں اور سب ایک ایک کر کے نکل جائیں بالفاظ دیگر اگر

تیرے جیسی میری سومانیں بھی ہوں تو میں ایک ایک کر کے قربان تو کر سکتا ہوں مگر مصطفیٰ ﷺ کا کلمہ نہیں چھوڑ سکتا۔ آقا کی محبت نہیں چھوڑ سکتا۔ پیغمبر ﷺ کا پیار نہیں چھوڑ سکتا۔ اب تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ دل چاہے تو کھا لو۔ اور اگر دل نہ چاہے تو بے شک نہ کھاؤ۔ میں تمہاری جان بچانے کے لیے اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا۔ فَآكَلْتُ۔ جناب سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا عزم مصمم دیکھ کر میری ماں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی اور خود ہی کھانا پینا شروع کر دیا۔“

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ذی شان کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾

”اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اُسے تمہارے قلوب میں آراستہ اور مزین فرما دیا۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح توحید الہی، رسالت محمدی، اسلام اور ایمان کے ساتھ محبت کی توفیق نصیب فرمائے اور ہمارے قلوب و اذہان کو اسلام و ایمان کے نور سے منور اور روشن فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ:

جن برگزیدہ ہستیوں نے ایمان کی محبت، الفت کو اپنی جان سے بھی عزیز تر گردانتے ہوئے ایمان و اسلام اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی عقیدت و ارادت میں اپنی پیاری جان قربان کرنے کا اعزاز عظیم حاصل کیا، اُن میں ایک شخصیت کا نام نامی، اسم گرامی سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ جماعت انصار کے معزز رکن تھے اور بتوفیق اللہ تعالیٰ ہجرت رسول سے قبل ہی سعادت اندوز اسلام ہو چکے تھے۔ غزوہ بدر میں مجاہدین اسلام کے مال و اسباب کی نگرانی آپ کے سپرد تھی۔ آپ نے عملاً لڑائی میں حصہ لیا اور ایک معروف کافر سردار ”حارث بن عامر“ کو قتل کر کے جہنم رسید کیا تھا۔

۳۱ یا ۴ ہجری میں غزوہ رَجِیع کا واقعہ پیش آیا۔ رسول اکرم ﷺ نے قبیلہ عَصَل اور قبیلہ قارہ کی دعوت اور خواہش پر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سیدنا عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی

زیر امارت تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ مکہ اور عسفان کے درمیان بنی ہذیل کا ایک قبیلہ بنو لحيان رہتا تھا۔ ان لوگوں نے بنو لحيان سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موقع پر شہید ہو گئے اور تین باقی بچ گئے۔ یہ تینوں جان کی امان کے وعدے پر پہاڑ سے نیچے اتر آئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔ ان میں سے ایک سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کفار نے موقع پاتے ہی ان کے ہاتھ باندھ کر انہیں گرفتار کر لیا۔ صحابہ کرام نے کہا کہ یہ تمہاری بد عہدی ہے مگر کافروں نے کوئی پروا نہ کی، تین مسلمانوں میں سے ایک عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ اس بات کو گوارہ نہ کر سکے اور احتجاج کرتے ہوئے لڑنا شروع کر دیا اور مردانہ وار لڑ کر جان اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمادی۔ اب دو آدمی باقی رہ گئے، مشرکین نے ان دونوں کو لے جا کر مکہ میں فروخت کر دیا۔ جناب خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خرید لیا۔ جسے غزوہ بدر میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی قتل کیا تھا۔ عقبہ بن حارث نے انہیں گھر میں لا کر قید میں ڈال دیا۔ موہب نامی ایک شخص کو نگرانی کے لیے مقرر کر دیا۔

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کئی ماہ قید میں رہے، حرمت والے مہینے گزر گئے تو قتل کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے نگران سے تین باتوں کی درخواست کی تھی (۱) آب شیریں پلانا۔ (۲) بتوں کے نام کا ذبیحہ (حرام) نہ کھلانا اور (۳) قتل سے پہلے خبر کر دینا، آخری درخواست عقبہ کی بیوی سے بھی کی تھی۔ جب قتل کا پروگرام بنا تو اس نے آکر آگاہ کر دیا، جناب خبیب رضی اللہ عنہ نے طہارت کے لیے اُستر امانگا جو اس نے لا دیا۔ اس کا بچہ کھیلتا کھیلتا ان کے پاس چلا آیا۔ انہوں نے ازراہ شفقت بچے کو اپنی ران پر بٹھالیا۔ ماں کی نظر پڑی تو وہ گھبرا گئی کہ کہیں خبیب رضی اللہ عنہ عداوت و دشمنی میں ہمارے بچے کو نقصان نہ پہنچا دے، وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں گھبرائی ہوئی آئی۔ خبیب رضی اللہ عنہ اُس کی پریشانی کی وجہ جان گئے۔ فرمایا، تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اپنے خون کا بدلہ اس معصوم سے لوں گا؟ حاشا! ہم ایسا نہیں کرتے۔ خبیب رضی اللہ عنہ کی باتوں کا اس پر خاص اثر ہوا۔ وہ کہا کرتی تھی کہ میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی قیدی کو نہیں دیکھا۔

حبیب رضی اللہ عنہ کی کرامت و شہادت:

اللہ تعالیٰ اس قید میں حضرت حبیب رضی اللہ عنہ پر خصوصی فضل فرماتا رہا۔ عقبہ کی بیوی ہی کا بیان ہے کہ میں نے بارہا ان کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ دیکھا حالانکہ ان دنوں انگور کا موسم بھی نہ تھا اور وہ بندھے ہوئے تھے، کہیں جاسکتے تھے نہ کسی کو ان کے پاس آنے کی اجازت تھی۔ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رزق تھا جو خزانہ غیب سے انہیں ملتا تھا۔

حبیب رضی اللہ عنہ کے قتل میں مشرکین نے بڑا اہتمام کیا۔ حرم سے باہر تشعیم (مسجد عائشہ) کے مقام پر ایک درخت پر سولی کا پھندا لٹکایا گیا۔ اعلان کر کے لوگوں کو جمع کیا گیا۔ جب وہ لوگ قتل کے لیے حبیب رضی اللہ عنہ کو لینے آئے تو فرمایا: ذرا ٹھہر جاؤ، دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ جی تو زیادہ پڑھنے کو چاہتا ہے لیکن تم سمجھو گے کہ میں موت کے خوف سے بہانہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ لہذا جلدی جلدی دو رکعت نماز ادا کی اور فارغ ہو کر سوئے مقتل روانہ ہوئے۔ آپ کی زبان پر دعا کے یہ الفاظ تھے:

اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا، وَاَقْتُلْهُمْ بَدَدًا، وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ اَحَدًا۔
(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع)

”یا اللہ! تو انہیں شمار کر، ایک ایک کر کے انہیں قتل کر اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔“

مقتل کے قریب پہنچے تو یہ شعر پڑھے:

وَلَسْتُ اُبَالِي حَيْنَ اُقْتُلُ مُسْلِمًا
عَلَى اَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلَّهِ مَصْرَعِي
وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْاِلَهِ وَاِنْ يَشَاءُ
يُبَارِكْ عَلَى اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٍ

”میں بحالت اسلام قتل ہو رہا ہوں۔ مجھے کوئی غم اور پرواہ نہیں کہ میں کس پہلو گرتا ہوں۔ میرے ساتھ یہ سلوک اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہو رہا ہے وہ چاہے تو کئے ہوئے اعضا پر بھی برکت نازل کر دے گا۔“

معروف سیرت نگار قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب خلیب رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا مفہوم یوں ادا کیا ہے:

جب نکلتی ہے جان اسلام پر
تب نہیں پروا مجھ کو جان کی
کیوں نہ دوں کامل خوشی سے اپنی جان
چاہیے مجھ کو رضا رحمان کی
آرزو پنہاں میرے سینے میں تھی
اس دل مشتاق پر ارمان کی
آنکھ کر لیتی زیارت وقتِ نزع
داعی حق ہادی ایمان کی
اے خدا پہنچا انہیں میرا سلام
جان جن پر میں نے ہے قربان کی

سیدنا خلیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی پر لٹکایا گیا تو ابوسفیان (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے آپ سے کہا بتاؤ! اب تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تم بچ جاتے؟ جناب خلیب رضی اللہ عنہ نے انتہائی محبت سے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان کے بدلے انہیں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ پھر لوگوں نے کہا تم اسلام و ایمان کو چھوڑ دو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ جناب خلیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم میرے سامنے ساری دنیا کی دولت بھی لا کر ڈھیر کر دو تب بھی اسلام و ایمان کو نہیں چھوڑ سکتا۔

آخر عقبہ بن حارث نے گلے میں پھندا ڈال کر سولی چڑھایا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محبت مخلص اور اسلام کے سپاہی کو شہید کر دیا گیا۔ اس طرح اسلام کی تاریخ میں جرات و بسالت اور صبر و استقامت کا ایک شاندار نمونہ چھوڑ کر آپ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔ یہ کیسا عجیب منظر تھا کہ ایک غریب الوطن پر کیسے ظلم ہو رہا ہے تھے اور کفر و شرک کا قاتل

فرزند توحید کو کیسے بری طرح قتل کر رہا تھا لیکن یہ فرزند اسلام پیکر صبر و رضا بنا ہوا بڑی خوشی و رضا مندی کے ساتھ اپنے خالق کے نام پر جان دے رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو

رسول مکرم ﷺ کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع وحی کے ذریعے ہوئی۔ تو فرمایا: خبیث! تجھ پر سلام اور پھر آپ نے عمرو بن ربیعہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اس شہید اسلام کی لاش کا پتہ چلانے کے لیے مکہ بھیجا۔ عمرو بن ربیعہ رضی اللہ عنہ رات کے اندھیرے میں سولی کے پاس گئے، درخت پر چڑھ کر رسی کاٹی۔ جسد اطہر زمین پر گرا۔ نیچے آئے کہ اسے اٹھالیں مگر یہ مقدس جسم زمین کے قابل نہ تھا۔ فرشتوں نے اسے اٹھا کر وہاں پہنچا دیا جہاں شہیدانِ وفا کی روحیں رہتی ہیں۔ عمرو بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے کہا: اسے زمین تو نہیں نگل گئی؟

قتل کرتے وقت مشرکین نے انہیں قبلہ رخ نہ رکھا تھا لیکن جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا وہ کسی دوسری طرف کیسے پھر سکتا تھا۔ مشرکین نے بار بار اسے دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ (سیر الصحابہ جلد ۳)

جناب سعد بن عامر رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمال میں سے تھے ان کا یہ حال تھا کہ کبھی اچانک بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ تمہیں یکبارگی کیا ہو جاتا ہے؟ تو فرمایا مجھے کوئی مرض لاحق نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں جناب خبیث رضی اللہ عنہ کے قتل اور شہادت کے موقع پر مجمع میں موجود تھا۔ مجھے جب بھی وہ واقعہ یاد آتا ہے تو فوراً بے ہوش ہو جاتا ہوں اور اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔

سیدنا خبیث رضی اللہ عنہ کی اس عظیم الشان قربانی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمان سے محبت و وارفستگی کا پتہ چلتا ہے اور سورۃ الحجرات کی اس آیت کی تفسیر واضح ہوتی ہے کہ۔

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۖ فَضَّلَا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۷-۸)

قرآن کریم کے چوبیسویں پارے میں اِن نفوسِ قدسیہ کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَابْشُرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزِّلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝﴾

(۴۱/احم السجدة: ۳۰-۳۲)

”بے شک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو مان لیا اور پھر اس پر پختہ ہو گئے تو ان پر فرشتے نازل ہو کر ان کی ڈھارس بندھاتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غمگین بھی نہ ہو اور تمہیں جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ دنیا و آخرت میں ہم تمہارے ساتھی ہیں اور تمہارے لیے وہاں تمہاری حسبِ خواہش نعمتیں ہوں گی اور وہ کچھ ہوگا جو تم مانگو گے۔ اللہ تعالیٰ مہربان بخشش کرنے والے کی طرف سے مہمانی ہوگی۔“

گناہوں سے نفرت

خالقِ ارض و سماء نے سورۃ الحجرات کی ان آیات مبارکات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف حمیدہ کا ذکر خیر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلوب و اذہان میں کفر، گناہ اور نافرمانی سے نفرت پیدا کر دی ہے۔ اور انہیں گناہوں، نافرمانیوں اور معاصی سے محفوظ رکھنے کا بند و بست فرما دیا ہے کہ گناہ کے تمام اسباب و ذرائع اور وسائل فراہم ہونے کے باوجود اُن سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ وہ نافرمانی کا ارتکاب نہیں کرتے اور کفر و شرک تو ان کے قریب بھی نہیں آسکتا۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿وَكُذَّٰرَةٌ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۝﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کفر، گناہ اور نافرمانی کو ناپسند فرمایا ہے۔“

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ گناہوں سے بچاتا، اُن کی حفاظت فرماتا

اور نافرمانیوں سے دُور رکھتا ہے۔ سبحان اللہ۔

رسول اکرم ﷺ کے رفقاء کرام میں سے ایک صحابی کا نام جناب مرشد غنوی رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ابتداء اسلام میں ہی مسلمان ہو گئے تھے اور مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر، شجاع، طاقت ور، نڈر، بے خوف اور قوی انسان تھے۔ چھپ چھپا کر مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ تشریف لاتے اور جن مسلمانوں کو قبول اسلام کی پاداش میں کفار مکہ نے قید کر رکھا تھا انہیں رات کی تاریکی میں زنداں سے نکال کر لے جاتے تھے۔

”جناب مرشد غنوی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اسی ارادہ سے مکہ مکرمہ آئے اور ایک مسلمان کو آزادی دلانے کے لیے اُس کے مکان کی دیوار کے سائے میں رات کو چھپ کر صورتِ حال کا جائزہ لے رہے تھے کہ زمانہ جاہلیت کی ایک واقف کار، حیاباختہ عورت ”عناق“ نے پہچان لیا اور مخصوص لہجے میں پوچھا: مرشد ہو؟ فرمایا: ہاں۔ میں مرشد ہی ہوں۔ اُس فاحشہ عورت نے دل رُبا انداز میں خندہ پیشانی سے کہا: مَرْحَبًا وَ أَهْلًا يَا مَرْثَدُ انْطِقِ اللَّيْلَةَ فَبِتْ عِنْدَنَا فِي الرَّحْلِ۔“

”اے مرشد! خوش آمدید۔ میرے گھر چلو اور رات ہمارے ہاں ہی گزارو۔“

سیدنا مرشد رضی اللہ عنہ نے اُس کی دعوتِ گناہ کے جواب میں فرمایا:

يَا عَنَاقُ! إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ حَرَّمَ الزَّيْنَا۔

”اے عناق! بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔“

لہذا اب مجھ سے ایسی اُمید نہ رکھو۔ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ جناب مرشد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عناق نے میرا صاف اور کورا جواب سن کر شور مچانا شروع کر دیا کہ:

يَا أَهْلَ الْخِيَامِ هَذَا الدَّلْدَلُ هَذَا الَّذِي يَحْمِلُ أَسْرَاءَكُمْ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ۔

”اے بستی والو! یہ ہے وہ چور جو تمہارے قیدیوں کو اٹھا کر مکہ سے مدینہ لے جاتا

ہے۔“

یہ آواز سنتے ہی آٹھ آدمیوں نے جناب مرشد غنوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بھاگ کر ایک پہاڑ کی غار میں پناہ لی اور دشمنانِ اسلام سے اپنی جان بچائی۔“
(سنن نسائی، کتاب النکاح، باب تزویج الزانیۃ)

آپ نے غور فرمایا کہ نافرمانی، گناہ اور معصیت کے تمام اسباب و وسائل موجود ہیں۔ عورت خود دعوتِ گناہ دے رہی ہے مگر صحابی رسول و اشکاف الفاظ میں گناہ اور معصیت سے انکار کر دیتے ہیں اور بھاگ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اصحابِ رسول کے دلوں میں کفر، فسق اور نافرمانی سے نفرت و حقارت پیدا فرما کر ایمان و اسلام کو ان کے دلوں میں آراستہ اور مزین فرما دیا ہے۔

اب ایک مرتبہ پھر سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیات مبارکات کی تلاوت فرمائیں اور اندازہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح انہیں ایمان کی محبت اور گناہوں سے نفرت عطا فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ ۖ فَضَّلَا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۸﴾ (الحجرات: ۷-۸)

”اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اُسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا ہے۔ اور اُس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے لیے کفر، گناہ اور نافرمانی کو ناپسند فرمایا ہے۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (یہ) اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔“

اللہ رحیم و کریم سے عاجزانہ دُعا ہے کہ مولائے کریم ہمیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ایمان، اسلام اور صاحبِ اسلام جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی محبت و الفت نصیب فرمائے اور گناہوں، نافرمانیوں اور معاصی سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

خطبہ نمبر ۹

اہل ایمان کے درمیان صلح

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ
 إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ
 فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
 الْمُقْسِطِينَ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۹)

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں کے درمیان صلح کروادو۔ پھر اگر اُن دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو تم زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو تم اُن دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کروادو۔ اور انصاف کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔“

ہر قسم کی حمد و ثناء، خالق کبریاء اللہ جلّ وعلیٰ کے لیے ہے جس نے انسان کو عدم سے وجود عطاء فرمانے کے بعد اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا اور سب سے آخر میں سید الرسل، ختم الرسل اور ہادی کل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اللہ رب العزت ہم سب کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر لاتعداد، بے شمار اور بے حساب درود و سلام اور برکات نازل فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
 اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
 اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی
 اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

ربط آیات:

سورۃ الحجرات کی پہلی آٹھ آیات طیبات کی تفسیر و تشریح میں مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کی اصلاح و فلاح اور بہتری کے جن اصولوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ وہ یہ ہیں:

① کوئی شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اُس کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکام سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

② خلوت و جلوت اور محفل و تنہائی میں تمام مسلمان تقویٰ اختیار کریں اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کریں۔

③ رسول اکرم ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کریں یعنی آپ ﷺ کی حدیث، سنت اور فرمان پر کسی کے قول کو ترجیح نہ دیں۔

④ نبی محترم ﷺ کی ذات، بات اور نام کا ادب ملحوظ رکھیں اور آپ ﷺ کی بے ادبی، گستاخی اور بد احترامی سے اجتناب کریں ورنہ اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

⑤ ہر سنی سنائی خبر پر اعتبار و اعتماد نہ کریں بلکہ پوری چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے بعد کوئی قدم اٹھائیں تاکہ بعد میں شرمندگی اور ندامت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

⑥ ایمان کی محبت، اتباع رسول، گناہوں سے نفرت اور تطہیر قلوب کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت سے راہنمائی حاصل کریں اور ان نفوسِ قدسیہ کی طرح ایمان کو جان سے بھی عزیز اور محبوب جانتے ہوئے اس کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھیں۔

ان احکام و آداب اور قوانین و ضوابط کے بعد اللہ رب العزت نے اسی سورۃ کی نوویں آیت میں اجتماعی زندگی کا ایک سنہری اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر خواہ مخواہ کسی موقع پر اہل ایمان کی دو جماعتوں، گروہوں، تنظیموں یا خاندانوں کے درمیان کوئی اختلاف، تنازع اور جھگڑا پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے تعلقات اور اثر و رسوخ استعمال کر کے اُن متحارب اور مخالف فریقوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کروا دیں، اختلافات ختم کروا دیں اور بچھڑے ہوؤں کو ملوادیں تاکہ مسلم معاشرے کو افتراق و انتشار اور اختلاف و خلفشار سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اللہ کریم فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ①﴾ (۴۹/ الحجرات: ۹)

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں کے درمیان صلح کروادو۔ پس اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے جو سب مل کر زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ لوٹ آئے تو اُن کے درمیان عدل سے صلح کروادو اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔“

یہ آیت کریمہ معاشرے کے ذمہ دار، بااثر اور معزز افراد کو حکم دے رہی ہے کہ معاشرے کا استحکام اور امن کا قیام تمہاری ذمہ داری ہے لہذا اگر کوئی خاندان کسی خاندان سے..... کوئی برادری کسی برادری سے..... کوئی جماعت کسی جماعت سے..... کوئی فرد کسی فرد سے..... اور کوئی تنظیم کسی تنظیم سے لڑ پڑے..... اختلافات کا شکار ہو جائے اور تنازعات میں مبتلا ہو جائے تو دوسرے لوگ خاموش تماشائی بننے کی بجائے آگے بڑھیں اور اُن کے درمیان عدل و انصاف کے مطابق صلح کروانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ خاندانوں کو خاندانوں سے ملائیں۔ متحارب جماعتوں میں نکتہ اتحاد تلاش کریں اور بگڑے اور بچھڑے ہوؤں کو ملا کر پُر امن ماحول پیدا کرنے کی سعی کریں تاکہ معاشرے کا امن بحال ہو اور نفرت کی جگہ محبت..... حقارت کی بجائے اُلفت..... عداوت کی جگہ اُخوت..... اور مخالفت کی بجائے موافقت پیدا ہو اور لوگ سکون و راحت سے زندگی گزار سکیں۔

باہمی لڑائی کی مذمت: www.kitabosunnat.com

اسلامی تعلیمات اور احکام اسلام میں دو مسلمان گروہوں، جماعتوں، تنظیموں، خاندانوں اور افراد میں لڑائی، فساد، اختلاف اور جھگڑے کی شدید مذمت کی گئی ہے اور اسے معاشرتی بگاڑ اور بد امنی کا بہت بڑا سبب قرار دیا گیا ہے۔ صحابی رسول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا

بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفِهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ

قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ

إِنَّهُ قَدْ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ)) (صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب اذا تواجہ المسلمان بسيفهما)

”جب دو مسلمان تلواریں لے کر (یعنی مسلح ہو کر) ایک دوسرے کا آمنہ سامنا

کریں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم کی آگ میں جائیں گے۔ میں نے

عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ قاتل تو جہنم میں جائے گا (کہ اُس نے

مسلمان کو قتل کیا) مگر مقتول کیوں جہنمی قرار پائے گا؟ ارشاد ہوا کہ وہ بھی تو اپنے

ساتھی کے قتل کا خواہش مند اور حریص تھا۔“

آپ غور فرمائیں کہ ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے کیسے شدید الفاظ میں

مسلمانوں کی باہمی لڑائی کی مذمت فرمائی کہ قاتل اور مقتول دونوں کو جہنمی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ

تمام اہل ایمان کو آپس کی لڑائیوں، شرارتوں اور فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

افسوس صد افسوس کہ آج مسلمان، مسلمان کا گلا کاٹ رہا۔ مومن، مومن کو قتل کر رہا اور

ایک فرقہ دوسرے فرقے کے لوگوں کو واجب القتل قرار دے رہا ہے اور اسے اسلام کی

خدمت، دینی فریضہ اور جہاد قرار دیا جا رہا ہے۔ موجودہ حالات میں اس امر کی اشد ضرورت

ہے کہ کچھ لوگ آگے بڑھیں اور فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کے آگے بندھ باندھنے کی

کوشش کریں اور مذہبی رہنماؤں کو قائل کریں کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ بازی بند کر

کے اُمت میں اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنے میں اپنا کردار ادا کریں ورنہ یہ منافرت،

عداوت اور مخالفت اہل اسلام کی تباہی و بربادی کا سبب ہوگی اور اس کے ذمہ دار دینی قائدین

اور مذہبی جماعتوں کے سربراہ ہوں گے۔

جو جماعت، افراد اور اشخاص اصلاح بین المسلمین کے لیے کوشاں ہوں گے تو اللہ سبحانہ

و تعالیٰ ایسے سعادت مندوں کو مرتبہ عالیہ پر فائز فرمائے گا۔ اُن کی عزت و عظمت میں اضافہ

فرمائے گا اور دنیا و آخرت میں اجرِ عظیم سے نوازے گا۔ اس کے برعکس مسلمانوں میں انتشار،

خلفشار اور فتنہ و فساد برپا کرنے والے ذلیل و رسوا ہوں گے۔ عوام کی نظروں میں گر جائیں گے اور رب کائنات کے ہاں بھی مبغوض و مردود قرار پائیں گے۔ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا:

((الَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟
قَالُوا بَلَى قَالَ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ
الْحَالِقَةُ)) (جامع ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع)

”کیا میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو اجر و ثواب میں روزے، نماز اور خیرات سے بڑھ کر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: دو افراد کے درمیان صلح کروانا (نماز، روزے اور صدقہ و خیرات سے افضل ہے) اور دو اشخاص میں لڑائی کروانا تو سراسر ہلاکت ہے۔“

اس ارشاد رسول کی روشنی میں معاشرے کے سنجیدہ فکر اور بااثر افراد کی یہ دینی ذمہ داری اور شرعی فریضہ ہے کہ وہ فتنہ پرور اور فسادی لوگوں پر کڑی نظر رکھیں اور انہیں فساد و انتشار پھیلانے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور اگر خواہناستہ دو فریق یا جماعتیں آپس میں ایسی صورت حال سے دو چار ہو جائیں تو انہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کریں اور ان کے درمیان صلح کروا کے اس قرآنی حکم پر عمل کریں۔ اس امر کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے نبی آخر الزماں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

أَنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا نَنْصُرُهُ
مَظْلُومًا فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: ((تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ))

(صحیح بخاری، کتاب النظام، باب عن أخاك ظالما أو مظلوما)

”اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ مسلمان اگر مظلوم ہو تو ہم اُس کی ضرور مدد کریں گے۔ لیکن اگر وہ ظالم ہو تو پھر اُس کی مدد کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اُس کا ہاتھ پکڑ لو۔ (یعنی ظالم کو ظلم سے روکنا اُس کی مدد کرنے کے مترادف ہے)۔“

ہم میں سے ہر شخص کو اس حدیث طیبہ کی روشنی میں اپنے کردار کا محاسبہ کرنا اور اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم ارشاد رسول ﷺ کے مطابق مظلوم کی حمایت اور ظالم کو اس کے ظلم سے روک کر محبت رسول کا عملی مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یا خاموش تماشاخی بن کر معاشرے میں فساد و انتشار کو عام کرنے میں معاون و مددگار بن رہے ہیں۔ مسلم معاشرے کے ذمہ دار افراد کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ شر پسند عناصر پر کڑی نگاہ رکھیں اور انہیں کسی صورت اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کا موقع نہ دیں بلکہ متحارب فریقوں سے مذاکرات کر کے امن و محبت کی فضا پیدا کریں اور زیادتی کا ارتکاب کرنے والوں کا ہاتھ روکیں اور عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے مسلمان جماعتوں اور افراد کو قریب لانے کی کوشش کریں۔ اُن کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوگا۔ حدیث مصطفیٰ پر بھی عمل ہوگا اور تمام اہل اسلام باہمی محبت و الفت سے زندگی گزار سکیں گے۔

افسوس صد افسوس کہ آج ہم میں اکثر لوگ اس اہم قرآنی حکم پر عمل کر کے معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بنانے کی بجائے افتراق و انتشار کو مزید ہوا دیتے اور باہم دست و گریباں افراد اور جماعتوں کے درمیان مزید دوریاں اور اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے آج مسلمانوں کی جماعتیں، تنظیمیں اور انجمنیں ایک دوسرے کو برداشت کرنے، مذاکرات سے مسائل کرنے اور ایک دوسرے کی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو اس حکم الہی کے مطابق معاشرے سے فساد و انتشار کو ختم کرنے اور باہمی محبت و الفت سے زندگی گزارنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل:

سید الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو جو نہی کوئی خبر پہنچتی کہ فلاں قبیلے، قوم یا محلے کے مسلمان آپس میں کسی معاملے پر الجھ پڑے اور اختلاف کا شکار ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ فوراً بذات خود وہاں تشریف لے جاتے اور فریقین کی گفتگو سماعت فرمانے کے بعد عدل و مساوات اور انصاف و اعتدال کی بنیاد پر اُن کے درمیان خوش اسلوبی سے صلح کروادیتے اور قطعاً اس امر کا انتظار نہ فرماتے کہ فریقین میں سے کوئی میرے پاس آئے۔ شکایت درج

کروائے اور دوسرے فریق کے ظلم و ستم کی داستان سنائے تو پھر میں غور کروں گا۔ انہیں بلاؤں گا۔ اُن کی کہانی سنوں گا اور پھر اگر مناسب سمجھوں گا تو اُن کے درمیان کوئی فیصلہ صادر فرماؤں گا۔

ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ جو نبی آپ ﷺ کے علم میں آتا کہ بقا ضائع بشریت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص، کسی شخص سے۔ کوئی قبیلہ کسی قبیلے سے۔ کوئی قوم، کسی قوم سے۔ کوئی فرد، کسی فرد سے یا کوئی رشتہ دار، کسی رشتہ دار سے اور کوئی برادری، کسی برادری سے الجھ پڑی ہے، اور معاملہ لڑائی جھگڑے تک پہنچ گیا ہے تو آپ ﷺ اپنی تمام مصروفیات و مشاغل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہاں تشریف لے جاتے اور جب تک فریقین باہمی رضامندی کے ساتھ آپس میں صلح نہ کر لیتے۔ آپ ﷺ واپس تشریف نہ لاتے اگرچہ فرض نماز لیٹ ہی ہو جاتی۔ اللہ اکبر۔

حضرات! یہ محض تصوراتی اور جذباتی گفتگو نہیں ہے بلکہ رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ سے ایسے متعدد واقعات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ”اصلاح بین المسلمین“ کو ہر کام پر فوقیت دی اور اہل اسلام کے اتحاد و اتفاق کو ہمیشہ مقدم رکھا۔۔۔۔۔ آئیے! آپ ﷺ کے ایک صحابی سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی زبان آپ ﷺ کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیے۔

آپ ﷺ کو بعض ذرائع سے اطلاع موصول ہوئی کہ۔
 ((اِنَّ نَاسًا مِّنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ كَانَتْ بَيْنَهُمْ شَيْءٌ فَخَرَجَ اِلَيْهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُنَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِهِ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ۔ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَمْ يَأْتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.....))

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب ماجاء فی الاصلاح بین الناس)

”قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے درمیان کچھ بحث و تکرار اور اختلاف ہو گیا ہے۔ تو نبی اکرم ﷺ اپنے کئی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر اُن کے پاس صلح کروانے کیلئے تشریف لے گئے۔ عمل مصالحت کے دوران ہی نماز کا وقت ہو گیا

لیکن آپ ﷺ نماز کیلئے (بروقت) تشریف نہ لاسکے۔“

یعنی آپ ﷺ نے فرض نماز کی امامت پر اہل ایمان کے درمیان صلح کروانے کو ترجیح دی اور صلح کا عمل مکمل کروانے کے بعد پھر آپ ﷺ نماز میں شریک ہوئے۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اسی واقعہ صلح کی مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

((إِنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ اقْتَتَلُوا حَتَّى تَرَامُوا بِالْحِجَارَةِ فَأُخْبِرَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ فَقَالَ اذْهَبُوا بِنَا نُصْلِحْ بَيْنَهُمْ))

(صحیح بخاری کتاب الصلح باب قول الامام لاصحابہ اذھوبنا صلح)

”قباء کے لوگ کسی بات پر آپس میں جھگڑ پڑے یہاں تک کہ انہوں نے ایک

دوسرے پر سنگ باری کی جب رسول اکرم ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ۔ میرے ساتھ چلو۔ ہم اُن کے درمیان صلح

کروائیں گے۔“

چنانچہ آپ ﷺ اپنے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ”قباء“ تشریف لے گئے۔ اور

اہل قباء کے درمیان صلح کروائی۔ سبحان اللہ۔

صلح کیلئے جھوٹ بولنا جائز ہے:

”اصلاح بین المؤمنین“ کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا

ہے کہ اگر کوئی شخص یا اشخاص دو مسلمان جماعتوں یا افراد کے درمیان صلح کروارہے ہوں تو

انہیں اصلاح کی غرض سے دونوں فریقوں کے سامنے مبالغہ آرائی سے کام لینے بلکہ جھوٹ

بولنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ مثلاً ایک گروہ کے پاس جا کر کہا جائے کہ دوسرا فریق تو آپ

کے بارے میں بڑے اچھے جذبات رکھتا ہے۔ آپ کی بڑی عزت کرتا ہے۔ آپ کے کردار کو

سراہتا ہے۔ آپ کی خدمات کا معترف ہے اور آپ کا از حد قدردان ہے۔ اگرچہ وہ ایسے

خیالات کا اظہار نہ بھی کرتا ہو مگر صلح کیلئے اور دونوں فریقوں کو قریب لانے کیلئے دونوں کے

سامنے ایک دوسرے کے متعلق نیک جذبات اور اچھے خیالات کا اظہار کرنا شرعاً جائز ہے۔

جیسا کہ سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

((لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيُنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا)) (صحیح بخاری، کتاب الصلح باب لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس)

”وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کروانے کیلئے (دونوں فریقوں سے) اچھی یا بھلائی کی بات بیان کرے۔“

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ آج لوگ صلح کیلئے مبالغہ آرائی یا جھوٹ بولنے کی بجائے لوگوں میں لڑائی کروانے کیلئے، دوریاں پیدا کرنے کیلئے، اختلافات بڑھانے کیلئے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کیلئے متحارب اور متخالف فریقوں کے پاس جا کر جھوٹ بولتے اور ایک دوسرے کی باتیں بیان کر کے اُن میں مزید انتشار اور اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ شر پسند عناصر کا مفاد اسی میں ہوتا ہے کہ معاشرہ بگاڑ کا شکار رہے۔ لوگوں میں اختلاف بڑھتے رہیں اور اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا نہ ہوتا کہ انہیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل میں کسی قسم کی دشواری اور رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت طیبہ میں مسلم معاشرے کے با اثر افراد کو حکم دیا ہے کہ۔

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا﴾

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کروادو۔“

شان نزول:

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کاسنام تو آپ نے کئی بار سن اور پڑھ رکھا ہے۔ یہ یثرب (مدینہ) کے مشہور قبیلے ”خزرج“ کا انتہائی معتبر شخص گردانا جاتا تھا بلکہ یثرب کے دونوں متحارب قبیلوں، اوس اور خزرج نے طویل جنگوں، دیرینہ رنجشوں اور نقصان دہ رقابتوں کے بعد اسے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ، رئیس اور با اختیار قائد بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کی رسم تاج پوشی کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ انہی دنوں رسول محترم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کا سفر اختیار کر کے یثرب یعنی مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ لہذا آپ ﷺ کی تشریف آوری کی وجہ سے اس کے خواب بکھر گئے اور علاقائی سرداری اور بادشاہت کے حصول کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اور اسے کامل یقین ہو گیا کہ مدینہ کی بادشاہی اب مجھے کسی صورت نہیں مل سکتی

لہذا اُس نے اور اُس کے حواریوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ بھی ظاہری طور پر مسلمان ہو جائیں اور محبت رسول کا دم بھرنا شروع کر دیں۔

چنانچہ عبداللہ بن ابی اور اُس کے حمایتیوں نے دنیاوی مفادات کی خاطر قبول اسلام کا اعلان تو کر دیا اور ظاہری اعمال کی بجا آوری بھی شروع کر دی۔ مگر دلی طور پر اسلام کی حقانیت اور صداقت کو تسلیم نہ کیا بلکہ خلاف اسلام سازشوں میں مصروف ہو گئے اور دربار رسالت میں بہت کم حاضر ہوتے اور مصروفیات و مشاغل کا بہانہ بنا کر دور رہنے کی کوشش کرتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن بعض رفقاء رسول نے آپ ﷺ کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ اگر آپ مزید وسعت ظرفی کا اظہار فرماتے ہوئے عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جائیں تو اُس کی دل جوئی ہو جائے گی۔ امید ہے کہ آپ کے اس طرز عمل سے اُس کے رویے میں تبدیلی آئے گی۔ اُس کے جو ساتھی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں اُن کی حوصلہ افزائی ہوگی اور بہت سے مزید لوگ بھی قبول اسلام کی سعادت حاصل کر لیں گے۔

آپ ﷺ کا مشن ہی تبلیغ اسلام، دعوت دین اور لوگوں کو جہنم سے بچا کر جنت کے راستے پر لگانا تھا۔ لہذا آپ ﷺ نے اس مشورے کو قبول فرماتے ہوئے بلاتامل ابن ابی کے پاس جانے پر رضا مندی ظاہر فرمادی۔ پھر کیا ہوا؟ آئیے خادم رسول سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی زبانی جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ۔

((فَانْطَلَقَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ حِمَارًا
فَانْطَلَقَ الْمُسْلِمُونَ يَمْشُونَ مَعَهُ..... وَهِيَ اَرْضٌ سَبِيحَةٌ.....
فَلَمَّا اتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ- اِلَيْكَ عَنِّي- وَاللَّهِ
لَقَدْ اَذَانِي نَتْنُ حِمَارِكَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنْهُمْ وَاللَّهِ
لِحِمَارِ رَسُولِ اللَّهِ اَطْيَبُ رِيحًا مِّنْكَ، فَغَضِبَ لِعَبْدِ اللَّهِ رَجُلٌ
مِّنْ قَوْمِهِ فَشَتَمَا فَغَضِبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَصْحَابُهُ فَكَانَ
بَيْنَهُمَا ضَرْبٌ بِالْجَرِيدِ وَالْاَيْدِي وَالنِّعَالِ فَبَلَّغْنَا اَنَّهَا اُنْزِلَتْ،
وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا))

(صحیح بخاری۔ کتاب الصلح۔ باب ماجاء فی الاصلاح بین الناس)

”پس نبی اکرم ﷺ اُس (عبداللہ بن اُبی) کے پاس جانے کیلئے گدھے پر سوار ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ جس راستے سے آپ ﷺ کا گزر ہوا۔ وہ بنجر زمین تھی۔ جب آپ ﷺ اُس (عبداللہ بن اُبی) کے پاس پہنچے تو اُس نے کہا۔ آپ ذرا مجھ سے دور ہی رہیے۔ کیونکہ آپ کے گدھے کی بدبو مجھے ایذا پہنچا رہی ہے۔ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُس منافق کی اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکے اور) ایک انصاری صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ کا گدھا تم سے زیادہ خوشبودار ہے۔ عبداللہ بن اُبی کی قوم کا ایک فرد یہ سن کر طیش میں آگیا اور انصاری صحابی کو گالی دے دی۔ انصاری نے بھی اُسی طرح کا جواب دیا جس سے ماحول گرم ہو گیا اور دونوں فریق غصہ میں آگئے اور ایک دوسرے کو ڈنڈوں، ہاتھوں اور جوتوں سے مارنا شروع ہو گئے۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سورۃ الحجرات کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی کہ:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا﴾

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو اُن میں صلح کروادو۔“

شارح صحیح بخاری، مجتہد العصر مولانا محمد داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت تو مسلمانوں کے بارے میں ہے اور عبداللہ بن اُبی کے ساتھی تو اُس وقت کافر تھے۔ قسطلانی نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ بن اُبی کے ساتھی بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ آیت میں لفظ ”مومنین“ خود اس امر پر دلیل ہے۔“

اوس اور خزرج کے مابین اختلاف:

جب سرور کونین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں دو

بڑے قبائل آباد تھے۔ ایک کا نام ”اوس“ اور دوسرے کا ”خزرج“ تھا۔ اور یہ دونوں قبائل آپس میں برسرِ پیکار رہتے تھے اور کئی طویل ترین جنگیں لڑ چکے تھے، ان کے درمیان عرصہ دراز تک لڑی جانے والی مشہور جنگ کا نام ”جنگِ بعاث“ تھا۔ جو تقریباً چالیس سال جاری رہی اور فریقین کے سینکڑوں لوگ اس جنگ میں کام آچکے تھے۔

امام الرسل ﷺ کی تشریف آوری پر ان دونوں قبائل نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اور برضا و رغبت سعادت اندوز اسلام ہو گئے اور باہم شیر و شکر ہو کر زندگی گزارنے لگے۔ یہ لوگ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی تفسیر اور اَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ کا حقیقی مصداق تھے۔ تمام لوگ ایک دوسرے کے ہمدرد، خیر خواہ، معاون و مددگار اور غمخوار و غمگسار تھے مگر یہودِ مدینہ کو ان کی باہمی محبت و اُلفت ایک آنکھ نہ بھاتی اور وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھے جب وہ ان اہل ایمان کے درمیان نفرت و عداوت اور بُغض و مخالفت کی دیوار حائل کر سکیں۔ بالخصوص غزوہ بدر کی فتح یہودیوں کو ہضم نہ ہو رہی تھی اور ان کا خیال تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوت کو کمزور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ ہے..... باہمی عداوت و نفرت۔

ایک بوڑھا یہودی ”شاس بن قیس“ بڑا پکا کافر اور اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ یہ بد بخت فتح بدر کے بعد ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس کے قریب سے گزرا جس میں ”اوس اور خزرج“ دونوں قبائل کے مسلمان آپس میں محبت بھری گفتگو کر رہے تھے۔ اس کینہ پرور یہودی نے جب زمانہ جاہلیت کے باہم دشمن قبائل کے درمیان یہ اُلفت و محبت اور تعلق داری دیکھی تو اس ظالم سے برداشت نہ ہو سکا اور انتہائی کرب و الم کی حالت میں پکار اٹھا۔ ”ہائے! اس شہر میں بنو قیلہ کے اشراف متحد ہو گئے ہیں۔ اس اتحاد کے بعد تو ہمارا یہاں گزارا نہیں ہو سکتا۔“

چنانچہ اس تجربہ کار، حاسد بوڑھے نے ایک نوجوان یہودی کو تیار کیا، اُس کی پوری تربیت کی اور اُسے اوس و خزرج کے ماضی سے آگاہ کرتے ہوئے حکم دیا کہ وہ ان کی مجالس میں جایا کرے، ان سے اپنے تعلقات بنائے اور اپنی ہمدردی و خواہی کا یقین دلانے کے بعد اُن کے ساتھ بیٹھ کر ”جنگِ بعاث“ کا ذکر چھیڑ دے۔ اُن حالات کا تذکرہ کرے جو جنگ

باعث کا سبب بنے اور انہیں وہ اشعار بھی سنائے جو دونوں نے ایک دوسرے کے مقابلے میں کہے تھے تاکہ اُن کے درمیان زمانہ جاہلیت کی عصبیت اور عداوت جاگ اُٹھے اور وہ باہمی انتشار و افتراق کا شکار ہو جائیں جس سے اُن کی طاقت و قوت کمزور ہو جائے گی۔ آپس میں قتال و عداوت کے باعث اُن کی ہوا اکھڑ جائے گی اور ہمیں اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کا موقع میسر آ جائے گا۔

یہ یہودی نو جوان بھی بڑا شاطر، مکار اور عیار تھا۔ اُس نے موقع پاتے ہی اپنی کارکردگی دکھائی اور اوس و خرج کی محافل میں ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ اُن کے درمیان کش مکش شروع ہو گئی۔ ایک دوسرے کے خلاف باتیں ہونے لگیں اور نوبت تو تکار تک پہنچ گئی۔ فخر و مباہات کے جذبات نے رنگ دکھایا اور دونوں اطراف میں ایک ایک شخص ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لیے گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ دونوں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ ہم پرانی جنگ کو از سر نو تازہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ چلو ابھی آغاز کرتے ہیں۔ اس پر دونوں فریق شدید غصے میں آ گئے۔ یہودی سازش کامیاب ہوتی نظر آئی اور اعلان ہو گیا کہ مدینہ سے باہر ”حرہ“ کے مقام پر مقابلہ ہوگا۔ مقابلے کا اعلان ہوتے ہی ”ہتھیار..... ہتھیار..... پکارا جانے لگا اور دونوں قبائل کے لوگ مسلح ہو کر حرہ کی طرف جانے کی تیاریاں کرنے لگے اور قریب تھا کہ خون ریز جنگ چھڑ جاتی اور اہل ایمان کا ناقابل تلافی نقصان ہو جاتا۔

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تشریف آوری:

اسی دوران رسولِ محترم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو صورتِ حال کی اطلاع ہو گئی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مہاجرین صحابہ کرام میں سے چند سربراہ اور وہ لوگوں کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے اور لوگوں کی جذباتی کیفیت کو دیکھ کر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! اللَّهُ- اللَّهُ أَبَدَعَوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ بَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللَّهُ لِلْإِسْلَامِ وَأَكْرَمَكُمْ بِهِ وَقَطَعَ بِهِ عَنْكُمْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ وَأَسْتَنْقِذْكُمْ بِهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفِ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ))

”اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ کیا تم اب بھی زمانہ جاہلیت کے نعرے لگا رہے ہو اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ (یعنی میری زندگی میں ہی تمہارا یہ حال ہے تو میرے بعد تمہاری حالت کیا ہوگی؟) اللہ تعالیٰ تمہیں اسلام کی ہدایت سے سرفراز فرما چکا اور اسلام کے سبب عزت و تکریم سے نواز چکا ہے اور اسی اسلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تمام معاملات کو کاٹ کر الگ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفر سے نجات عطا فرما کے تمہارے دلوں میں محبت و الفت پیدا فرمادی ہے۔“

(سیرۃ النبی ﷺ لابن ہشام جلد اول)

اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر قرآن مجید فرقان حمید کی یہ آیات مبارکات نازل فرمائیں اور آپ ﷺ نے اُسی وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں ان آیات طیبات کو تلاوت فرمایا۔ جب اصحاب رسول نے زبان نبوت سے ان قرآنی آیات کو سنا اور ان کے معانی اور مفاہیم پر غور کیا تو ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور وہ زار و قطار رونا شروع ہو گئے۔

آپ ذرا تصور فرمائیں کہ صورت حال کیا ہوگی؟ صحابہ کا مجمع۔ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما، قرآنی آیات کا نزول ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ صحابہ کرام کی آنکھیں چھلک رہی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن سنتے جا رہے ہیں اور روتے ہوئے ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں، مصالغے اور معافے کر رہے ہیں۔ اپنی سابقہ حرکت پر پشیمان، نادم اور حیران ہیں کہ ہم سے یہ کیا حرکت سرزد ہو گئی ہے۔ روتے ہوئے آپ ﷺ سے معذرت کر رہے ہیں۔ معافیاں مانگ رہے ہیں اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کو یقین دلارہے ہیں کہ ہم ہمیشہ بھائی بن کر رہیں گے۔ محبت و الفت کا ماحول قائم رکھیں گے۔ جاہلیت کی باتوں اور معاملات کو فراموش کر دیں گے اور آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے، پھر تمام لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح صفائی کے بعد گھروں کو لوٹ گئے۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ آل عمران)۔

آئیے! اُن بابرکت آیات کی قراءت کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے اس موقع تلاوت فرمائیں۔ ارشاد ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُثَلَّىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝﴾ (۳/ آل عمران: ۱۰۰ تا ۱۰۳)

”اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب کے ایک گروہ (یہود) کی بات مان لی تو یہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پھر کافر بنا دیں گے۔ اور تم کیسے کفر کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور (ابھی) اللہ تعالیٰ کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے تھام لے گا تو وہ ضرور راہِ راست تک پہنچا دیا جائے گا۔ اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرو جیسے اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اور اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو، جو اُس نے تم پر اُس وقت کی جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، تو تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کر سکو۔“

میاں بیوی کے درمیان صلح:

خانگی زندگی کے سکون، گھریلو اطمینان اور اولاد کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت کے لیے میاں بیوی کے درمیان محبت، اُلفت، ہمدردی اور خلوص و صلح کا ہونا از حد ضروری ہے۔ میاں بیوی کی ذہنی ہم آہنگی اور ایک دوسرے کے حقوق کی شرعی ادائیگی معاشرتی استحکام کے لیے بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ والدین کی لڑائی اور بگاڑ اولاد پر انتہائی بُرے اثرات مرتب کرتا ہے اس لیے شریعت اسلامیہ نے زوجین کی صلح اور اصلاح پر بڑا زور دیا ہے اور مرد کو گھر کا سربراہ، منتظم اور سرپرست مقرر فرما کر اُسے ہدایت کی ہے کہ اگر عورت کی طرف سے اُس کی طبعی کمزوری کے باعث کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو مرد کی مرضی، طبع اور مزاج کے موافق نہ ہو تو اُسے حتی الامکان برداشت سے کام لیتے ہوئے ”گزارہ“ کرنا چاہیے اور ذرا ذرا سی باتوں پر علیحدگی، طلاق اور گھر سے نکلنے کی دھمکی نہیں دینی چاہیے۔ اور عورتوں کو بھی معمولی باتوں پر بے ادبی، گستاخی اور نافرمانی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان کسی معاملے پر اختلاف کی نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ دونوں آپس میں بیٹھ کر کوئی فیصلہ اور تصفیہ نہ کر سکیں تو دونوں کے والدین، سرپرستوں اور بزرگوں کو چاہیے کہ وہ اُن کے درمیان صلح کی ہر ممکن کوشش کریں، کیونکہ میاں بیوی کے درمیان تنازعہ اور اختلاف درحقیقت کئی خاندانوں کے مابین تنازعات اور اختلافات کا سبب بن جاتا ہے، اس لیے اس چنگاری کو جتنی جلد ممکن ہو بجھا دینا چاہیے اور میاں بیوی کے درمیان صلح کروا کے معاشرے کی اس بنیادی اکائی کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی سعی کرنا چاہیے۔ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُّوفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ٢٥﴾ (النساء: ۳۵)

”اور اگر تمہیں زوجین کے باہمی تعلقات کے بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے خاندان کی طرف سے اور ایک ثالث عورت کے خاندان کی طرف سے

مقرر کر لو۔ اگر وہ دونوں (میاں بیوی یا دونوں ثالث) صلح چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر چیز سے باخبر ہے۔“

سرور کونین، رسول الثقلین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو اگر کسی شادی شدہ جوڑے کے مابین اختلاف، افتراق اور جھگڑے کی خبر ملتی تو آپ ﷺ بذاتِ خود دلچسپی لے کر اُن کے درمیان صلح کرواتے اور انہیں ایک دوسرے کے شرعی حقوق ادا کرنے کی تلقین اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کا حکم فرماتے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا واقعہ ہے کہ:

”ایک انصاری صحابی جن کا نام عمران تھا، نے کسی وجہ سے اپنی بیوی امّ زید پر پابندی لگا دی کہ وہ اپنے میکے نہیں جاسکتی۔ اہلیہ میکے جانے پر بضد تھی۔ نوبت بایں جا رسید کہ عمران رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی صاحبہ کو گھر کی دوسری منزل پر بالا خانے میں بند کر دیا اور سسرال پر بھی پابندی لگا دی کہ اُن میں سے کوئی فرد ہمارے گھر میں داخلے کی جرأت اور جسارت نہ کرے۔“

حضرات! لمحہ بھر کے لیے سوچیے اور غور فرمائیے کہ کیا ہمارے ہاں بھی کئی گھروں میں یہی تنازعہ نہیں ہے کہ بیگم صاحبہ آئے روز میکے جانے پر بضد ہیں اور خاوند صاحب اُسے اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے ملاقات کے لیے جانے کی اجازت دینے پر تیار نہیں ہیں۔ اور پھر صورتِ حال بگڑتی بگڑتی طلاق اور علیحدگی تک پہنچ جاتی ہے۔ اور میاں صاحب غصے اور جذبات میں آکر اپنے ”دھنِ مبارک“ سے طلاق کی مشین چلا دیتے ہیں اور ایک ہی سانس میں پندرہ بیس مرتبہ طلاق طلاق کا لفظ بول دیتے ہیں۔ اب بیگم صاحب جنہیں چند گھنٹوں یا ایک دو دنوں کے لیے میکے جانے کی اجازت نہیں مل رہی تھی۔ مستقل طور پر میکے سدھار جاتی ہیں۔ بچے باپ کی جان کو روتے اور ماں ماں پکارتے ہیں تو خاوند صاحب مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔

طلاق اور حلالہ:

مفتی صاحب! میں نے شدید غصہ کی حالت میں اپنی بیگم کو ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ

طلاق دے دی ہے۔ فرمائیے! صلح اور رجوع کی کوئی صورت ممکن ہے؟ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، بوڑھے والدین ہیں، میں مزدور پیشہ آدمی ہوں۔ بچوں کو سنبھال نہیں سکتا۔ کوئی ایسی شرعی صورت نکالے کہ ہماری صلح ہو جائے اور میری روٹھی بیوی میرے گھر واپس آجائے..... مفتی صاحب اپنی فیس کھری کرنے کے بعد فتویٰ جاری فرماتے ہیں کہ بھائی! ”تمہاری بیوی کو حلالہ کروانا پڑے گا۔“ حضرت! وہ حلالہ کیا ہوتا ہے؟ مولوی صاحب جب حلالے کی تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ تو سائل کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے..... جب بیگم صاحبہ کو خبر ملتی ہے کہ واپسی ممکن تو ہے مگر اُس کے لیے تمہیں حلالہ کروانا ہوگا؟ وہ کیسے ہوتا ہے؟ جب وہ حلالے کی حقیقت سے آگاہ ہوتی ہے تو اُس کے منہ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے کہ غلطی کرے خاوند اور بے غیرتی کا عمل ”حلالہ“ کرواؤں میں..... میں تو مرجاؤں گی مگر یہ حرکت برداشت نہیں کروں گی۔

اب کوئی ہمدرد میاں صاحب کو مشورہ دیتا ہے کہ بھائی! تم کہاں اُن پڑھ مفتیوں کے ہاں پھنس گئے ہو۔ اگر قرآن و حدیث کے مطابق فتویٰ لینا ہے تو فلاں عالم دین کے پاس جاؤ، اِنْ شَاءَ اللہ تمہارا گھر بھی آباد ہو جائے گا اور عزت و غیرت بھی بچ جائے گی۔ وہ بھلا مانس، جھجکتا، شرماتا اور ندامت کی تصویر بنا، ہمارے ہاں آتا ہے اور بڑی لجاجت سے کہتا ہے۔ حافظ صاحب! اس طرح میں نے غصے کی حالت میں اپنی بیگم کو ایک ہی مجلس میں تین مرتبہ اکٹھی طلاقیں دے دی ہیں، کیا ہماری صلح ممکن ہے؟ الحمد للہ ہم قرآن و حدیث کے مطابق اُسے مسئلہ سمجھاتے اور بتلاتے ہیں کہ بھائی تمہیں ایک ہی مجلس میں ایک سے زائد طلاقیں دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اُسے حالتِ طہر میں بغیر وظیفہ زوجیت ادا کیے ایک طلاق دی جائے پھر اگر خاوند دورانِ عدت رجوع نہ کرے تو عدت کی تکمیل پر طلاق مؤثر ہو جاتی ہے اور بیوی خاوند کی زوجیت سے فارغ ہو جاتی ہے۔..... اور ہاں..... اگر کوئی شخص جذبات سے مغلوب ہو کر ایک ہی مجلس میں ایک سے زائد طلاقیں دے دے تو صحیح مسلم میں بیان کردہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث رسول ﷺ کے مطابق اُسے ایک ہی طلاق شمار کیا جائے گا۔ اور دورانِ عدت..... تین حیض یا وضع

حمل..... خاوند کو صلح اور رجوع کا حق حاصل ہے۔ اور پہلی یا دوسری طلاق کی صورت میں تکمیل عدت کے بعد عورت کی رضا مندی اور سرپرست کی اجازت کے ساتھ تجدید نکاح کے ذریعے بھی گھر آباد کیا جاسکتا ہے۔

حضرات! یاد رکھیے، طلاق کو جائز اور حلال کاموں میں انتہائی معیوب اور ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس سے خاندان تباہ ہوتے، اولاد خراب ہوتی اور گھر اُجڑ جاتے ہیں۔ اس لیے طلاق کا لفظ بولنے، لکھنے یا اس کا فیصلہ کرنے سے قبل سوچئے، ہزار بار سوچیے..... اس کے نتائج و عواقب پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور و خوض کیجئے اور اس کے نفع و نقصان کے تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لیجئے۔ ورنہ جلد بازی، غصے اور جذبات میں کیا گیا فیصلہ آپ کے لیے..... آپ کی اولاد کے لیے..... اور آپ کے عزیز و اقارب کی لیے سخت پریشانی، اذیت اور تکلیف و نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ اور اگر کسی کو ہر صورت اور ہر حال میں طلاق دینے کی ضرورت پیش آ ہی جائے تو جس طرح آپ لوگ زندگی میں پیش آمدہ باقی معاملات و مسائل میں علماء کرام سے رہنمائی حاصل کرتے، سوال کرتے اور مسئلے پوچھتے ہیں۔ اسی طرح طلاق دینے کا شرعی طریقہ بھی دریافت فرما لیجئے تاکہ بعد میں پچھتاوانہ پڑے اور حلالے جیسے فتنے فتوؤں کا آپ کو سامنا نہ کرنا پڑے۔

خیر! ہم بات کر رہے تھے صحابی رسول جناب عمران رضی اللہ عنہ اور اُن کی اہلیہ سیدہ اُم زید رضی اللہ عنہا کے مابین صلح کروانے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور آپ کے طرز عمل کی..... کہ جناب عمران رضی اللہ عنہ نے سخت پابندی لگا دی کہ میری بیوی اُم زید اپنے میکے نہیں جا سکتی اور میرے سسرال کے گھرانے کا کوئی فرد یہاں آ کر بھی میری بیوی سے ملاقات نہیں کر سکتا اور مزید سختی کرتے ہوئے اُنہوں نے اپنی بیوی کو اپنے گھر کی دوسری منزل کے بالا خانے میں محبوس و محصور کر دیا اور جب اُنہیں کہیں جانے کی ضرورت پیش آتی تو وہ بالا خانے کو مقفل کر جاتے تاکہ کوئی شخص بھی ام زید سے ملاقات نہ کر سکے۔

”ایک دن جناب عمران انصاری رضی اللہ عنہ گھر پر موجود نہیں تھے کہ اُن کی بیوی سیدہ اُم زید رضی اللہ عنہا نے کسی طرح اپنے میکے کو صورت حال کی اطلاع کر دی۔ وہ

لوگ آئے اور اُمّ زید رضی اللہ عنہا کو بالا خانے سے اتار کر خاوند کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی۔ جناب عمران انصاری رضی اللہ عنہ کے عزیز واقارب نے مزاحمت کی اور اُمّ زید کو جانے سے روکا اور اُن کے میکے والوں سے اُلجھ پڑے۔ جب معاملے نے طوالت اختیار کی اور نوبت ہاتھ پائی اور لڑائی جھگڑے تک پہنچ گئی تو کسی نے رسول اکرم ﷺ کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے فریقین کو مسجد نبوی میں طلب فرما کر اُن کے درمیان صلح کروادی اور دو خاندانوں، دو برادریوں اور دو قبیلوں کے افراد کو لڑائی، جھگڑے اور اختلاف و فساد سے محفوظ فرمالیا۔ امام سُدّی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ سورۃ الحجرات کی یہ آیت مبارکہ انہیں میاں بیوی کے مابین صلح کروانے کے موقع پر نازل فرمائی گئی۔“ (تفسیر ابن کثیر سورۃ الحجرات آیت: ۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو صلح کی اہمیت و ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا﴾

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کروادیا کرو۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ مسلمانوں کے باہمی اختلافات و تنازعات کو اس آیت طیبہ کی روشنی میں حل کرنے اور کروانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا مصالحانہ کردار:

سرور کونین، رسول الثقلین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ صلح کرنے والوں اور صلح کروانے والوں سے از حد محبت اور اُلفت کا اظہار فرماتے اور اُن کے مصالحانہ کردار کو سراہتے تھے۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ جناب رسول اکرم ﷺ کے لاڈلے، پیارے اور چہیتے نواسے تھے۔ معروف مصنف مولانا الحاج شاہ معین الدین ندوی رحمہ اللہ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے تعلق خاطر اور خصوصی و شفقت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

”آنحضرت ﷺ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی، وہ کم

خوش قسمتوں کے حصہ میں آئی ہوگی، آپ نے بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی، کبھی آغوش شفقت میں لیے ہوئے نکلتے، کبھی دوش مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے، اُن کی ادنیٰ ادنیٰ تکلیف پر بے قرار ہو جاتے، بغیر حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھے نہ رہا جاتا تھا، اُن کو دیکھنے کے لیے روزانہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لے جاتے تھے، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی آپ سے بے حد مانوس ہو گئے تھے، کبھی نماز کی حالت میں پشت مبارک پر چڑھ کے بیٹھ جاتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے، کبھی ریش مبارک سے کھیلتے، غرض طرح طرح کی شوخیاں کرتے۔ جاں نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے اور کبھی تادیباً بھی نہ جھڑکتے۔ بلکہ ہنس دیا کرتے تھے۔ ابھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ آٹھ ہی سال کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اُٹھ گیا۔“ (سیر الصحابہ حصہ ششم)

رسول محترم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی شفقت اور نرالی محبت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بذریعہ وحی آگاہ فرما دیا گیا تھا کہ آپ کا یہ ہونہار نواسہ جوان ہو کر آپ کی امت کے دو بڑے متحارب گروہوں، جماعتوں اور فوجوں کے درمیان صلح کروائے گا اور تاریخ اسلام میں ان کے اس مصالحانہ کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”ایک مرتبہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مسجد نبوی میں منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ منبر کے قریب ہی آپ کے پہلو میں تشریف فرما تھے۔ رسول مکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دوران خطبہ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتے اور کبھی جناب حسن رضی اللہ عنہ کو بغور دیکھنا شروع کر دیتے۔ (دوران خطبہ کئی بار اپنے نواسے کی طرف توجہ فرمانے، غور سے دیکھنے اور آواز کے بدل جانے کے باعث سامعین عظام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر تشویش کے آثار دیکھ کر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے خطاب و تقریر کا انداز تبدیل کیا) اور فرمایا:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ))

”یقیناً میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔“

(صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما)

سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح:

سید الرسل ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں بذریعہ وحی جو بشارت سنائی تھی، اُس کا عملی اظہار ۳۱ ہجری میں ہوا۔ خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفیوں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر قبضہ علاقوں کے علاوہ باقی لوگوں نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ابھی آپ کو خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالے تقریباً چھ ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے خلوص، تقویٰ اور امت کی خیر خواہی کی بناء پر خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کر کے اپنے نانا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیش گوئی کو پورا فرما دیا۔ آئیے! سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح پسندی، بے غرضی اور دانشمندی کا قصہ بھی صحیح بخاری ہی سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ۔

”جب جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہما پہاڑوں جیسا بڑا لشکر لے کر (جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کیلئے مدائن) پہنچے تو (معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص) جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے (معاویہ رضی اللہ عنہ سے) کہا: میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنے مد مقابل لوگوں کو قتل اور نیست و نابود کئے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ تو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے عمرو! اگر میری فوج نے انہیں قتل کر دیا اور ان (جناب حسن رضی اللہ عنہ) کے فوجیوں نے انہیں قتل کر دیا تو اس خون ریزی کا ذمہ دار کون ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ کون ہوگا اور قتل ہونے والوں کی بیوہ عورتوں کی حفاظت و کفالت کون کرے گا اور مقتولین کی اولادوں کی نگہداشت

اور خبر گیری کون کرے گا؟ (لہذا ہمیں اس فساد و انتشار اور خون ریزی سے بچاؤ کی خاطر جناب حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لینی چاہیے) پھر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں..... عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر..... کو جناب حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا نمائندہ اور سفیر بنا کر بھیجا اور انہیں اختیار دیا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مذاکرات کر کے انہیں صلح پر آمادہ کریں اور اُن سے اُن کے مطالبات معلوم کریں۔ چنانچہ وہ دونوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نیک خواہشات کے اظہار کے بعد صلح کی درخواست پیش کی تو جناب حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں مال خرچ کرنے کی عادت ہے۔ اور میرے ساتھیوں کی یہ جماعت خون ریزی میں مبتلا ہو چکی ہے۔ (یہ تو مال و دولت کے بغیر راضی نہیں ہوں گے) جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصدوں نے عرض کی کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں کثیر مال پیش کرنے کیلئے تیار ہیں۔ وہ آپ سے ہر قیمت پر صلح چاہتے ہیں اور آپ کی خدمت میں یہی درخواست کرتے ہیں۔ جناب حسن رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ جو باتیں آپ کر رہے ہیں ان کا ضامن کون ہوگا۔ اُن دونوں نے کہا کہ ”ہم ذمہ دار ہیں“ الغرض جناب حسن رضی اللہ عنہ نے جس معاملے کے بارے میں ان سے کوئی مطالبہ یا سوال کیا تو انہوں نے عرض کی ”ہم ضامن ہیں۔“

آخر کار سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی (اور خلافت کے حق سے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے) فرمایا: میں نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا تھا وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (مسجد نبوی کے) منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے اور فرماتے۔

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ

مِنَ الْمُسْلِمِينَ))

(صحیح بخاری۔ کتاب الصلح باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی)

”اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔“

جناب حسن رضی اللہ عنہ کی اس وسعتِ ظرفی سے جہاں امام الرسل ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ وہاں امت مسلمہ ایک بہت بڑی جنگ سے بھی محفوظ ہو گئی اور جناب حسن رضی اللہ عنہ نے کمال حسن تدبیر سے مسلمانوں کو خانہ جنگی، شر و فساد اور انتشار و افتراق سے بچا لیا۔ بعض فسادِ طبیعت لوگوں نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کے اس مصالحانہ اقدام کی مخالفت کی اور آپ رضی اللہ عنہ کو غصہ دلانے کیلئے بڑے ثقیل الفاظ بھی استعمال کئے مگر آپ نے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی خاطر اقتدار کی قربانی دے کہ بعد والوں کیلئے ایثار کی مثال قائم فرمادی۔ ایک شر پسند نے آپ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا:

((يَا عَارِ الْمُؤْمِنِينَ))

”اے مومنوں کی عار!“ آپ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا:

((الْعَارُ خَيْرٌ مِّنَ النَّارِ))

”عار، نار سے بہتر ہے۔“

(فتح الباری۔ کتاب الفتن۔ باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی.....)

منافقین کی سازش:

ایسے افراد و اشخاص جو اسلام کے غلبے، مسلمانوں کی قوت اور مومنوں کی حکومت و سطوت کو دیکھ کر دنیوی مفادات کی خاطر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بظاہر مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں مگر اُن کے دل قبولِ ایمان پر مطمئن نہ ہوں ایسے آستین کے سانپوں کو ”منافق“ کہا جاتا ہے اور ایسے لوگ ہر زمانے، ہر معاشرے اور ہر مقام پر پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کو کمزور کرنے، آپس میں لڑانے اور افتراق پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اُن

کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اہل ایمان کو آپس میں دست و گریباں کیا جائے۔ اُن میں اختلاف پیدا کیا جائے اور انتشار کو ہوا دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑایا جائے۔

رسول مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی سربراہی میں ایک گروہ ایسی سرگرمیوں میں ملوث تھا اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیوں میں بھی اختلاف پیدا کر کے انہیں لڑانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ جو نبی آپ ﷺ کو کسی ایسے معاملے کی خبر ملتی تو آپ ﷺ فوری مداخلت کر کے منافقوں کی سازش کو ناکام بنا دیتے اور سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت کے مطابق اہل ایمان کے درمیان صلح کروادیا کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک ناخوشگوار واقعہ ۵ ہجری میں غزوہ بنی المصطلق یعنی غزوہ مرسیع کے دوران پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل، نام و ریسرت نگار مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری اور سیرۃ ابن ہشام کے حوالے سے بیان فرمائی ہے جو یہ ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی المصطلق سے فارغ ہو کر ابھی چشمہ مرسیع پر ہی قیام فرماتے تھے کہ کچھ لوگ پانی لینے گئے۔ اُن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک مزدور (غلام) بھی تھا، جس کا نام ”جہجہ غفاری“ تھا۔ پانی پر ایک اور شخص ”سنان بن ورجہنی“ سے اس کی دھکم دھکا ہو گئی اور دونوں لڑ پڑے۔ پھر جہنی نے پکارا۔ یا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! (انصار کے لوگو! مدد کو پہنچو) اور جہجہ نے آواز دی۔ یا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ۔ (مہاجرین! مدد کو آؤ) رسول اکرم ﷺ خبر پاتے ہی وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا۔ ”میں تمہارے اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جا رہی ہے۔ اسے چھوڑ دو، یہ بدبودار ہے۔“

اس واقعے کی خبر عبداللہ بن ابی بن سلول کو ہوئی تو غصے سے بھڑک اٹھا اور بولا: کیا ان لوگوں نے ایسی حرکت کی ہے؟ یہ ہمارے علاقے میں آکر اب ہمارے ہی حریف اور مد مقابل ہو گئے ہیں! خدا کی قسم ہماری اور ان کی حالت پر تو وہی مثل صادق آتی ہے جو پہلوں نے کہی ہے کہ اپنے سلتے کو پال پوس کو موٹا تازہ کروتا کہ وہ تمہیں کو پھاڑ کھائے۔ سنو! خدا کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو

ہم میں کا معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا۔ پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر بولا: ”یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے۔ تم نے انہیں اپنے شہر میں اتارا اور اپنے اموال بانٹ کر دیے۔ دیکھو! تمہارے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اگر اسے دینا بند کر دو تو یہ تمہارا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلتے بنیں گے۔“

اس وقت مجلس میں ایک نوجوان صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے آکر اپنے چچا کو پوری بات سنائی۔ ان کے چچا نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ بولے حضور! عباد بن بشر رضی اللہ عنہ سے کہیے کہ اسے قتل کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! یہ کیسے مناسب رہے گا لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔ نہیں بلکہ تم کوچ کا اعلان کر دو۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ ﷺ کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لوگ چل پڑے تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور سلام کر کے عرض کیا کہ آج آپ ﷺ نے بے وقت کوچ فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا، کیا تمہارے صاحب (یعنی ابن ابی) نے جو کچھ کہا ہے تمہیں اس کی خبر نہیں ہوئی؟۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا خیال ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس ہوا تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اگر چاہیں تو اُسے مدینہ سے نکال باہر کریں۔ خدا کی قسم وہ ذلیل ہے اور آپ ﷺ باعزت ہیں۔“ اس کے بعد انہوں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کے ساتھ نرمی برتئے کیونکہ بخدا، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس اس وقت لے آیا جب اس کی قوم اس کی تاجپوشی کیلئے مونگوں کا تاج تیار کر رہی تھی اس لیے اب وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔“

پھر آپ شام تک پورا دن اور صبح تک پوری رات چلتے رہے بلکہ اگلے دن کے ابتدائی اوقات میں اتنی دیر تک سفر جاری رکھا کہ دھوپ سے تکلیف ہونے لگی۔ اس کے بعد اتر کر پڑاؤ ڈالا گیا تو لوگ زمین پر جسم رکھتے ہی بے خبر ہو گئے۔ آپ ﷺ کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کو سکون سے بیٹھ کر گپ لڑانے کا موقع نہ ملے۔

ادھر عبداللہ بن ابی کوجب پتا چلا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بھانڈا پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے جو بات آپ کو بتائی ہے وہ بات میں نے نہیں کہی ہے اور نہ اسے زبان پر لایا ہوں۔ اس وقت وہاں انصار کے جو لوگ موجود تھے انہوں نے بھی کہا: ”یا رسول اللہ! ابھی وہ لڑکا ہے۔ ممکن ہے اسے وہم ہو گیا ہو اور اس شخص نے جو کچھ کہا تھا اسے ٹھیک ٹھیک یاد نہ رکھ سکا ہو۔“ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کی بات سچ مان لی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس پر مجھے ایسا غم لاحق ہوا کہ ویسے غم سے میں کبھی دو چار نہیں ہوا تھا۔ میں صدے سے اپنے گھر میں بیٹھ رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقین نازل فرمائی جس میں دونوں باتیں مذکور ہیں۔

﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا﴾

(۶۳/ المنافقون: ۷)

”یہ منافقین وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ چلتے بنیں۔“

﴿يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾

(۶۳/ المنافقون: ۸)

”یہ منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو اس سے عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کریگا۔“

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں، پھر فرمایا: اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی۔ (صحیح بخاری)

اس منافق کے صاحبزادے جن کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی تھا، اس کے بالکل برعکس نہایت نیک طبیعت انسان اور خیار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سے برأت اختیار کر لی اور مدینہ کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ جب ان کا باپ عبداللہ بن ابی وہاں پہنچا تو اس سے بولے: خدا کی قسم آپ یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں اور آپ ذلیل

ہیں۔ اس کے بعد جب نبی ﷺ وہاں تشریف لائے تو آپ نے اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی اور تب صاحبزادے نے باپ کا راستہ چھوڑا۔ عبد اللہ بن ابی کے ان ہی صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے یہ بھی عرض کی تھی کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو مجھے فرمائیے۔ خدا کی قسم میں اس کا سر آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ (الرحیق المختوم غزوہ بنی المصطلق)

اب آخر میں سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت مبارکہ کے الفاظ اور ترجمہ بغور پڑھیے تو ان شاء اللہ العزیز اہل ایمان کے درمیان صلح اور اصلاح کا مسئلہ، حکمت، اہمیت اور حیثیت پوری طرح واضح ہو جائے گی۔ فرمان الہی ہے۔

﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ٥﴾

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں کے درمیان صلح کروادو۔ پھر اگر اُن دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو تم زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو اُن دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کروادو۔ اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ہر قسم کے اختلافات و تنازعات سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

خطبہ نمبر ۱۰

اسلامی اخوت

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۱۰/ الحجرات: ۱۰)

”یقیناً اہل ایمان تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں لہذا تم اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کرو اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت فرمائی جائے۔“
 ہر قسم کی حمد و ثناء، تعریف و تسبیح اور تحمید و تمجید کے لائق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی ہے جو اپنی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور عبادات میں یکتا، واحد اور اکیلا ہے۔ اُس کا کوئی شریک و سہیم اور ہم سر نہیں ہے۔ سارا جہان اُس کا محتاج مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہی متصرف الامور، مدبر کائنات اور خالق ارض و سماء ہے۔ وہ تحت الثریٰ اور فوق السماء کے حالات و واقعات سے پوری طرح باخبر اور علیم و حکیم ہے۔ وہ غفور رحیم بھی ہے۔ اور جبار و قہار بھی۔ وہ عَلَّامُ الْغُیُوب اور سَتَّارُ الْغُیُوب ہے۔ وہ ہر ایک کا داتا اور سب کو دیتا ہے مگر کسی سے لے کر نہیں اپنے خزانوں سے عطاء فرماتا ہے۔ اُسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

ساری دنیا ہے تیری سارا زمانہ تیرا
 جسے سنتا ہوں وہی کہتا ہے فسانہ تیرا

اللہ رب العزت ہم سب کی طرف سے لاتعداد، بے شمار اور بے حساب درود و سلام نازل فرمائے رحمت کونین، سید الثقلین اور امام القبلتین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ذات اقدس و اطہر پر جو رحمتہ للعالمین، خاتم النبیین اور شفیع المذنبین ہیں۔ جن کی نبوت و رسالت کا سکھ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ جن کی اتباع ذریعہ نجات اور نافرمانی وجہ عذاب ہے۔ جو تمام انسانوں کے ہادی، راہبر، مقتدا، پیشوا، مطاع اور راہنما ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اُن کیلئے دعاء رحمت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی
(علامہ اقبال رحمہ اللہ)

رابط آیات:

سورۃ الحجرات کی آیت ۹ کی تشریح و تفسیر میں آپ جان چکے ہیں کہ اگر خدا نخواستہ اہل
ایمان کے دو گروہوں، فرقوں، جماعتوں، تنظیموں یا حکومتوں کے درمیان اختلاف و انتشار اور
افتراق و فساد برپا ہو جائے اور نوبت لڑائی جھگڑے اور جنگ و قتال تک پہنچ جائے تو معاشرے
کے ذمہ دار، با اثر اور معزز افراد کی شرعی، اخلاقی اور معاشرتی ذمہ داری ہے کہ وہ اُن متحارب
اور متخالف گروہوں کے درمیان صلح کروانے کی ہر ممکن کوشش کریں اور اگر صلح کی کوششیں
کامیابی سے ہم کنار نہ ہوں تو ظلم اور زیادتی کرنے والے فریق کا ساتھ نہ دیں بلکہ مظلوموں
کی حمایت کریں۔ اور اگر فساد و اختلاف اور لڑائی جھگڑے کے کسی مرحلہ پر زیادتی کرنے والا
فریق راہ راست پر آجائے اور لڑائی ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اب بھی فریقین کے مابین
صلح کرواتے وقت عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے بلکہ انتہائی دیانتداری، غیر جانبداری
اور ایمان داری کے ساتھ دونوں متحارب گروہوں کے درمیان صلح کروائی جائے۔ کیونکہ
اصلاح کرنے والوں، صلح کروانے والوں اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے والوں
سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ محبت اور اُلفت فرماتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ الحجرات کی آیت ۱۰ میں اللہ رب العزت نے اسلامی اخوت، بھائی

چارے اور اہل ایمان کے درمیان باہمی تعلقات کی نوعیت اور حیثیت کو بیان فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ اگر بالفرض دو مومن افراد و اشخاص کے درمیان کسی وجہ سے اختلاف ہو جائے تو پھر بھی مسلم معاشرے کے با اثر لوگوں کا فرض ہے کہ اُن باہم مخالف افراد کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کروائیں اور اُنہیں باور کروائیں کہ بحیثیت مسلمان تم آپس میں بھائی بھائی ہو لہذا تمہیں آئندہ زندگی میں کبھی لڑنا اور جھگڑنا نہیں چاہیے بلکہ حقیقی بھائیوں کی طرح اُلفت اور محبت سے زندگی گزارنا چاہیے۔ ارشاد الہی ہے۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ١٠﴾

”یقیناً اہل ایمان تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، لہذا تم اپنے دونوں کے درمیان صلح کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت فرمائی جائے۔“

پچھلی آیت طیبہ میں مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی اور باہمی جدال و قتال ختم کرنے کے احکام بیان فرمائے گئے اور اس آیت مبارکہ میں باہمی محبت و اُلفت اور ایثار و پیار کے احساسات و جذبات کو بیدار کرنے کیلئے فرمایا جا رہا ہے کہ اہل ایمان تو آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح ہیں کیونکہ اُن کا نفع اور نقصان۔ غمی اور خوشی اور فتح و شکست سب ایک ہیں۔ لہذا اگر کسی وقت دو مسلمان بھائیوں کے مابین کوئی رنجش پیدا ہو جائے تو اُن کے خیر خواہوں اور ہمدردوں کا فرض ہے کہ وہ مداخلت کر کے اُن کے درمیان صلح کروادیں تاکہ عارضی نوعیت کا اختلاف ختم ہو جائے اور وہ پہلے کی طرح بھائی بھائی بن جائیں۔

علمی اور ادبی نکتہ:

آپ نے قرآنی الفاظ و کلمات پر غور فرمایا کہ جب دو طاقت ور، منظم اور مضبوط جماعتوں اور گروہوں کی لڑائی کا ذکر فرمایا گیا تو اُن کے درمیان صلح کروانے کا حکم دیتے ہوئے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو) نہیں فرمایا۔ مگر جب وہ دو افراد کے مابین تنازعہ کی صورت میں صلح کروانے کا حکم دیا تو فرمایا۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔“

اس انداز اور الفاظ سے قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز و ایجاز کا پتہ چلتا ہے کیونکہ جب فتنہ و فساد عام ہو۔ معاشرہ خانہ جنگی کا شکار ہو اور دو منظم جماعتیں آپس میں دست و گریباں ہوں تو ہر شخص کو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ بھی اس جنگ و جدل کی لپیٹ میں نہ آجائے لہذا اگر ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ نہ بھی ہو تو لوگ اپنے اہل خانہ اور قوم و برادری کی سلامتی اور حفاظت کیلئے جدال و قتال اور فتنہ و فساد کی آگ کو بجھانے کیلئے میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔ لیکن جب لڑائی جھگڑے کا معاملہ صرف دو آدمیوں تک محدود ہو تو لوگ عام طور پر لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور دونوں افراد کے درمیان صلح کروانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کرتے کیونکہ انہیں اس لڑائی سے کسی ذاتی نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

لیکن اللہ احکم الحاکمین کے ہاں جس طرح اہل ایمان کا اجتماعی امن و سکون اور معاشرتی اصلاح و فلاح ضروری ہے اسی طرح انفرادی اطمینان اور شخصی راحت و آرام بھی اُسے از حد عزیز ہے اس لیے دو اشخاص کے درمیان مصالحت کا حکم دیتے ہوئے ”وَاتَّقُوا اللَّهَ“ کا اضافہ کر دیا یعنی اے معاشرہ کے بااثر لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دو افراد کے درمیان لڑائی کو اُن کا ذاتی معاملہ قرار دے کر لاپرواہی کا ارتکاب نہ کرو بلکہ ان مسلمان بھائیوں کے درمیان بھی صلح کرواؤ تاکہ وہ بھی امن و سکون کی زندگی گزار سکیں اور انہیں اطمینان و راحت اور آسودگی حاصل ہو، لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ فرما کر وضاحت فرمادی کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق اسی صورت بن سکتے ہو کہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اور پوری ملت اسلامیہ جسد واحد کی مانند ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

”یقیناً اہل ایمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

اخوت کا مفہوم:

”أُخُوْتٌ“ عربی زبان کا لفظ ہے جو ”أَخٌ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ”بھائی“ ہے

لہذا اخوت کا معنی ہے ”بھائی چارہ“ اسلامی اخوت سے مراد یہ ہے کہ تمام اہل اسلام کے باہمی تعلقات بھائیوں جیسے ہوں۔ اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے ہمدرد، خیر خواہ، مخلص اور وفادار ہوں۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے اور اُس کی خدمت و تعاون کیلئے ہمہ وقت کمر بستہ اور تیار ہو۔ مولانا ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اخوت اسلامی کی وضاحت کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

اُخوت اس کو کہتے ہیں چھپے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستان کا ہر پیرو جواں بے تاب ہو جائے
صحابی رسول سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول محترم ﷺ نے
مسلمانوں کی باہمی اخوت، ہمدردی اور مہربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

((تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ
الْجَسَدِ الْوَاحِدِ إِذَا شَتَّى عَضُوٌّ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهْرِ
وَالْحُمَى)) (صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب رحمۃ الناس بالبھائم)

”تم اہل ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی، محبت اور نرمی کے معاملات
میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اُس کا کوئی عضو تکلیف محسوس کرتا ہے تو سارا
جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔ اُس کی نیند اڑ جاتی اور وہ بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“

اس حدیث مبارکہ میں امام الرسل ﷺ نے تمام دنیا کے اہل ایمان کو ایک جسم کی مانند
قرار دیا ہے کہ جب جسم کے کسی حصے میں درد اور تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اُس درد کو محسوس
کرتا اور بے آرامی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے
کی تکالیف کا احساس و ادراک کرتے ہوئے ایک دوسرے کی پریشانیوں کو دور کرنے میں اپنا
کردار ادا کرنا چاہئے۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ آج دنیا بھر کے مسلمان انتشار و خلفشار
اور افتراق و اختلاف کا شکار ہیں اور ”اُخوت اسلامی“ کی کوئی جھلک کہیں نظر نہیں آتی۔ حالانکہ
بحیثیت مسلمان ہمیں ایک دوسرے کیلئے شفیق و مہربان اور کا الجسد الواحد ہونا چاہیے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اکرم ﷺ نے اسلامی اخوت و محبت کی

اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

((الْمُسْلِمُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ إِنْ اِشْتَكَى عَيْنُهُ اِشْتَكَى كُلُّهُ وَإِنْ اِشْتَكَى رَأْسُهُ اِشْتَكَى كُلُّهُ)) (صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تراحم المؤمنین)
 ”تمام مسلمان تو شخص واحد کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں درد ہوتی ہے تو سارا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر اس کے سر میں درد ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم کرب محسوس کرتا ہے۔“

شائد اسی حدیث مبارکہ کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ:

بتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
 کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ
 محسن انسانیت جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اہل ایمان کے باہمی تعلق، اخوت اور محبت کو ایک دوسری مثال سے بھی واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی معظم ﷺ نے اسلامی اخوت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:
 ((الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ)) (صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم)
 ”ہر مومن دوسرے مومن کیلئے ایک عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔“

یعنی جس طرح انگلیاں آپس میں مل کر ایک دوسرے کی تقویت اور مضبوطی کا باعث ہیں اسی طرح اہل ایمان کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اتفاق، اتحاد، پیار اور محبت سے رہنا چاہیے تاکہ وہ ایک دوسرے کی تقویت، مضبوطی اور قوت کا سبب بن سکیں۔

اسلامی اخوت کی بنیاد:

اسلامی اخوت کی اساس رنگ، نسل، قوم، برادری اور وطن نہیں بلکہ اخوت اسلامی کی بنیاد ایمان اور کلمہ توحید و رسالت ہے۔ ہر کلمہ گو اسلامی برادری کا معزز رکن ہے۔ خواہ امیر ہو

یا غریب۔ شاہ ہو یا گدا..... گورا ہو یا کالا..... عربی ہو یا عجمی..... دراز قد ہو یا پست قد..... جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کا اعتراف و اقرار کر لیتا ہے وہ اس اسلامی اخوت کی لڑی میں منسلک ہو جاتا ہے اور اسی عقیدے کی بنیاد پر اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی قرار دیے گئے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ١٠﴾

”یقیناً اہل ایمان تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہذا تم اپنے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کرو اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت فرمائی جائے۔“

اہل ایمان کا باہمی خلوص، محبت و الفت اور اسلامی اخوت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور عظیم نعمت ہے۔ اسی کی مہربانی اور لطف و کرم سے مسلمانوں میں برادرانہ تعلقات قائم ہوتے اور بھائی چارے کا اظہار ہوتا ہے۔ فرمان الہی ہے۔

﴿وَإِذْ كَرُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ (۳/ آل عمران: ۱۰۳)

”اور تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کیا کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔ پس تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔“

مومنوں اور مسلمانوں کے درمیان یہ اخوت، بھائی چارہ اور الفت و محبت محض فضلِ ربانی اور احسانِ خداوندی ہے ورنہ ساری دُنیا کی دولت کو خرچ کر کے بھی لوگوں کے دلوں کو جوڑا نہیں جاسکتا۔ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۖ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۖ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٣﴾ (۸/ انفال: ۶۳)

”اور اُس (اللہ تعالیٰ) نے اُن کے دلوں کے درمیان الفت پیدا فرمادی۔ اگر آپ زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تو آپ اُن کے دلوں میں الفت

نہیں ڈال سکتے تھے اور لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں اُلفت پیدا فرما دی۔ یقیناً وہ غالب، حکمت والا ہے۔“

حضرات! آج اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے درمیان اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی فضا کو قائم کیا جائے، کلمہ گو مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے یا پیدا کئے جانے والے اختلافات کو ختم کیا جائے اور باہمی عداوت و بغض کی بجائے محبت و اُلفت کے جذبات کو ابھارا جائے تاکہ امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا وقار اور عزت حاصل کر سکے۔ مگر افسوس کہ آج کے مسلمان معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی جان کے دشمن بنے ہوئے اور باہم دست و گریباں ہیں۔ کوئی انہیں اخوت و محبت کا درس دینے والا نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو اہل ایمان کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ م﴾ (۹/التوبہ: ۱۷)

”اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں تو ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔“

مواخات مدینہ:

اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی زندہ اور تابندہ مثال ”مواخات مدینہ“ ہے کہ جب صحابہ کرام اور خود رسول مقبول ﷺ کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مہاجرین کرام بالکل خالی ہاتھ تھے کیونکہ وہ اپنا سارا مال و متاع اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت اور محبت و اُلفت کی خاطر مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے اور صرف اپنی جانیں بچا کر سفر ہجرت کی صعوبتیں برداشت کر کے بے یار و مددگار مدینہ طیبہ پہنچے تھے۔ یہاں اُن کی کوئی خاص جان پہچان بھی نہیں تھی بلکہ اجنبی ماحول اور نا آشنا لوگوں سے واسطہ تھا۔ ان حالات میں رسول مکرم ﷺ نے مہاجرین کی دل جوئی کیلئے..... ان کی رہائش اور خور و نوش کا باعزت انتظام کرنے کیلئے..... اُن کی اجنبیت کو واقفیت میں بدلنے کیلئے..... نئے اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے..... مہاجرین کی اپنے وطن، اہل و عیال اور مال و متاع سے جدائی کا غم غلط کرنے کیلئے اور تمام اہل ایمان کے قلوب و اذہان میں ایک دوسرے کی محبت و اُلفت پیدا کرنے کیلئے

مہاجرین و انصار کے درمیان کے ایک لازوال اور بے مثال تعلق پیدا فرمایا جیسے ”مواخات مدینہ“ کہا جاتا ہے۔

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں مہاجرین و انصار کو جمع فرمایا۔ کل نوے (۹۰) افراد تھے جن میں آدھے مہاجرین اور آدھے انصار تھے۔ آپ ﷺ ایک مہاجر کو کھڑا کر کے اُس کا ہاتھ ایک انصاری کو پکڑاتے ہوئے فرماتے۔ ”آج کے بعد تم آپس میں بھائی بھائی ہو۔“ یہ اسلامی بھائی چارہ خونی رشتوں سے زیادہ مضبوط اور حقیقی برادرانہ تعلقات سے زیادہ مربوط تھا۔ اس میں کوئی دنیوی غرض اور مفاد نہیں تھا بلکہ صرف اسلامی تعلق، دینی محبت اور روحانی رابطہ تھا جو تمام رشتوں سے اعلیٰ اور تمام تعلقات سے افضل تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی اس حکیمانہ اور مدبرانہ حکمت عملی نے مہاجرین و انصار کے درمیان دوئی کو یگانگت میں..... بعد کو قربت میں..... اجنبیت کو واقفیت میں..... اور..... دوریوں کو محبتوں میں تبدیل فرما دیا۔ اور مہاجرین و انصار خونی رشتہ داروں اور حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک دوسرے کے ہمدرد، خیر خواہ اور خدمت گزار بن گئے۔ انصار مدینہ نے ایثار، قربانی اور خدمت کی ایسی اعلیٰ مثالیں پیش فرمائیں کہ دنیا کی کوئی قوم ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہم سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا چشم دید صرف ایک واقعہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ:

”جب جناب عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو

نبی اکرم ﷺ نے انہیں مشہور انصاری صحابی جناب سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی

بنا دیا۔ جناب سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم

میرے بھائی ہو اور میں بھمد اللہ تعالیٰ مدینہ طیبہ کے تمام انصار میں سب سے

زیادہ مال دار شخص ہوں۔ لہذا میری ہر چیز کو نصف، نصف تقسیم کر لیں۔ ہر چیز کا

آدھا حصہ مجھے دے دیں اور آدھا اپنے پاس رکھ لیں۔ (اور اگر آپ اپنے ہاتھوں

یہ کام نہیں کرنا چاہتے تو۔ سَأَقْسِمُ مَالِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ شَطْرَيْنِ۔ میں خود

اپنے سارے مال کے دو حصے کرتا ہوں۔ ایک تم لے لو اور دوسرا مجھے دے دو۔

اور ہاں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ اُن میں سے جو آپ کو پسند ہوئیں اُسے طلاق دے دیتا ہوں۔ اور عدت پوری ہونے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں (تاکہ آپ کا گھر آباد ہو جائے اور میری ذمہ داری بھی پوری ہو جائے) جناب عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے اس جذبہ ایثار و قربانی سے از حد متاثر ہوئے اور اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: بَارَكَ اللَّهُ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اہل و عیال اور مال میں اور زیادہ برکت عطاء فرمائے۔ تم مجھے بازار کا راستہ بنا دو۔ (میں خود محنت کروں گا تو اللہ تعالیٰ ضرور برکت فرمائے گا۔“

چنانچہ لوگوں نے اُنہیں بازار کا راستہ بتایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں گھی اور پنیر کا کاروبار شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور بہت جلد سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا شمار مدینہ طیبہ کے مال داروں میں ہونے لگا۔ ایک دن وہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو اُن کے کپڑوں پر زعفران کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ مہربان آقا نے کمال شفقت سے فرمایا۔ مَہِیْم؟ بھی! یہ کیا ہے؟ عرض کی۔ آقا! میں نے شادی کر لی ہے اور یہ زعفران کے نشانات میرے نکاح کی علامات ہیں۔ محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ((مَا مَ سَقَتْ إِلَيْهَا؟)) بیگم کو حق مہر کیا دیا ہے؟ عرض کی۔ کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَوَلَيْمَ وَلَوْ بِشَاةٍ))۔ ولیمہ ضرور کرو۔ خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔“

(صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار)

حضرات! اس حدیث مبارکہ میں کئی مسائل و احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ مگر ہم اپنے موضوع کی مناسبت سے صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ معاشرہ کیسا بے مثال اور نرالا تھا کہ انصار مدینہ اپنی ہر شے کا نصف حصہ مہاجرین کرام کی خدمات میں پیش کرنے کے لیے بے تاب تھے اور مہاجرین بھی ایسے خوددار، باوقار اور جفاکش تھے کہ انہوں نے مفت میں ہر چیز پر قبضہ کرنے کی بجائے محنت و مزدوری کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ

نے انہیں بھی منال و دولت سے نواز دیا اور ان کی تمام حاجات و ضروریات کو پورا فرما دیا۔
 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارکہ سے اس امر کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جب مہاجرین نے انصارِ مدینہ کی پیش کشوں کو قبول نہ فرمایا تو:
 قَالَتِ الْاَنْصَارُ اَقْسِمَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ النَّخْلُ۔ قَالَ لَا قَالَ يَكْفُونَنَا۔
 الْمَثُونَةَ وَيُشْرِكُونَنَا فِي التَّمْرِ قَالُوا سَمِعْنَا وَاطَعْنَا۔

(صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار)

”انصارِ مدینہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کھجوروں کے باغات ہمارے بھائیوں کے درمیان نصف نصف تقسیم فرما دیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ (یہ ملکیت میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوں گے) انصار نے عرض کی۔ پھر یہ لوگ باغات میں کام کیا کریں اور پھلوں میں ہمارے ساتھ برابر کے شریک ہو جائیں۔ مہاجرین کرام نے مخلص انصار کی اس پیش کش کو قبول فرمالیا۔“

حقیقت یہ ہے کہ انصار کرام چاہتے تھے کہ وہ اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد میں اپنے مہاجر بھائیوں کو حصہ دار بنائیں لیکن مہاجرین عظام اپنی عزت نفس، خودداری اور جذبہ محنت کے باعث ان مخلصانہ پیش کشوں کو قبول نہیں فرما رہے تھے اور انصارِ مدینہ کی مہمان نوازی، قیام کی سہولیات اور روزانہ کی ضروریات پوری کرنے پر ان کے ممنون اور شکر گزار تھے۔

آج بھی اسلامی بھائی چارے اور اخوت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا ہمدرد، خیر خواہ، مخلص اور خدمت گزار ہو اور اپنی ضروریات پر دوسرے مسلمان بھائی کی حاجات کو ترجیح دے اور اسے اپنے لیے سعادت مندی اور خوش قسمتی گردانے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُسے کسی مسلمان بھائی کے کام آنے کی توفیق مرحمت فرمائی ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿اِنَّهَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

”بلاشبہ اہل ایمان تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔“

ایشار کا انوکھا واقعہ:

اسلام اپنے ماننے والوں کو جس ایثار، قربانی اور اخوت و محبت کا درس دیتا ہے اُس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ اور اُس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر فوقیت اور ترجیح دینے والا ہو۔ قرآن حکیم اہل ایمان کے اس عمدہ وصف کا تذکرہ یوں فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْبَاقُونَ ۝﴾

(۵۹/الحشر: ۹)

”اور جن لوگوں نے (مدینہ طیبہ کو اُن مہاجرین) سے پہلے اپنا گھر بنا لیا تھا اور اُن سے پہلے ایمان بھی قبول کر لیا تھا۔ وہ (انصار) اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو اُن کی طرف ہجرت کر کے آئے۔ اور وہ انصار، مہاجرین کو (مال و فضیلت) دیئے جانے کی وجہ سے اپنے سینوں میں اُن کے بارے میں کوئی حاجت (یعنی حسد) نہیں پاتے اور وہ انہیں اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انہیں شدید حاجت ہو، اور جو کوئی اپنے نفس کی بخیلی سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

اس آیت طیبہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی اخوت، محبت اور ایثار و قربانی کا ایک عدیم النظیر واقعہ بیان فرمایا ہے جسے پڑھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے اہل ایمان ایک دوسرے کے کتنے ہمدرد اور مخلص و مہربان تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۵ ہجری میں جنگ یرموک کا واقعہ ہے کہ:

”میدانِ جہاد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخمی حالت میں پڑے کراہ رہے ہیں۔ جسموں پر تیز دھوپ پڑ رہی ہے۔ شدید گرمی کا موسم ہے۔ مجاہدین اسلام کے زخموں میں مٹی اور ریت پڑ رہی ہے۔ اسی دوران ایک شخص کندھے پر پانی کا مشکیزہ لٹکائے میدانِ جنگ میں پہنچتا ہے اور اپنے چچا زاد بھائی..... جو زخموں

سے چور اور پیاس سے نڈھال ہے..... کو پانی پلانے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ جب اُس کے قریب ہوتا ہے تو دوسری طرف سے ایک زخمی کی آواز آتی ہے ”الْعَطَشُ“ اسے پلا کر میری طرف آنا کہ مجھے بھی شدید پیاس لگی ہوئی ہے۔ پہلا زخمی پیاس سے نڈھال ہونے کے باوجود پانی پینے سے انکار کر دیتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ پہلے میرے اُس بھائی کو پانی پلاؤ۔ ہو سکتا ہے اُسے مجھ سے زیادہ پیاس محسوس ہو رہی ہو۔ پانی پلانے والا بھاگ کر دوسرے زخمی کے پاس پہنچتا ہے اور ابھی اُس نے لبوں سے پانی نہیں لگایا کہ تیسرا زخمی پکارتا ہے کہ اس کے بعد میری طرف آنا کیونکہ مجھے بھی پانی کی شدید ضرورت ہے۔ دوسرا زخمی یہ آواز سن کر ساقی کو اشارہ کرتا ہے پہلے اُسے پلا کے آؤ۔ کہ اُس کی آواز میں زیادہ نقاہت اور کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔ پانی پلانے والا دوڑ کر جب تیسرے زخمی کے قریب آیا تو اُس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ وہ بھاگ کر دوسرے کے پاس آیا کہ اُس کی جان بچا سکوں تو وہ بھی جامِ شہادت نوش کر چکا تھا۔ وہ جلدی سے پہلے زخمی کے پاس..... جو اُس کا چچا زاد بھائی تھا..... پہنچا کہ پانی کے چند قطرے اُس کے حلق میں اتار سکے تو وہ بھی اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر چکا تھا۔“

یہ تھا اُن پاکیزہ نفوس کا ایثار اور قربانی کا جذبہ کہ انہوں نے اپنی ضرورت پر اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو مقدم جانا اور ایک دوسرے کی جان بچانے کی فکر میں تینوں مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے مگر افسوس! کہ آج مسلمان کہلانے والے ایک دوسرے کی جان کے دشمن، عزت و آبرو کے ویری اور خون کے پیاسے بن چکے ہیں۔ آج اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ اہل ایمان کے درمیان ”جذبۂ اخوت“ کو بیدار کیا جائے، بھائی چارے کا ماحول پیدا کیا جائے اور باہمی رواداری اور برداشت کو پروان چڑھایا جائے تاکہ آج کا مسلم معاشرہ بھی ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ کا عملی نمونہ بن سکے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے قلوب و اذہان میں اس فکر کو راسخ فرمائے۔ آمین۔

اسلامی اخوت کے سنہری اصول:

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس خود غرضی کے دور میں مسلمانوں کے مابین اسلامی بھائی چارے کا ماحول کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے جبکہ ہر شخص الا ماشاء اللہ اپنی خواہشات کا غلام، انا پرست اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہے۔ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے جو سنہری اصول نبی اکرم، رسول معظم، رحمت مجسم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ اگر آج بھی انہیں اپنایا جائے، حرز جان بنالیا جائے بلکہ معاشرتی زندگی کا لازمی حصہ قرار دے لیا جائے تو معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اسلامی بھائی چارہ قائم ہو سکتا ہے اور فتنہ و فساد کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

آئیے! رسول محترم ﷺ کی زبان نبوت سے نکلے ہوئے موتیوں سے دامن بھر لیجئے۔ ان الفاظ کو دل میں جگہ دیجئے اور ان سنہری ضابطوں پر عمل پیرا ہو جائیے تو اللہ تعالیٰ ذہنی آسودگی، قلبی اطمینان اور فطری راحت نصیب فرما دے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے اسلامی اخوت کے سنہری اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا اے میرے امتیو!

((لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا يَبْعَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، بِحَسَبِ أَمْرٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ۔
(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ)

”ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ کسی چیز کی قیمت بڑھانے کی نیت سے بولی میں حصہ نہ لو۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ کسی کے سودے پر سودا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کی مدد ترک نہیں کرتا اور اسے حقیر بھی

نہیں سمجھتا۔ آپ ﷺ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا کہ ”تقویٰ یہاں ہے“ کسی انسان کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔“

آپ نے غور فرمایا کہ اس حدیث مبارکہ میں ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسلامی بھائی چارہ قائم کرنے کے چھ سنہری اصول بیان فرمائے ہیں۔ آئیے! ان میں سے ہر ایک کو ذرا وضاحت سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہم اُن سنہری ضابطوں کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنا کر اپنے ماحول کو خوشگوار اور اپنے معاشرے کو پرسکون بنا سکیں۔

① باہم حسد نہ کرو:

اسلامی اخوت کا پہلا سنہری اصول یہ ہے کہ مسلم معاشرہ ہر قسم کے حسد سے پاک ہو۔ اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمانِ عالی میں ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی سے حسد نہ کرے۔ حسد کیا ہے؟ کسی دوسرے کی نعمت کے چھن جانے اور اپنے آپ کو مل جانے کی آرزو کا نام ”حسد“ ہے۔ بعض لوگ ایسے کم ظرف، بے حوصلہ اور تنگ دل ہوتے ہیں کہ کسی دوسرے کی بھلائی، اچھائی اور بہتری انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی اور دوسروں پر انعاماتِ الہی کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتے اور دل ہی دل میں گڑھتے رہتے ہیں۔ حسد کرنے والا معاشرے کا بدترین انسان ہوتا ہے جو اپنی بھلائی اور کامیابی کے لیے محنت و کوشش کرنے کی بجائے دوسروں کی تباہی و بربادی کے منصوبے بناتا رہتا ہے۔ دوسروں کے عیوب تلاش کرنا، اُن کی غیبتیں کرنا اور لوگوں کو اُن کے خلاف برا بیچھتہ کرنا اُس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ خصوصاً کسی قریبی عزیز، رشتہ دار اور دوست کی آسودگی اور خوشحالی اُس کے لیے فرسانِ روح بن جاتی ہے اور وہ دن رات اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ یہ نعمت اِس سے چھن جائے اور مجھے بلا محنت حاصل ہو جائے۔

قرآن و حدیث میں ”حسد“ کی بڑی مذمت کی گئی ہے اور یہود و نصاریٰ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخالفت اور مخالفت کا سبب بھی حسد ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (النساء: ۵۴)

”کیا وہ لوگوں (صحابہ کرام) سے اس بناء پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا دیا ہے۔“

بلکہ قرآن حکیم تو بیان فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی یہ خواہش اور آرزو تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر سے کافر بنا دیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات سے محروم کر دیئے جائیں۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ﴾ (البقرة: ۱۰۹)

”بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے (قبول) ایمان کے بعد دوبارہ کافر بنا دیں، اُن کی اس خواہش کی اصل وجہ اُن کے نفسوں کا (تمہارے ساتھ) حسد ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ ”حسد“ تمام روحانی بیماریوں کی جڑ ہے اور حاسد دُنیا اور آخرت میں خائب و خاسر اور ذلیل و رُسوا ہوتا ہے۔ اُس کی نیکیاں ضائع اور اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ”حسد“ کی مذمت اور اس کے نقصانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ

النَّارُ الْحَطَبَ)) (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد)

”حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں

کو کھا جاتی ہے۔“

ان احادیث و آیات کی روشنی میں ہر مسلمان مرد و عورت کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہے، کسی دوسرے کو اچھی حالت میں دیکھ کر جلنے کی بجائے خوشی کا اظہار کرے..... اپنے لیے اُن انعامات کے حصول کی کوشش اور دُعا کرے..... اپنے مسلمان بھائی کی بہتری چاہے..... اور..... جہاں تک ممکن ہو اہل ایمان کی خدمت کو شعار بنائے تو ان

شاء اللہ العزیز بھائی چارے کی فضا پیدا ہو جائے گی اور اسلامی اخوت کا عملی اظہار ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ:

☆ شیطان لعین نے سیدنا آدم علیہ السلام سے حسد کیا تو وہ قیامت تک کے لیے راندہ درگاہ ہو گیا۔
☆ برادرانِ یوسف نے سیدنا یوسف علیہ السلام سے حسد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

☆ اہل کتاب نے صحابہ کرام سے حسد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ناکام و نامراد بنا دیا۔
☆ قریش مکہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں شکست سے دوچار کر دیا۔

اس روحانی، اندرونی اور قلبی بیماری کے برے اثرات اور مضمرات سے اُمت کو خبردار کرتے ہوئے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دَبَّ إِلَيْكُم دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ، الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَخْلِقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ تَخْلِقُ الدِّينَ))

(جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب فی فضل صلاح ذات البین)

”پہلی امتوں والی بیماری حسد اور بغض تمہاری اندر بھی سرایت کر گئی ہے۔ آپس میں حسد کرنا اور بغض رکھنا تو مونڈنے (ہلاک کرنے) والی بیماری ہے۔ میں نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈنے والی ہے۔ بلکہ دین کو مونڈنے یعنی برباد کرنے والی بیماری حسد اور بغض ہے۔“

مختصر الفاظ میں ”حسد“ کا مفہوم اور اُس کی مذمت آپ نے معلوم فرمائی۔ حسد کے ساتھ ایک دوسرا لفظ بولا جاتا ہے۔ ”ریشک“ جس کا معنی یہ ہے کہ آدمی کسی دوسرے کی فضیلت، حسن، دولت، علم، شہرت، عزت، معاشرتی وقار اور قدر و منزلت وغیرہ کو دیکھ کر جلنے اور اُس سے اُس نعمت کے چھن جانے کی آرزو کرنے کی بجائے خوشی کا اظہار کرے اور دل میں خواہش رکھے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور کوشش و محنت کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے بھی اس نعمت یا انعامات سے سرفراز فرمادے۔ یاد رکھئے۔ حسد ممنوع، حرام اور ناجائز ہے جبکہ ریشک

جائز، مباح اور حلال ہے۔

رسول مکرم ﷺ نے اپنی زبان نبوت سے ”رشک“ کی اجازت فرمائی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسَلَّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا))
(صحیح بخاری، کتاب العلم۔ باب الاغتباط فی العلم والحکمة)

”کسی سے حسد (یعنی رشک) جائز نہیں سوائے دو آدمیوں کے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اُسے حق کی راہ میں خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت سے نوازا ہو اور وہ اسے لوگوں کو سکھاتا ہو اُس کے مطابق درست فیصلے کرتا ہو۔“

اس حدیث مبارکہ میں حسد بمعنی رشک ہے۔ جسے عربی میں ”غِبْطَہ“ کہا جاتا ہے اس لیے رئیس المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ نے اس فرمان رسول پر جو باب قائم فرمایا ہے وہ ”باب الاغتباط فی العلم والحکمة“ یعنی علم و حکمت میں رشک کرنے کا باب ہے۔ بہر حال اسلامی اخوت اور بھائی چارے کا ایک بہترین اصول یہ ہے کہ ہر مسلمان کا دل دوسرے مسلمان بھائی کے بارے میں صاف ہو، آپس میں کسی قسم کا حسد اور عداوت نہ ہو۔ ایسے شفاف القلب اور نیک سیرت لوگوں کو رسول مکرم ﷺ نے ”سب سے افضل“ مسلمان قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ:

((أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ قَالَ كُلُّ مَخْمُومٍ الْقَلْبِ، صَدُوقُ اللِّسَانِ قَالُوا صَدُوقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ فَمَا مَخْمُومُ الْقَلْبِ؟ قَالَ هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا إِثْمَ فِيهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ))

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد۔ باب الورع والتقویٰ)

”سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ شخص سب سے افضل

ہے جو مخموم القلب اور صدوق اللسان ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ صدوق اللسان کا مطلب تو ہم جانتے ہیں (کہ اس سے مراد سچ بولنے والا ہے) مگر مخموم القلب کون ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جو متقی، صاف دل، گناہ اور سرکشی سے محفوظ ہو اور اس میں خیانت اور حسد بھی نہ ہو۔“

② قیمت نہ بڑھاؤ:

اسلامی اخوت اور بھائی چارے کا دوسرا سنہری اصول جو اس حدیث مبارکہ میں بیان فرمایا گیا، وہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان محض کسی چیز کی قیمت بڑھانے کیلئے نیلامی میں حصہ نہ لے۔ یعنی کسی چیز کی فروخت کیلئے بولی ہو رہی ہے ایک شخص وہ چیز خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتا مگر اس شے کو مہنگا کرنے کیلئے بولی میں حصہ لیتا اور قیمت بڑھا دیتا ہے تاکہ وہ چیز حقیقی خریدار کو مہنگے داموں حاصل ہو۔ چونکہ کسی مسلمان کا یہ عمل دوسرے مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانے اور اصل خریدار کو دھوکا دینے کے مترادف ہے، اس لیے رسول محترم ﷺ نے اس فبیح حرکت کو اسلامی اخوت کے منافی قرار دیتے ہوئے اس سے منع فرمایا۔ اور واضح کیا کہ اے اہل ایمان! تمہیں تو ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی منصوبہ بندی کرنا چاہیے، چہ جائے کہ تم اپنے مومن بھائی کو نقصان پہنچانے اور اس کا منافع کم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کے جمیع افراد کو حکم دیا کہ: ((لَا تَنَاجِشُوا)) ”تم صرف قیمت بڑھانے کے لیے نیلامی میں حصہ نہ لو۔“

آپ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ بعض تاجر اور کاروباری لوگ دولت کمانے کے بڑے حریص ہوتے ہیں اور اس کیلئے ناجائز ذرائع اور طریقے اختیار کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ منڈی میں کوئی چیز فروخت ہونے کیلئے آتی ہے تو بعض لوگ فروخت کنندہ سے ساز باز کر کے محض ریٹ بڑھانے کیلئے نیلامی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا ارادہ اُس شے کو خریدنے کا نہیں ہوتا۔ اُن کے نیلامی میں حصہ لینے اور قیمت بڑھاتے چلے جانے سے وہ چیز مہنگی فروخت ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی اس بری حرکت کے عوض یعنی خریدار کو نقصان پہنچانے کے بدلے میں فروخت کنندہ سے کچھ رقم

حاصل کر لیتے ہیں۔

یاد رکھئے! ایسا کرنا شریعت اسلامیہ میں بالکل ناجائز، حرام اور منع ہے۔ اور اس طریقہ سے حاصل کی ہوئی دولت بھی مال حرام ہے۔ اور ایسا عمل اسلامی اخلاقیات اور جذبہ اخوت کے بھی منافی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ))

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب النجش)

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش یعنی قیمت بڑھانے کیلئے نیلامی میں حصہ لینے سے منع فرمایا ہے۔“

حضرات! اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان اور انعام ہے کہ اُس نے ہمیں اپنے آخری نبی، پیغمبر اور رسول کا امتی ہونے کا شرف عطا فرمایا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کیلئے شفقت، محبت اور مہربانی کا اندازہ فرمائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قطعاً پسند نہیں فرماتے کہ میرا کوئی امتی اپنے کسی مسلمان بھائی کا معمولی نقصان بھی کرے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قواعد و ضوابط اور قوانین و اصول بیان فرمادیے ہیں جن پر عمل کر کے تمام مسلمان ”کالجسد الواحد“ بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان سنہری اصولوں پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت بہتر بنانے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

③ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو:

کسی شخص کے ساتھ دشمنی، مخالفت اور عداوت کے باعث دل میں پیدا ہونے والی گھٹن، معاندانہ جذبات اور حریفانہ احساسات کا نام ”بغض“ ہے اور یہ بہت بڑی اور انتہائی بری روحانی بیماری، مذموم خصلت اور ناپسندیدہ عادت ہے۔ بسا اوقات حسد اور بغض ایک دوسرے کے ہم معنی اور مترادف بھی استعمال ہوتے ہیں۔ بغض انسان کے نیک اعمال کی تباہی و بربادی کا سبب اور معاشرے کے امن و سکون کو غارت کرنے کا ذریعہ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغض کی مذمت اور اس کے نقصانات کا

تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَخِيهِ شَحَنَاءٌ، فَيَقَالُ اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب الثمی عن الثناء)

”ہر سوموار راور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور شرک کرنے والے کے علاوہ ہر شخص کے گناہوں کو معاف فرما دیا جاتا ہے مگر اُس شخص کی بخشش نہیں ہوتی جس کے دل میں اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں ”بغض“ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان باہمی بغض رکھنے والوں کا معاملہ مؤخر کر دو۔ یہاں تک کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں۔ جب تک یہ صلح نہیں کریں گے ان کی بخشش نہیں ہوگی۔“

آپ نے حدیث طیبہ کے الفاظ پر غور فرمایا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بغض و عناد رکھنے والوں کی بخشش، مغفرت اور معافی کا معاملہ صلح و صفائی تک مؤخر کر دیا جاتا ہے اور یہ بات آپ ﷺ نے بیک وقت تین مرتبہ فرمائی کہ بغض و عداوت کو ختم کر کے صلح نہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف نہیں کیا جائے گا، باہمی بغض اور عداوت کی اسی قباحت اور شاعت کے باعث امام الرسل ﷺ نے اپنی امت کو اسلامی اخوت کے سنہری اصولوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَا تَبَاغَضُوا۔ ”اور آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔“

آج اگر مسلم معاشرے کے افراد و اشخاص کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے معاشرے کے اکثر لوگ ان دو باطنی بیماریوں کا شکار نظر آتے ہیں یعنی حسد اور بغض ہماری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر طرف افراتفری، بے اطمینانی اور بے سکونی نظر آ رہی ہے۔ اگر ہم آپس میں حسد و بغض کی بجائے باہمی الفت و محبت کا رویہ اپنائیں اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں دل و جان سے شریک ہوں تو آج بھی ایثار و اخوت کا ماحول پیدا ہو

سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

البتہ اگر کوئی شخص دین کا مخالف اور بد مذہب ہو، شرکیہ عقائد کا حامل اور بدعی افعال کا مرتکب ہو اور اسلامی احکام سے اعراض اور روگردانی کرنے والا ہو تو ایسے بد عمل اور بد عقیدہ شخص سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا صرف جائز بلکہ تکمیل ایمان کی علامت ہے۔

آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَعْطَى لِلَّهِ وَمَنْعَ لِلَّهِ وَآحَبَ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَنْكَحَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ)) (جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب

”جس نے (اپنا مال) اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے دیا اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر روکا۔ اور (کسی سے) صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی اور اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے کسی کے ساتھ بغض رکھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کے لیے نکاح کیا تو اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔“

یعنی مومن کامل کی محبت و نفرت..... اُلفت و حقارت..... مودت و عداوت اور بغض و عقیدت صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔

④ منہ نہ موڑو:

امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسلامی بھائی چارے کا چوتھا اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے اعراض نہ کریں، قطع تعلقی نہ کریں اور منہ نہ موڑیں، بلکہ ہمدردی، محبت اور قربت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے کام آنے، مشکلات میں ساتھ دینے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی کوشش کریں۔

ہمارے آقا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے رشتوں کو جوڑنے اور باہمی تعلقات کو مضبوط بنانے کا حکم دیا اور قطع تعلقی اور ایک دوسرے سے منہ موڑنے سے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ، دَخَلَ النَّارَ)) (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی من ہجر اخاه المسلم)

”کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع کلامی کرے۔ جس شخص نے کسی مسلمان کے ساتھ تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق کیا اور وہ اسی حالت میں فوت ہو گیا تو جہنم کی آگ میں داخل ہوگا۔“

آپ ﷺ نے ایک سال تک کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنے کو اُس کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ صحابی رسول سیدنا ابو خراش السلمی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔

((مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفِكَ دَمِهِ))

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی من ہجر اخاه المسلم)

”جو شخص ایک سال تک اپنے مسلمان بھائی سے قطع کلامی رکھے تو یہ اُس مسلمان بھائی کا خون بہانے کی مانند ہے۔“

حضرات! وہ لوگ ان فرامین رسول ﷺ کی شدت کا احساس فرمائیں جو طویل عرصہ سے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں سے قطع کلامی اور لا تعلقی اختیار کیے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی غمی خوشی میں شرکت اور بات چیت کو حرام و ممنوع قرار دیئے ہوئے ہیں۔ اور وہ مسلمان بھی ان احادیث کو بغور سنیں اور پڑھیں جنہوں نے اپنے صاحبزادوں کو یہ حکم دے رکھے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد بھی فلاں شخص ہمارے گھر میں داخل نہ ہونے پائے۔ میری چار پائی کو ہاتھ نہ لگائے اور میرے جنازے میں شریک ہونے کی جرأت اور جسارت نہ کرے۔

ایک طرف ہمارے رسول ﷺ کے یہ ارشادات اور دوسری طرف ہمارا رویہ اور عمل:

آپ خود ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں

ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

ہمارا دین، ہمارا قرآن اور ہمارا رسول تو ہمیں آپس میں محبت کرنے، تعلقات کو مضبوط کرنے، ایثار و ہمدردی کا مظاہرہ کرنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتا ہے مگر ہم ایک دوسرے سے نفرت کرتے۔ تعلقات کو توڑتے اور ایک دوسرے سے منہ موڑتے نظر آتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے جمیع افراد کو اسلامی اخوت کے سنہری اصول سمجھاتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَدَا بَرُّوْا ”اور ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو۔“

حضرات! باہمی نفرتوں کا خاتمہ کیجئے..... عداوتوں کو دفن کر دیجئے..... محبتوں کو فروغ دیجئے..... رشتہ داروں کو قریب کیجئے..... اعراض اور منہ موڑنے سے اجتناب کیجئے..... دلوں کو صاف کیجئے..... صلہ رحمی کو عام کیجئے..... قطع رحمی کو چھوڑ دیجئے..... جو لوگ ناراض ہیں، انہیں پہلے سلام کر کے اپنے رسول ﷺ کی بشارات کا مستحق بننے کی کوشش کیجئے..... اپنی ضرورت پر اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو ترجیح دیجئے..... ایثار و ہمدردی کا عملی مظاہرہ کیجئے..... حسد اور بغض کو دل سے نکال دیجئے..... ایک دوسرے کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آئیے..... سلام میں پہل کر کے بہترین مسلمان ہونے کی خوشخبری حاصل کیجئے۔

میزبانِ رسول سیدنا ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ))
(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحجرة)

”کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے یعنی اُس سے قطع تعلق ہو جائے کہ اُن دونوں کا آئنا سامنا ہو تو یہ اس طرف منہ پھیر لے اور وہ اُس طرف منہ پھیر لے۔ اور اُن دونوں میں سے بہتر اور افضل وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔“

حضرات! سوچیے اور غور فرمائیے کہ آج ہمارا یہی حال نہیں ہے کہ اگر کسی مشترکہ دوست یا رشتہ دار کے ہاں شادی یا فوتگی پر اکٹھے ہو جائیں تو ایک صاحب کا منہ اس طرف کو ہوتا ہے اور دوسرے کا اُس طرف کو..... الگ الگ بیٹھتے ہیں..... علیحدہ علیحدہ کھاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے منہ موڑتے ہیں..... ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرتے اور کوسنے دیتے ہیں..... حقارت سے دیکھتے اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

عزیزانِ گرامی! مسلمان بنیے مسلمان..... سلام میں پہل کیجئے..... اسلامی اخوت کا اظہار

کجئے۔ بھائی چارہ قائم کجئے..... اور..... اِنِّہَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ کا مصداق بن جائے۔
 ⑤ سودے پر سودانہ کرو:

محسنِ انسانیت جناب رسولِ اکرم ﷺ نے اسلامی اخوت کا پانچواں سنہری اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ ”کوئی مسلمان کسی دوسرے کے سودے پر سودانہ کرے۔“ مثلاً کوئی خریدار کسی شخص سے کوئی چیز خرید رہا ہے تو دوسرا کوئی شخص معاملہ ختم ہونے سے قبل یا بعد میں فروخت کنندہ سے کہے کہ تم مجھ سے زیادہ قیمت وصول کر لو اور یہ چیز مجھے فروخت کر دو تو یہ معاملہ ناجائز، حرام اور ممنوع ہے۔ اسی طرح کوئی خریدار سے کہے کہ تم فلاں شخص سے یہ چیز خرید رہے ہو، میں تمہیں یہی چیز اس سے کم قیمت پر دینے کے لیے تیار ہوں۔ تو یہ بھی ناجائز، منع اور حرام ہے۔ اس سے دو افراد کے درمیان مخالفت اور مخالفت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو باہمی اخوت اور اسلامی بھائی چارے کے سراسر منافی ہیں اسی لیے بیع اور خرید و فروخت سے منع فرما دیا گیا ہے تاکہ اہل ایمان کے مابین اخوت و محبت قائم رہے اور کوئی کسی پر ظلم و ستم نہ کرے۔ ارشادِ رسول ﷺ ہے:

((وَلَا يَبِيعُ بَعْضُكُمُ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ))

”اور تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے۔“

آپ اگر اس اصول کی گہرائی پر غور فرمائیں تو اندازہ ہوگا کہ ہمارے رسول ﷺ اپنی امت کے کسی فرد کی طرف سے ایسی کوئی حرکت پسند نہیں فرماتے جس سے دوسرے مسلمان بھائی کی حق تلفی ہوتی ہو۔ اُس پر ظلم ہوتا ہو یا اُس کا کوئی نقصان ہوتا ہو۔ بلکہ آپ ﷺ کی یہ خواہش و کوشش ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو فائدہ پہنچائے۔ مدد کرے اور ہر شخص ایک دوسرے کا معاون و ہمدرد ہو، مشہور صحابی رسول جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ)) (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرجل علی بیع أخیه)

”کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اپنے مسلمان بھائی کی

منگنی پر منگنی نہ کرے، الا یہ کہ دوسرا شخص اُسے اجازت دے دے۔“

یعنی کسی آدمی کی شادی کی بات چیت چل رہی ہو تو جب تک معاملہ پوری طرح ختم نہ ہو جائے دوسرے شخص کو وہاں شادی کا پیغام بھیجنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح سودے پر سودا کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس طرح معاملات میں مداخلت کرنے سے رشتہ اخوت میں دراڑ پڑتی اور اہل ایمان کے باہمی تعلقات کشیدہ ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَسْمُ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ الْمُسْلِمِ))

(صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ وسومہ علی سومہ و تحریم الخیش)

”کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔“

⑥ بھائی بھائی بن جاؤ:

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو چھٹی نصیحت یہ فرمائی کہ:

((كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا))

”اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔“

جب تمہارا دین..... تمہاری کتاب..... تمہارا رسول..... تمہارا قبلہ..... تمہارا معبود..... اور تمہارا نفع و نقصان ایک ہے تو پھر تمہیں بھی ایک، نیک اور بھائی بن کر زندگی گزارنا چاہیے۔ اور تمہارے تعلقات و معاملات میں اتحاد، اتفاق اور یگانگت ہونی چاہیے۔ تمہارا آپس میں لڑنا، جھگڑنا، افتراق و انتشار کا شکار ہونا اور ایک دوسرے سے برسر پیکار ہونا اسلامی اخوت کے منافی اور احکام الہی کے خلاف ہے۔

ہماری زیر خطبہ آیت کریمہ میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ:

((إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ))

(١٥) ﴿ (٣٩/ الحجرات: ١٠) ﴾

”بلاشبہ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس تم دو بھائیوں کے درمیان صلح

کروادیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

لہذا جس طرح نبی اور حقیقی بھائی ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خیر خواہ اور ہمدرد ہونا چاہیے۔۔۔۔۔ جس طرح بھائیوں کے درمیان محبت و الفت ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام اہل ایمان کے درمیان محبت و الفت ہونی چاہیے۔ جس طرح ہر شخص ہر وقت اپنے بھائی کی مدد و اعانت اور خدمت کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح اُسے اپنے مسلمان بھائی کے تعاون کے لیے بھی ہمہ وقت کمر بستہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ اسی کا نام اسلامی اخوت اور بھائی چارہ ہے۔ اور آیت زیر خطبہ اور حدیث زیر بحث میں اسی کا حکم اور درس دیا گیا ہے۔ یہی مسلمانی کا تقاضا اور ایمانداری کا مطالبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

اسلامی اخوت کے یہ چھ سنہری اصول بیان فرمانے کے بعد رسول مکرم ﷺ نے اخوت کے چند تقاضوں اور اسلامی معاشرت کے چند ضابطوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

”مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے لہذا ہر مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہ کرے۔ اُسے ذلیل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اُس کی مدد ترک نہ کرے۔ اُسے حقیر نہ جانے۔ کسی انسان (کی ہلاکت) کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت قابل احترام ہے۔“

اگر بحیثیت مسلمان ہم سب ان ضابطوں کو اپنالیں، ان اصولوں پر عمل کریں اور ان ہدایات کو حرزِ جاں بنالیں تو ہمارا معاشرہ جنتِ نظیر بن سکتا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج مسلمانوں کی اکثریت ایک دوسرے کے حقوق سے بے خبر اور نا آشنا ہے۔ اور ہر شخص ہر وقت اپنا ہی فائدہ سوچتا اور دوسرے کے نقصان کے درپے رہتا ہے۔ کوئی کسی کی عزت کو دیکھ کر گڑھ رہا ہے اور کوئی کسی کی دولت سے حسد کر رہا ہے۔۔۔۔۔ کوئی کسی کے علم و ہنر کی بناء پر اُس

سے عداوت رکھتا ہے اور کوئی کسی کے کاروبار کے باعث بغض کا شکار ہے۔

اے اہل ایمان! یاد رکھئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر کسی کو اُس کا حصہ دیتا ہے۔ کسی کا حصہ کسی دوسرے کو ہر گز نہیں دیتا۔ اور وہ جو کچھ کسی کو دیتا ہے، اپنی طرف سے دیتا ہے۔ کسی سے لے کر نہیں دیتا۔ اور کسی کو اُس کے مقدر سے کم یا زیادہ نہیں دیتا اور مقررہ وقت سے پہلے بھی نہیں دیتا۔ لہذا چھوڑیے حسد و بغض کو..... ترک کیجئے عداوت و نفرت کو..... پاک ہو جائیے حقارت و مخالفت سے..... بچ جائیے کسی سے منہ موڑنے اور اعراض کرنے سے..... ہر مسلمان سے محبت کیجئے، اُسے اپنا بھائی سمجھئے..... اُس سے ہمدردی کیجئے..... اُسے اپنا جانے..... اُس کی عزت کیجئے..... اُس کے جان، مال اور آبرو کے محافظ بن جائیے..... دوسروں کے دکھ بانٹئے..... خدمت و ایثار کا اعلیٰ نمونہ پیش کیجئے..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا طرزِ زندگی اختیار کیجئے..... مواخاتِ مدینہ جیسا جذبہ دکھائیے..... انصارِ مدینہ کا کردار اپنائیے اور اپنی ضرورت پر اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو ترجیح دیجئے..... پھر دیکھئے اللہ کریم کی رحمتیں کیسے برسی ہیں۔ محبت کے دریا کیسے بہتے ہیں اور معاشرہ کس طرح امن و سکون اور راحت و اطمینان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے اہل ایمان کی اسی اخوت و محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱۰)

بلاشبہ ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں۔ پس تم دو بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

اللہ رب العزت کے حضور دست بستہ دعا ہے کہ خالق ارض و سماء ہم سب کو اس آیت طیبہ کے مطابق بھائی بھائی بننے اور ایک دوسرے کے اسلامی حقوق ادا کرنے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۝

معاشرتی آداب

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ
 وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْبِزُوا أَنْفُسَكُمْ
 وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۚ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ
 لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝﴾ (۴۹/الحجرات: ۱۱)

”اے ایمان والو! (تمہارا) ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، شاید کہ وہ لوگ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑائیں دوسری عورتوں کا۔ شاید کہ وہ عورتیں ان (مذاق اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں۔ اور ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو۔ اور ایک دوسرے کو بُرے القاب سے نہ پکارو۔ ایمان لانے کے بعد کسی کا برا نام رکھنا گناہ ہے اور جس نے (ان گناہوں سے) توبہ نہ کی تو یہی لوگ ظالم ہیں۔“

ہر قسم کی تعریفات و تحمیدات کے لائق اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے جس نے کائنات ہست و بود کی تمام اشیاء کو خدمتِ انسان کے لیے اور انسان کو عبادتِ رحمان کے لیے تخلیق فرمایا:

جانور پیدا کیے تیری رضا کے واسطے

چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے

سارا جہاں تیرے لیے اور تُو خدا کے واسطے

لا تعداد بے شمار درود و سلام رسول الثقلین، امام القبلتین، سید الکونین جناب احمد مجتبیٰ محمد

مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسالت و نبوت اور ختم نبوت کا اعزازِ عظیم

عطاء کر مبعوث فرمایا اور تمام اہل ایمان کو آپ ﷺ کے لیے دعائِ رحمت کا حکم فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین عظام، صلحاء اُمت، بزرگانِ دین، مفسرین و محدثین،
اولیاء عظام، علماء کرام اور تمام فوت شدہ اہل ایمان کی قبور کو اللہ تعالیٰ نور سے منور اور روشن
فرمائے اور تمام زندہ اہل ایمان کو قرآن و حدیث پر عمل کر کے اپنی دُنیا و آخرت بہتر بنانے کی
توفیق و سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

رَبِّطْ آیَاتِ:

قرآن مجید فرقان حمید کی معروف و مشہور سورۃ طیبہ ”سورۃ الحجرات“ کے پہلے رکوع کی
تفسیر و تشریح کرتے ہوئے دس خطبات جمعہ میں مسلمانوں کے اجتماعی، خاندانی اور معاشرتی
نظام کی اصلاح و بہتری کے جو اصول و ضوابط بیان کیے گئے ہیں ان کی فہرست یہ ہے:

① اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے آگے بڑھنے کی قطعاً کوشش نہ کی
جائے بلکہ ذاتِ الہ اور حبیبِ کبریا کے ادب و احترام کے باعث اطاعت و اتباع کی جائے۔
② خلوت و خلوت اور محفل و تنہائی میں تقویٰ اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے اور
کسی حالت میں بھی اللہ رب العالمین کی نافرمانی نہ کی جائے۔

③ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بات، ارشاد، اور حدیث کا احترام کیا جائے اور آپ ﷺ کے
فرمان کی موجودگی میں کسی دوسرے کے قول کو قطعاً کوئی اہمیت نہ دی جائے۔

④ امام الرسل ﷺ کی ذات اور بات کی طرح آپ ﷺ کے نام مبارک کا احترام بھی
ملحوظ رکھا جائے اور آپ ﷺ کا اسمِ مطہر سن کر، پڑھ کر اور لکھ کر مسنون درود شریف پڑھا جائے۔

⑤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم ﷺ کی عزت و تکریم اور ادب و احترام کا کس قدر خیال
فرماتے تھے۔ اس کا مختصرہ تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔

⑥ اگر کوئی شخص، گروہ یا جماعت رسول مکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرے تو اُس

کی شرعی سزا اور گستاخان رسول کے انجام کا تذکرہ بھی کیا گیا۔

⑦ اہل ایمان کو اس حکم الہی سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ ہر سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے خبر کی پوری طرح تحقیق و تفتیش اور جانچ پڑتال کی جائے۔

⑧ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمان، اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و الفت اور دین کی قدر و منزلت کا مختصر تذکرہ بھی آپ نے سماعت فرمایا۔

⑨ اگر خدا نخواستہ اہل ایمان کی دو جماعتوں، گروہوں تنظیموں یا برادریوں کے درمیان اختلاف و انتشار پیدا ہو جائے اور معاملہ جدال و قتال تک پہنچ جائے تو مسلمان معاشرے کے ذمہ دار افراد کو حکم دیا گیا کہ وہ ان گروہوں کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کروائیں تاکہ مسلم معاشرے کو فساد و انتشار سے محفوظ رکھا جاسکے۔

⑩ تمام اہل ایمان کو آپس میں اخوت، بھائی چارے اور تعاون و ہمدردی کے ساتھ رہنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے معاون و خیر خواہ ہیں۔

اخوت کے منافی کام:

آپ یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ اسلامی معاشرے کی اساس اور بنیاد ”اخوت اور بھائی چارہ“ ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کے تمام احکام میں اتفاق و اتحاد کا درس دیا گیا ہے۔

سورۃ الحجرات کی آیت گیارہ جو ہمارے خطبہ جمعہ کا جلی عنوان ہے۔ میں اُن تین عوامل، محرکات اور اسباب کا ذکر کیا گیا ہے جو اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے اجتماعی نظام کو خراب کرتے ہیں، جن کے باعث معاشرتی امن و سکون برباد ہوتا ہے، محبت و اخوت اور الفت کے رشتے کمزور ہوتے بلکہ ٹوٹ جاتے ہیں اور باہمی انتشار و افتراق پیدا ہوتا اور خون خرابہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ افعال و اعمال جو اہل ایمان کے درمیان فساد و عداوت اور حقارت و نفرت کا سبب بنتے ہیں۔ یہ ہیں:

① کسی کا تمسخر اڑانا، مذاق کرنا، حقیر جاننا اور ٹھٹھا کرنا۔

② کسی پر طعنہ زنی کرنا، عیب جوئی کرنا، نقلیں اتارنا، منہ چڑانا اور اپنے آپ کو اُس سے

افضل و بہتر گرداننا۔

③ کسی کا نام بگاڑنا، نازیبا الفاظ استعمال کرنا اور برے القاب سے یاد کرنا۔
 آپ جانتے ہیں کہ یہ خامیاں عورتوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں اور ان میں خود نمائی کا جذبہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور عام طور پر خواتین دوسری خواتین کے نقائص، عیوب اور جسمانی ساخت پر معترض ہوتی ہیں۔ مثلاً فلاں کی شکل ایسی ہے۔ فلاں کو تو لباس پہننے کا بھی ڈھنگ نہیں ہے۔ فلاں بی بی تو چھوٹے قد کی ہے۔ فلاں عورت تو بے ڈھبی طویل القامت ہے۔ فلاں کی چال ڈھال ایسی ہے۔ فلاں کو تو بچے سنبھالنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ فلاں کے دانت باہر کو نکلے ہوئے ہیں۔ فلاں کا ماتھا چوڑا ہے۔ فلاں کا منہ لمبا یا زیادہ گول ہے۔ فلاں عورت تو برقعہ ایسے پہنتی ہے جیسے اوپر خیمہ اوڑھا ہوا ہو۔ فلاں کی ناک لمبی ہے۔ فلاں پھینتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ چونکہ عورتیں ایک دوسرے پر زیادہ تنقید کرتیں اور مردوں کی نسبت ایک دوسرے کا زیادہ مذاق اڑاتی ہیں اس لیے انہیں الگ حکم فرمایا کہ عورتیں، عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے معاشرتی اصلاح کے اصول و آداب بیان کرتے اور بگاڑ کا سبب بننے والے عوامل سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۚ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ٥٠﴾

”اے ایمان والو! مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق و تمسخر نہ اڑایا کرے شائد کہ (جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے) وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔ اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑایا کریں شائد کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔ ایمان کے بعد کسی کا برا نام رکھنا گناہ ہے اور جو لوگ توبہ نہیں کریں گے تو یہی لوگ ظالم ہیں۔“

یہاں ایک اور بات انتہائی توجہ کے لائق ہے کہ اللہ رب العزت نے اس آیت طیبہ میں فرمایا کہ مومن مرد، مردوں کا مذاق نہ اڑائیں اور مومنہ عورتیں، عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں مگر یہ نہیں فرمایا کہ کوئی مرد کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے اور کوئی عورت کسی مرد کا مذاق نہ اڑائے۔ اس کا ہرگز اور قطعاً مطلب یہ نہیں ہے کہ جنس مخالف کیلئے ایک دوسرے کا تمسخر اور مذاق اڑانا جائز قرار دے دیا گیا ہے بلکہ اصل مفہوم یہ ہے کہ چونکہ ایک دوسرے کا تمسخر، مذاق اور تضحیک عام طور پر بے تکلف مجالس میں ہوتی ہے۔ اور اسلام میں مردوں اور عورتوں کی مخلوط سوسائٹی، بے حجاب ملاقاتوں اور بے تکلفانہ جملہ بازی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

تمسخر کا مفہوم:

کسی کے ظاہری حال اور کیفیت کو دیکھ کر اُس کا مذاق اڑانا، اُس کی تحقیر کرنا اور اُسے اس کے درجہ سے گرانے کو تمسخر یا استہزاء کہلاتا ہے۔ یہ تمسخر اور مذاق کسی کی موجودگی میں بھی ہو سکتا ہے اور عدم موجودگی میں بھی۔ اس تمسخر، استہزاء اور مذاق کی وجہ سے کئی گھراؤ جڑتے، گھرانے برباد ہوتے اور خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے اور تمسخر کرنے سے منع فرماتے ہوئے اسے ناجائز، ممنوع اور حرام قرار دیا ہے۔

کسی کے استخفاف اور استہزاء کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک نظریاتی اور مذہبی اختلافات اور دوسری کسی کو اپنے سے حقیر اور کم تر سمجھنا۔ چونکہ مذاق و تمسخر سے لڑائی، جھگڑے، فتنے، فساد، انتشار اور افتراق کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے امت میں اتحاد و اتفاق کو فروغ دینے اور اختلاف و انتشار سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایسے انداز، رویے اور الفاظ سے ہی منع فرما دیا جن سے اختلاف پیدا ہو سکتا اور انتشار پھیل سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ﴾

”اے اہل ایمان! تم میں سے کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔“

کسی شخص کی جسمانی ساخت پر تنقید کرنا اور مذاق اڑانا، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا استخفاف کرنا اور رب العزت کے فیصلے کا مذاق اڑانا ہے۔ مثلاً کسی ایک آنکھ والے

کو ”کانا“ کہہ کہ استہزاء کرنا..... بصارت سے محروم شخص کو ”اندھا“ کہہ کر تمسخر اڑانا..... کسی سیاہ رنگ والے کو ”توئے“ سے تشبیہ دے کر حقیر سمجھنا..... کسی ایک ہاتھ سے محروم شخص کو تحقیر آمیز انداز سے ”ٹنڈا“ کہنا..... ٹانگوں سے محروم انسان کو مذاقیہ طور پر ”لولا اور لنگڑا“ کہنا..... کسی پست قد کو استہزاء کی طریقے سے ”ٹھگنا“ کہنا..... اور..... کسی طویل القامت کو اونٹ سے تشبیہ دیتے ہوئے ہنسنا، قہقہے لگانا اور تقلیں اتارنا..... یا کسی دوسرے فطری اور پیدائشی عیب کو بنیاد بنا کر تمسخر اڑانا، انتہائی قبیح حرکت، کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بِحَسَبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ))

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم وغذله)

”کسی آدمی کے برا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔“

اسی طرح کسی شخص کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اُسے حقیر جاننا، مذاق اڑانا اور استہزاء کرنا بھی سخت ممنوع، ناجائز اور حرام ہے۔ مثلاً کسی کے لباس..... ٹوپی..... چال ڈھال..... بیٹھنے کے انداز..... حجامت..... انداز گفتگو..... زبان کی لکنت..... الفاظ کی ادائیگی..... طرز تکلم..... تلاوت قرآن مجید کے طریق..... وضع قطع..... بیٹھنے اور کھڑے ہونے کے انداز..... اور اسی طرح دیگر حرکات و سکنات کا ایسے الفاظ و انداز میں ذکر کرنا جس سے اُسے تکلیف پہنچتی ہو اور مذاق کرنے والے کے متعلق دل میں نفرت پیدا ہو..... کسی کی غربت، محتاجی، تنگ دستی، فقر و فاقہ، افلاس اور مالی کمزوری کو مزاحیہ انداز میں ہدف تنقید بنانا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

حضرات! سورۃ الحجرات کی اس آیت طیبہ کی روشنی میں ہم سب اپنے اپنے کردار کا جائزہ لیں کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو کسی کا مذاق نہیں اڑاتے..... استخفاف نہیں کرتے..... کسی کو حقیر نہیں سمجھتے..... کسی کا تمسخر نہیں اڑاتے اور کسی کو استہزاء نہیں کرتے، قرآن مجید فرقان حمید ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ

وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ﴾

”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے۔ ہو سکتا ہے جن سے مذاق کیا جا رہا ہے وہ مذاق کرنے والوں سے بہتر ہوں اور عورتیں بھی دوسری عورتوں سے استہزاء نہ کریں۔ ممکن ہے وہ عورتیں ان عورتوں سے بہتر ہوں۔“

آگے بڑھنے سے پہلے ایک حدیث رسول ﷺ کا مطالعہ فرمائیے۔ جس میں آپ ﷺ نے مسلمان ہی اُسے قرار دیا ہے جس کی زبان وہاں سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ))

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون)

”مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

اس فرمان رسول ﷺ کے مطابق کسی کو مذاق کر کے، اُس کے افعال کی نقل اتار کے یا زبان سے استہزائیہ الفاظ ادا کر کے تکلیف پہنچانے والا تو مسلمان کہلانے کا حق دار ہی نہیں ہے۔

شان نزول:

امت میں قرآن مجید کے اولین مفسر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ سورۃ الحجرات کی یہ آیت مبارکہ صحابی رسول جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بارے میں نازل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کانوں کی بیماری کے باعث اونچا سنتے تھے۔ لہذا اُن کی عادت تھی کہ وہ مجلس میں آپ ﷺ کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ آپ ﷺ کے ارشادات توجہ سے سن سکیں، اگر کسی وقت جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ مسجد میں تاخیر سے تشریف لاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے انہیں جگہ دے دیتے اور وہ آپ ﷺ کے پاس آکر بیٹھ جاتے۔ ایک دن وہ نماز فجر میں دیر سے تشریف لائے تو ان کی ایک رکعت جماعت سے رہ گئی اور رسول کریم ﷺ نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام صحابہ کرام بھی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام میں سے اگر کوئی بعد میں آتا اور اُسے بیٹھنے کیلئے جگہ میسر نہ آتی تو وہ کھڑے ہو کر ہی

آپ ﷺ کا درس سن لیتا۔

جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوتے ہی حسب سابق لوگوں کی گردنیں پھلانگتے اور تَفَسَّحُوا تَفَسَّحُوا۔ کشادہ ہو جاؤ، کشادہ ہو جاؤ۔ یعنی جگہ دے دو، جگہ دے دو کی آواز لگاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے قریب پہنچ گئے، نبی کریم ﷺ اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک آدمی بیٹھا تھا۔ اُسے انہوں نے کہا۔ تَفَسَّحْ۔ بھئی! جگہ دے دو۔ اس نے جواب دیا کہ جہاں جگہ ملتی ہے بیٹھ جاؤ۔ جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ شدید غصہ کی حالت میں اُس کے پیچھے بیٹھ گئے۔ اور اُس شخص کے بارے میں پوچھا۔ مَنْ هَذَا؟ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ”فلاں بن فلاں“ ہے۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے اُسے زمانہ جاہلیت کی عار دلائی۔ جس نے وہ بہت شرمندہ ہوا اور شرمساری اور خجالت کی بنا پر اپنے سر کو جھکا لیا۔ اس موقع پر جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے اُس شخص کو عار دلانے، تمسخر اڑانے اور مذاق کرنے پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔“

(تفسیر القرطبی سورۃ الحجرات آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ کے اسی وقت اہل ایمان کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ تم اس طرح کسی کی توہین و تذلیل نہ کرو۔ زمانہ جاہلیت کے کسی عیب اور گناہ کی بناء پر تحقیر و استخفاف نہ کرو اور کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اہانت و حقارت آمیز رویہ نہ اپناؤ۔ چنانچہ حکم آیا کہ۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾

”اے اہل ایمان! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ مذاق اڑانے والوں سے مذاق اڑائے جانے والے بہتر ہوں۔“

امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ تمسخر و استہزاء سے ممانعت کی یہ آیت بنو تمیم کے اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی جو سرور عالم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو جب انہوں نے آپ ﷺ کے ارد گرد سیدنا عمار بن یاسر، خباب بن ارت، سیدنا بلال حبشی، جناب صہیب رومی، سیدنا سلمان فارسی، جناب سالم اور ابن فہیرہ رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام کو دیکھا جن پر فقر و

فاقہ اور غربت و افلاس کے آثار نمایاں تھے تو بعض ارکان وفد نے ان وارثان جنت کا مذاق اڑایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کیلئے حکم دیا کہ تم ان فقراء و مساکین کا تمسخر نہ اڑاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان غرباء و فقراء کی قدر و قیمت اور عزت و منزلت تم سے کئی گناہ زیادہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی تمام آسائشوں اور آرائشوں کو توحید الہی اور حب رسول کی خاطر قربان کر دیا ہے۔ لہذا مرتبہ و مقام کے اعتبار سے یہ درویش صفت صحابہ رضی اللہ عنہم تم سے بلند و بالا ہیں۔ تم ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر انہیں حقیر نہ جانو، کیونکہ یہ وہ پاکیزہ نفوس ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے اوصاف حمیدہ کے تذکرے کیلئے عرش سے قرآنی آیات نازل فرماتا ہے۔

مختصر یہ کہ وفد بنو تمیم کی غلط فہمی دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ (تفسیر القرطبی سورۃ الحجرات آیت ۱۱)

”اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔“

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ سورۃ الحجرات کی یہ آیت کریمہ ابو جہل کے بیٹے جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل فرمائی گئی۔ ہوا یوں کہ:

”جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور کچھ دنوں بعد مکہ مکرمہ کی رہائش ترک کر کے مدینہ طیبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گئے۔ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے موقع پر ابو جہل کی لاش کو دیکھ کر فرما چکے تھے کہ۔ هَذَا فِرْعَوْنُ هَذِهِ الْأُمَّةِ۔ یہ اس اُمت کا فرعون ہے۔

جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد جب مسلمانوں کی کسی مجلس کے پاس سے گزرتے تو لوگ انہیں دیکھ کر کہتے۔ ابْنُ فِرْعَوْنَ هَذِهِ الْأُمَّةِ۔ یہ اس اُمت کے فرعون (ابو جہل) کا بیٹا ہے۔ انہوں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع کرتے ہوئے فرمایا۔ لَا

تُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ بِسَبَبِ الْأَمْوَاتِ - مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ ادھر آپ ﷺ نے یہ ہدایت جاری فرمائی۔ ادھر سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہو گئی۔“ (تفسیر قرطبی سورۃ الحجرات آیت ۱۱)

یہ تینوں شان نزول ہی صحیح اور درست ہیں کہ آپ ﷺ نے ان تمام مواقع پر ان قرآنی الفاظ کی تلاوت فرما کر افراد امت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی کا مذاق اڑانے، استہزاء کرنے اور تحقیر و تذلیل کرنے سے منع فرمایا۔ لہذا بحیثیت مسلمان ہمیں بھی اس حکم الہی پر عمل کرتے ہوئے کسی کی توہین، تحقیر اور استخفاف سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ جس کا ہم تمسخر اڑا رہے ہیں، وہ نیکی، پرہیزگاری، تقویٰ اور خلوص و للہیت میں ہم سے کہیں افضل، بہتر اور برتر ہو۔
خواتین کیلئے خاص حکم:

اس آیت مبارکہ کا آغاز ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے پیارے الفاظ سے ہوا ہے اور اللہ رب العالمین نے امت مسلمہ کے تمام افراد کو مخاطب فرما کے ۳ معاشرتی آداب پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اس عمومی حکم میں مردوں کے ساتھ خواتین اسلام بھی شریک ہیں اور دوسرے اسلامی احکام کی طرح عورتوں کو بھی ان آداب معاشرت کو اپنانے اور دوسری عورتوں کا تمسخر نہ اڑانے کا حکم ہے مگر یہاں خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو الگ مخاطب کیا گیا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

﴿وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾

”اور عورتیں، عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ مذاق اڑانے والیوں

سے مذاق اڑائی گئی خواتین بہتر اور افضل ہوں۔“

عورتوں کیلئے الگ خاص حکم دینے کی حکمت یہ ہے کہ عام طور پر خواتین اس مرض میں زیادہ مبتلا ہوتی ہیں اکثر عورتیں ایک دوسرے کے لباس، چال ڈھال، انداز گفتگو اور میک اپ کا مذاق اڑائی نظر آتی ہیں اور جہاں بھی چند خواتین جمع ہوں، وہاں دوسری عورتوں پر تنقید، ان کے عیوب کے بیان اور استہزاء اور تمسخر کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ کہیں باپردہ خواتین کے برقعہ اوڑھنے کا مذاق اڑایا جاتا ہے..... کہیں نمازی عورتوں کے نماز پڑھنے پر تنقید کی جاتی

ہے..... کہیں اُن کی باحیا گفتگو پر اعتراض کیا جاتا ہے..... کہیں اُن کے چہرہ ڈھانپنے کے عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جاتا ہے..... اور کہیں نیک خواتین کے الگ تھلگ بیٹھنے کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے..... کہیں ان کی عزت و آبرو کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خواتین اسلام کو مستقلاً الگ حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اے خواتین اسلام! تم اپنی زبانوں پر کنٹرول رکھو اور کسی عورت کا مذاق اڑانے، استہزاء کرنے اور تنقید کا نشانہ بنانے سے گریز کرو۔ کیونکہ جن عورتوں کی تم توہین و تذلیل کر رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی برگزیدہ، نیک اور صالحہ خواتین ہوں اور تم اُن کی توہین کر کے اپنی دنیا و آخرت کو خراب کیوں کر رہی ہو؟ اس لیے اے مسلمان عورتو!

﴿وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَمَلَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾

”اور عورتیں، عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں۔“

اس حکم الہی کے مطابق مومنہ عورتوں اور مسلمان خواتین کو خصوصی طور پر تمسخر، استہزاء اور مذاق کے جرم عظیم سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کسی کا، مذاق اڑانے والی خواتین کل قیامت کے دن دربار الہی میں شرمسار اور پشیمان ہوں اور انہیں حقوق العباد کا خیال نہ رکھنے کی پاداش میں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے۔ لہذا دوسروں کی توہین کرنے کی بجائے اپنا وقار قائم رکھئے..... دوسروں کی تذلیل کی بجائے اپنی عزت کی فکر کیجئے..... دوسروں کے عیوب بیان کرنے کی بجائے اپنی خامیوں پر نظر رکھئے..... دوسروں کے لباس کو ہدف تنقید بنانے کی بجائے اپنا لباس اسلامی بنانے کی کوشش کیجئے..... دوسروں کی نمازوں پر اعتراض کرنے کی بجائے خود نمازی بنئے..... دوسروں کا تمسخر اڑانے کی بجائے اپنے اعمال کی خبر لیجئے..... اللہ تعالیٰ تمام مسلمان خواتین و حضرات کو ایک دوسرے کا تمسخر اڑانے کے قبیح عمل سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین۔

سبب نزول:

www.kitabosunnat.com

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت مبارکہ میں خواتین اسلام کو

خصوصیت کے ساتھ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑانے کا حکم ایک خاص پس منظر میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

((نَزَلَتْ فِي نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْرَنَ أُمَّ سَلَمَةَ بِالْقَصْرِ وَقِيلَ نَزَلَتْ فِي عَائِشَةَ أَشَارَتْ بِيَدِهَا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنَّهَا لَقَصِيرَةٌ)) (تفسير القرطبي سورة الحجرات آیت ۱۱)

”اس آیت کریمہ کے یہ الفاظ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئے کیونکہ انہوں نے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر پست قدم ہونے کی پھبتی کسی تھی اور بعض مفسرین کرام کا بیان ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کر کے نبی کریم ﷺ کے سامنے اُن کے چھوٹے قدم پر طنز کی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کے یہ کلمات نازل فرمائے۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازواج مطہرات اور تمام مسلمان خواتین کو حکم دیا گیا کہ

((وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءِ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ))

”اور عورتیں، عورتوں کو تمسخر نہ کریں۔ ممکن ہے کہ مذاق اڑانے والیوں سے مذاق اڑائی جانے والی، بہتر ہوں۔“

نبی کریم، رسول عظیم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک زوجہ محترمہ کا نام ”سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا“ تھا آپ جناب ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں اور خیبر کے یہودی سردار ”حییٰ بن اخطب“ کی بیٹی تھیں۔ فتح خیبر کے موقع پر دوسرے قیدیوں کے ہمراہ جب وہ بھی گرفتار ہوئیں اور آپ ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہو گئیں تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا اور انہیں بھی ”ام المؤمنین“ رضی اللہ عنہا کا اعزاز عظیم حاصل ہو گیا۔

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی حلیم الطبع، کشادہ دل اور صابرہ خاتون تھیں، اس لیے آپ ﷺ ان کی دل جوئی فرماتے اور از حد خیال رکھتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

((أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حَيٍّ ابْنِ أَخْطَبَ ابْنَتُ رَسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! إِنَّ النِّسَاءَ يُعَيِّرُنَنِي، وَيَقُلْنَ لِي يَا يَهُودِيَّةُ بِنْتُ يَهُودِيَّيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا قُلْتَ إِنَّ أَبِي هَارُونَ وَإِنَّ عَمِّي مُوسَى وَإِنَّ زَوْجِي مُحَمَّدٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ هَذِهِ الْآيَةَ)) (تفسير القرطبي، سورة الحجرات آیت ۱۱)

”سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا دربار رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بعض ازواج مجھے شرمندہ کرتی اور عار دلاتے ہوئے کہتی ہیں کہ تم یہودی اور یہودیوں کی بیٹی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی دل جوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے انہیں جواب میں یہ کیوں نہیں کہا کہ میرے باپ (دادا) جناب ہارون علیہ السلام اور میرے چچا محترم سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور میرے خاوند گرامی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس موقع پر سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی۔“

حضرات! آپ غور فرمائیں کہ سرزمین مدینہ میں ازواج مطہرات میں سے بعض نے اپنی سوتن کا مذاق اڑایا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً قرآنی الفاظ مبارکات نازل فرمادیے اور اُمہات المؤمنین، صحابیات اور تمام مسلمان خواتین کو حکم دے دیا کہ کوئی عورت، کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے، تمسخر نہ کرے، عار نہ دلائے، شرمندہ نہ کرے اور کوئی خاتون کسی خاتون کو استہزاء بھی نہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، اُس کی قدر و منزلت اور عزت و مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں مذاق اڑانے والیوں سے بہتر، افضل اور اعلیٰ ہو۔

اللہ رحیم و کریم تمام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کا احترام، عزت اور توقیر و تکریم کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

مذاق اڑانے والوں کا انجام:

جو لوگ دوسروں کو حقیر جان کر ان کا مذاق اڑاتے، ہٹھا کرتے اور توہین و تذلیل کرتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے، وہ راندہ درگاہ ہیں اور کل قیامت کے دن بھی اُن کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اُن

لوگوں سے معذرت کر لیں، معافی مانگ لیں اور انہیں راضی کر لیں تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کا یہ گناہ معاف کر دے گا ورنہ روزِ حشر ایسے بد نصیبوں کو پچھتانا پڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے مذاق کا پورا پورا بدلہ لیا جائے گا۔

آئیے! مذاق اڑانے والوں کے انجام کے بارے میں ایک حدیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

((إِنَّ الْمُسْتَهْزِئِينَ بِالنَّاسِ يُفْتَحُ لِأَحَدِهِمْ فِي الْآخِرَةِ بَابٌ مِّنَ الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ هَلُمَّ هَلُمَّ! فَيَجِيءُ بِكُرْبِهِ وَغَمِّهِ فَإِذَا جَاءَ أُغْلِقَ دُونَهُ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ آخَرُ فَيُقَالُ لَهُ: هَلُمَّ، هَلُمَّ! فَيَجِيءُ بِكُرْبِهِ وَغَمِّهِ فَإِذَا جَاءَهُ أُغْلِقَ دُونَهُ فَمَا يَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّىٰ أَنْ أَحَدَهُمْ لِيُفْتَحَ لَهُ الْبَابُ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ هَلُمَّ! فَمَا يَأْتِيهِ مِنَ الْإِيَّاسِ))

(الجامع لشعب الایمان للبیہقی رقم الحدیث ۶۳۳۳)

”دنیا میں لوگوں کا مذاق اڑانے والوں کیلئے آخرت میں جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اُن سے کہا جائے گا۔ اس دروازے کی طرف جلدی آؤ۔ جلدی آؤ، وہ اپنی پریشانی اور غم کے باوجود وہاں جائیں گے تو وہ دروازہ جنت بند کر دیا جائے گا۔ پھر جنت کا دوسرا دروازہ کھولا جائے گا۔ اور انہیں حکم دیا جائے گا کہ ”جلدی آؤ، جلدی آؤ“ وہ اپنی پریشانی اور کرب و الم کے باوجود بھاگ کر وہاں پہنچیں گے تو وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا۔ اور ان مذاق کرنے والوں کے ساتھ مسلسل یہی سلوک ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ اُن میں سے کسی ایک کیلئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ اور اُس سے کہا جائے گا کہ۔ آؤ۔ تو مایوس ہو کر نہیں آئے گا۔“

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ دنیا میں لوگوں کا تمسخر اڑانے والے جب دروازہ جنت پر پہنچیں گے تو یہ کہہ کہ جنت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا کہ۔

((سُخِّرَ بِكُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَسْخَرُونَ بِالنَّاسِ))

(الجامع لشعب الايمان للبيهقي رقم الحديث ۶۳۳۲)

”آج تمہارے ساتھ اُسی طرح مذاق کیا جا رہا ہے جیسے تم دنیا میں لوگوں کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔“ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔

معزز حضرات و خواتین! ڈر جائیے! اس آخرت کے مذاق سے، بچا لیجئے اپنے آپ کو اس رسوائی اور ذلت سے، مت اڑائیے کسی کا مذاق..... کسی کو حقیر نہ جانیے..... کسی کی توہین نہ کیجئے..... کسی کا تمسخر نہ اڑائیے..... اور کسی کو اپنے سے کم تر نہ سمجھئے..... ورنہ دنیا میں ذلت و رسوائی کے علاوہ آخرت میں فرشتوں کے استہزاء کا سامنا کرنا پڑے گا اور مذاق اڑانے والوں کیلئے جنت کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا۔

مذاق اور مزاح میں فرق:

آپ جان چکے ہیں کہ کسی کو حقیر گردانتے ہوئے، اُس کے ظاہری حال اور کیفیت کے باعث اُسے استہزاء کرنا، اور تمسخر اڑانا، ”مذاق“ کہلاتا ہے۔ جبکہ کسی سے خوش طبعی کرنا، دل لگی کرنا اور تفسن کے انداز میں مبنی پر حقیقت گفتگو کرنے کو ”مزاح“ کہا جاتا ہے۔ استہزاء اور مذاق سخت مذموم، ناجائز اور ممنوع ہے مگر ”مزاح کرنا“ دل لگی اور خوش طبعی کرنا مباح اور جائز ہے بشرطیکہ اس میں مخاطب اپنی بے عزتی محسوس نہ کرے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بسا اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کرام رضی اللہ عنہم سے دل لگی اور خوش طبعی فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔

((يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ- إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا))

(جامع ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی المزاح)

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں؟ (حالانکہ آپ

تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہمیشہ حق بات کہتا ہوں۔“

یعنی خوش طبعی، دل لگی اور بے تکلفی کے ماحول میں بھی زبان رسالت سے حق اور سچ کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔ سبحان اللہ۔ یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و امتیاز اور شرف و فضیلت

ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے ہمیشہ حق، سچ اور درست بات ہی نکلتی ہے۔ آپ ﷺ۔

- ☆ خوشی کی حالت میں ہوں۔ ☆ غصے کی کیفیت میں ہوں۔
- ☆ محفل و مجلس میں ہوں۔ ☆ خلوت و تنہائی میں ہوں۔
- ☆ حالت جنگ میں ہوں۔ ☆ امن و راحت میں ہوں۔
- ☆ مسجد و گھر میں ہوں۔ ☆ بازار و منڈی میں ہوں۔
- ☆ سفر و حضر میں ہوں۔ ☆ مقیم و مسافر ہوں۔

غرض جس حالت، کیفیت اور جس مقام پر بھی ہوں، آپ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے صرف اور صرف حق اور سچ ہی نکلتا ہے کیونکہ آپ ﷺ جو بھی گفتگو فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں فرماتے ہیں۔ قرآن حکیم میں فرمان الہی ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳-۴)

”اور وہ (رسول ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے (اُن کی ہر بات تو) وہ وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔“

احادیث مبارکات میں آپ ﷺ کی خوش طبعی، دل لگی اور مزاح کے کئی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام، رفقاء عظام اور ساتھیوں کے ساتھ بڑی بے تکلفانہ گفتگو فرماتے مگر وہ مبنی برحقیقت اور سچ ہوتی۔ آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ۔

((إِنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النَّوْقُ))

(جامع ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی المزاح، سنن لابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی المزاح)

”ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے (جہاد پر جانے کیلئے) سواری طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کرتا ہوں۔ وہ (شخص آپ ﷺ کے فرمان کی گہرائی کو نہ سمجھ سکا اور حیران و پریشان ہو کر کہنے لگا)۔

اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں گا؟ آپ ﷺ نے
(مسکرا کر) فرمایا۔ اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔“

سبحان اللہ! کیا خوب صورت اور حقیقت پر مبنی مزاح اور خوش طبعی ہے اور حاضرین کو
خوش کرنے کا کیسا پیارا انداز اور دلچسپ طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پیارے اور محبوب رسول پر
ہماری طرف سے لاتعداد رحمتیں، برکتیں اور سلامتیاں نازل فرمائے۔ آمین
بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی:

نبی مکرم ﷺ بسا اوقات عام گفتگو میں بھی مزاح اور خوش طبعی کا پہلو نکال لیتے اور
مخاطب کے ساتھ ایسا انداز تکلم اختیار فرماتے کہ وہ فوری طور پر آپ ﷺ کے فرمان کا مفہوم
سمجھ نہ پاتا اور پریشان ہو جاتا۔ پھر آپ ﷺ وضاحت فرماتے تو اس سے ماحول میں خوشی
کی لہر دوڑ جاتی۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

((أَتَتْ عَجُوزٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْعُ اللَّهَ أَنْ يُدْخِلَنِي
الْجَنَّةَ، فَقَالَ يَا أُمَّ فُلَانٍ! إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ، قَالَ
فَوَلَّتْ تَبْكِي، فَقَالَ أَخْبِرُوهَا أَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوزٌ إِنَّ
اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ))

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفة مزاح رسول اللہ ﷺ)

”ایک بوڑھی عورت (آپ ﷺ کی پھوپھی محترمہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا) نبی
اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ،
اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے جنت میں داخل فرمادے تو آپ ﷺ نے
فرمایا۔ اے ام فلاں! جنت میں تو کوئی بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی۔ وہ عورت
(سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا) یہ سن کر روتی ہوئی واپس جانے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔
اُسے بتلا دو کہ عورت بڑھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ (بلکہ
جنتی خواتین کو جو ان کے جنت میں داخل کیا جائے گا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنْشَاءً ۖ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۖ عُرُبًا أَتْرَابًا﴾

(۵۶/ الواقعة: ۳۷۳-۳۷۵)

”ہم نے اُن (جنتی خواتین) کو پیدا کیا اور انہیں کنواریاں بنا دیا، وہ محبوبائیں اور ہم عمر ہیں۔“

آپ نے اس حدیث رسول پر غور فرمایا کہ آپ ﷺ نے جو بات فرمائی وہ مبنی برحقیقت تھی مگر انداز ایسا اختیار فرمایا کہ اس سے مزاح اور خوش طبعی کا ماحول پیدا ہو گیا۔ پہلے وہ عورت آپ ﷺ کا فرمان سن کہ اس کی حقیقت پر غور کیے بغیر رونا شروع ہو گئی اور جب اُسے آپ ﷺ کے فرمان کی اصل حقیقت معلوم ہوئی تو وہ خوش ہو گئی۔ سبحان اللہ۔

کتب احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ بسا اوقات چھوٹے بچوں سے بھی خوش طبعی فرمالیتے تھے اور زبان نبوت سے ایسا جملہ ارشاد فرما دیتے جس سے ماحول میں خوش گواری آ جاتی اور سننے والے مسکرانا شروع ہو جاتے۔ آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”میرے چھوٹے بھائی ابو عمیر نے بڑی محبت اور پیار سے ایک چڑیا پال رکھی تھی۔ وہ اچانک مر گئی تو میرے بھائی کو بڑا افسوس اور صدمہ ہوا۔ ایک دن رسول اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ اور آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو ہمارے افراد خانہ سے گھل مل جاتے اور بڑی بے تکلفی سے گفتگو فرماتے، آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ عمیر کی چڑیا فوت ہو گئی ہے تو آپ ﷺ نے میرے بھائی کو مخاطب کر کے کمال محبت سے فرمایا۔

يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟ اے ابو عمیر! تمہاری چڑیا کو کیا ہوا ہے۔“

(صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب الکنية للصبي)

اس واقعہ سے آپ ﷺ کی بچوں سے محبت و الفت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ منصب نبوت پر فائز ہونے، عظیم المرتبت رسول ہونے اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سے سب سے افضل و اعلیٰ ہونے کے باوجود بچوں سے کیسی خوش طبعی فرماتے، دل لگی کرتے اور انہیں ہنسانے کی کوشش فرماتے تھے، ہمارے ہاں بعض لوگ ایسی باتوں کو

تقویٰ کے منافی، نیکی کے خلاف اور علمی رُعب و دبدبہ سے فروتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دل لگی، خوشی طبعی اور مزاج کرنا جائز، مباح اور سنتِ رسول ﷺ ہے۔

آپ ﷺ کا ایک دیہاتی سے مزاج:

خوش طبعی، دل لگی اور مزاج انسانی زندگی کا لازمہ ہے، اسلام تنگ ظرفی، یبوست اور خشک مزاجی کو پسند نہیں کرتا بلکہ انسانی مزاج اور طبیعت کے عین مطابق حقائق پر مبنی مزاج کو جائز قرار دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ اپنے بعض سادہ لوح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہلکا پھلکا مزاج فرماتے جس سے آپ بھی محظوظ ہوتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی لطف اٹھاتے تھے۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”ایک بدوی اور دیہاتی شخص جس کا نام ”زاہر“ تھا۔ وہ جب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کے لیے تحائف (سبزیاں اور پھل وغیرہ) لاتا تھا اور جب وہ واپس اپنے گاؤں (جو جنگل میں تھا) جانے کا ارادہ کرتا تو آپ ﷺ اُسے شہری تحائف عطاء فرماتے تھے۔ زاہر رضی اللہ عنہ کوئی زیادہ خوش شکل نہیں تھے۔ لیکن آپ ﷺ اُس سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اور اُس کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ۔ زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اُس کے شہری ہیں۔

ایک مرتبہ جناب زاہر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے کسی مقام پر سبزیاں وغیرہ فروخت فرما رہے تھے کہ اچانک نبی ﷺ تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے انہیں پیچھے سے اس طرح پکڑ لیا کہ وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔ تو جناب زاہر رضی اللہ عنہ نے کہا: مَنْ هَذَا اَرْسَلَنِي۔ یہ مجھے پکڑنے والا کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو۔ جب اُس نے آنکھیں گھما کر بغور دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ ہیں (جو مجھ سے محبت کا اظہار فرما رہے ہیں، جناب زاہر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بڑی سعادت اور خوش بختی کا لمحہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ پیچھے بیٹھے اُس کے چہرے کو بابرکت ہاتھوں کے درمیان لیے ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ کا سینہ مبارک اُن کی کمر

کے بالکل برابر تھا) اب جناب زاہر رضی اللہ عنہ ایسے انداز سے پیچھے کو جھکے کہ کوشش کر کے اپنی کمر کو رسول مکرم ﷺ کے مبارک سینہ کے ساتھ چمٹا لیا۔ آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں سے اُس کے چہرے کو تھامے ہوئے ازراہ مزاح اعلان فرما رہے تھے۔ مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْعَبْدَ؟ اِس غلام کا کوئی خریدار ہے؟ جناب زاہر رضی اللہ عنہ یہ سن کر عرض کرنے لگے، اے اللہ کے رسول ﷺ وَاللّٰهِ تَجِدُنِيْ كَاسِيْدًا۔ اگر آپ مجھے فروخت کریں گے تو انتہائی کم قیمت پائیں گے۔ یعنی کوئی میری زیادہ قیمت نہیں دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے زاہر! لَكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِيْدٍ اَوْ قَالَ اَنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ۔ لیکن تم اللہ تعالیٰ کے ہاں کم قیمت نہیں ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔“

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ ﷺ)

ان احادیث و واقعات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی کی تذلیل و توہین کے لیے استہزاء، مذاق اور تمسخر کرنا ناجائز، حرام، گناہ کبیرہ اور ممنوع ہے جبکہ دل لگی، خوش طبعی اور مہنی بر حقیقت تَفْشُّنْ جائز، مباح اور روا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت مبارکہ میں تمسخر اور مذاق سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ﴾

”اے ایمان والو! تمہارا ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے۔ ممکن ہے کہ مذاق اڑائے جانے والے مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ مذاق اڑائی جانے والی عورتیں ان مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں۔“

طعنہ زنی کے ممانعت:

سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرنے، کسی کی عیب جوئی اور حرف گیری سے منع فرمایا گیا ہے۔ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ ”اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو۔“

”لمز“ کا معنی عیب جوئی اور عیب چینی کرنا، کسی کے عیوب تلاش کرنا، کسی کے کمزور پہلوؤں کو ہونڈنا۔ کسی پر حرف گیری کرنا اور کسی کے فعل پر نا انصافی کا الزام لگانا ہے۔

چونکہ ان تمام کاموں سے اہل ایمان کے درمیان محبت کی بجائے نفرت، اخوت کی بجائے عداوت اور اُلفت کی بجائے حقارت کے جذبات پیدا ہوتے اور مسلم معاشرے میں فساد و اختلاف اور انتشار و افتراق پیدا ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو باہمی طعنہ زنی، عیب جوئی اور حرف گیری سے منع فرمایا ہے۔ اور ان حرکاتِ قبیحہ کا ارتکاب کرنے والوں کو ہلاکت اور بربادی کا مستحق قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝۱﴾

”ہر عیب جو، غیبت کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔“

نبی اکرم، رسولِ معظم ﷺ نے کسی مسلمان کے عیب، گناہ اور کمزوریوں کو عام کرنے، انہیں شہرت دینے اور اُسے بدنام کرنے کی بجائے ایک دوسرے کی عیب پوشی کرنے اور گناہوں پر پردہ ڈالنے کا حکم دیا ہے اور اُس کا فائدہ یہ سمجھایا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کے عیوب و نقائص پر پردہ ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے بدلے میں قیامت کے دن اِس کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ قَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً قَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرْبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (صحیح بخاری، کتاب النظام، باب لا یظلم المسلم ولا یسلم)

”ہر مسلمان، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، لہذا کوئی مسلمان کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے اور نہ اُسے ظالموں کے حوالے کرے اور جو مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں

سے بڑی مصیبت دور فرما دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے عیوب چھپا دے گا۔“

لہذا ہم میں سے ہر شخص کو دوسروں کے عیوب کو سرعام بیان کر کے انہیں بدنام، ذلیل اور خوار کرنے کی بجائے خلوت و تنہائی میں اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے اور گناہوں کے مرتکب کو سمجھانا چاہیے تاکہ وہ نافرمانیوں سے باز آ جائے اور نیک و صالح مسلمان بن جائے اور ہمیں ہمارے اصلاحی جذبے اور کام کی جزا اور ثواب حاصل ہو جائے۔ اگر ہم اپنے گرد و نواح پر نظر دوڑائیں تو ایسے بے شمار لوگ نظر آئیں گے جن کا کام ہی دوسروں کے عیوب تلاش کرنا، طعنہ زنی کرنا، تشنیع کے تیر مارنا، توہین آمیز اشارے کرنا، لوگوں پر حرف گیری کرنا، آنکھوں اور اعضاء کے ساتھ ذلت آمیز اشارات کرنا اور لوگوں کو رسوا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ ایسے تمام کاموں سے منع کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا: اے اہل ایمان!

﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ ”اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ زنی نہ کرو۔“

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ کے اشارے سے اُم المؤمنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے قد پر طنز کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ!

((لَقَدْ مَزَجْتَ بِكَلِمَةٍ لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَ))

(تفسیر القرطبی، سورۃ الحجرات آیت: ۱۱)

”تم نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر تمہارے کہے ہوئے لفظ کو سمندر میں

پھینک دیا جائے تو وہ کڑوا ہو جائے۔“

افسوس صد افسوس کہ ہمارے معاشرے کے اکثر افراد خصوصاً نوجوان ایک دوسرے کی نقلیں اتارنے، قبیح اشارات کرنے، ملامت کا نشانہ بنانے، طنز و تشنیع کرنے اور زیر لب ہدف تنقید بنانے کو جوانی کا لطف اور شباب کا مزہ قرار دیتے ہیں، پھر بسا اوقات نوبت لڑائی جھگڑے، فتنہ و فساد اور معاشرتی تعلقات ختم کرنے تک پہنچ جاتی ہے اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو ایسے تمام امور سے منع فرما دیا جو معاشرتی بگاڑ کا سبب بن سکتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

- ☆ کوئی مسلمان مرد کسی مرد کا مذاق نہ اڑائے اور استہزاء نہ کرے۔
 - ☆ کوئی مومنہ عورت کسی عورت کا تمسخر نہ اڑائے اور توہین و تذلیل نہ کرے۔
 - ☆ اہل ایمان ایک دوسرے کی عیب جوئی اور طعنہ زنی نہ کریں۔
 - ☆ کوئی مومن کسی کو بُرے لقب سے یاد نہ کرے۔
- لقب کا مفہوم اور اقسام:

سورۃ الحجرات کی اس آیت طیبہ میں اہل ایمان کو تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ:

”تم ایک دوسرے کو بُرے القاب سے نہ پکارو۔“

کسی کی خوبیوں یا خامیوں کی بناء پر اسے کوئی نام دے دینا ”لقب“ کہلاتا ہے اور لقب کی دو اقسام ہیں۔ (۱) پسندیدہ اور اچھے القاب (۲) ناپسندیدہ اور بُرے القاب۔ کسی کو اچھے، پسندیدہ اور خوب صورت لقب سے پکارنا، اُس کی عزت افزائی ہے جبکہ ناپسندیدہ، بُرے اور تحقیر آمیز لقب سے یاد کرنا بے عزتی، بدنامی اور ذلت ہے۔ کسی کو پسندیدہ لقب سے بلانا جائز اور مباح ہے اور بُرے لقب سے پکارنا ممنوع، حرام اور ناجائز ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں فرمایا:

﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط﴾

”اور تم ایک دوسرے کو بُرے القاب سے نہ پکارو۔“

خود رسول مقبول ﷺ نے اپنے بعض رفقاء کرام کو خوب صورت، پیارے اور بہترین القاب عطاء فرمائے ہیں جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((أَنْتَ عَتِيقُ اللَّهِ مِنَ النَّارِ))

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر)

”تم جہنم سے اللہ تعالیٰ کے عتیق (آزاد کردہ) ہو۔“

یعنی رسول اکرم ﷺ نے اپنی زبان رسالت سے آپ رضی اللہ عنہ کو ”عتیق“ کا لقب عطاء فرمایا: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول محترم ﷺ نے ایک اور لقب ”صدیق“ پسند فرمایا جیسا کہ خادمِ مصطفیٰ جناب انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم

کے ہمراہ اُحد پہاڑ پر چڑھے تو اُس نے (خوشی سے) ہلنا شروع کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
 ((اُثْبِتْ اُحْدًا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ))
 (صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذاً خلیلاً.....)

”اے اُحد! ٹھہر جا، اس وقت تیرے اوپر نبی ﷺ اور ”صدیق“ اور دو شہید ہیں۔“
 آپ ﷺ کو یہ لقب رسول اکرم ﷺ کی کثرتِ تصدیق اور ہمیشہ سچ بولنے کی وجہ سے عطاء فرمایا گیا جیسا کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:
 ”جب رسول اللہ ﷺ کے اسراء و معراج کا واقعہ پیش آیا اور صبح کے وقت آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے بیان کیا تو کچھ لوگ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا۔ کیا آپ کو اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کی خبر ہے؟ اُن کا خیال ہے کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے (اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا واقعی آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے۔ لوگوں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے ایسا ہی کہا ہے۔ تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر آپ ﷺ نے یہ بات کہی ہے تو وہ برحق اور سچ ہے۔ لوگوں نے کہا: اے ابوبکر! کیا آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے واپس بھی آ گئے؟ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ہم تو اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پر صبح و شام آسمان سے وحی کا نزول ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو ”صدیق“ کا لقب دیا گیا۔“
 (المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب ”صدیق“ پر اُمت کا اجماع ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے رسول پاک ﷺ کی تصدیق کی۔ واقعہ معراج کی غائبانہ تصدیق کی اور ہمیشہ صدق و سچائی کو لازم پکڑا اور اس سلسلے میں کبھی مد اہنت سے کام نہیں لیا۔ بلکہ ہمیشہ اس صفت سے متصف رہے، اللہ تعالیٰ اُن پر لاتعداد رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو رسول محترم ﷺ نے ”فاروق“ کا لقب عطاء

فرمایا۔ جس کا معنی ہے۔ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

”جناب عمر رضی اللہ عنہ کا لقب ”فاروق“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا تھا۔“

(تاریخ الخلفاء للسیوطی)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے چھٹے سال ذوالحجہ کے مہینہ میں بعمر ۲۷ سال سعادت اندوز اسلام ہوئے۔ قبل ازیں ۳۹ اُنٹالیس افراد صحابیت کا اعزاز حاصل کر چکے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چالیسواں مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام تک مسلمان اپنی عدوی قلت اور کمزوری کے باعث حرم کعبہ میں عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے یہ رکاوٹ دور ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کرام کے ہمراہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی معیت میں حرم شریف میں عبادت کے لیے روانہ ہوئے۔ جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

((فَسَمَّانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَارُوقَ يَوْمَئِذٍ

أَظْهَرَ الْإِسْلَامَ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ)) (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس دن میرا نام ”فاروق“ رکھ دیا، کیونکہ اُسی دن اسلام

کا اظہار ہوا اور حق و باطل کے درمیان واضح فرق قائم ہو گیا۔“

مختصر یہ کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امتیازی خدمات کے باعث انہیں خوب صورت، دل رُبا اور پیارے القابات سے سرفراز فرمایا۔ مثلاً:

☆ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ”صدیق و عتیق“ القاب عطاء فرمائے۔

☆ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ”فاروق“ کا لقب نصیب فرمایا۔

☆ جناب ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ”أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ“ اس اُمت کا امین، لقب دیا۔

☆ جناب زبیر رضی اللہ عنہ کو ”حواری رسول“ فرمایا۔

☆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ”سب سے زیادہ باحیا“ قرار دیا۔

☆ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ”ابو تراب“ کا لقب عطاء فرمایا۔

☆ جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ”سیف اللہ“ اللہ کی تلوار قرار دیا۔

☆ جناب عبدالرحمن بن صخر رضی اللہ عنہ کو ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ“ فرمایا۔

☆ جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ”ماہر قرآن“ فرمایا۔

☆ جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ”علم وراثت کا ماہر“ قرار دیا۔

☆ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ”حلال و حرام کو زیادہ جاننے والا“ فرمایا۔

اسی طرح جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ”حبر الامۃ“ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

کو ”فقیہ الامت“ کہا جاتا ہے۔ الغرض کسی کی خدمات جلیلہ، اوصاف حمیدہ اور عادات کریمہ

کے باعث اُس کی عزت افزائی کے لیے کسی اچھے لقب اور خوبصورت نام سے یاد کرنا جائز،

پسندیدہ بلکہ سنت رسول ﷺ ہے، مگر کسی کی تحقیر و تذلیل کی خاطر کسی برے، ناپسندیدہ اور

نازیبا لقب سے یاد کرنا ممنوع، ناجائز اور حرام ہے۔

برے القاب سے نہ پکارو:

کسی شخص کو ایسے نام، لقب اور کنیت سے پکارنا جس سے اُس کی تحقیر و توہین اور تذلیل

ہوتی ہو، شریعت اسلامیہ میں سخت گناہ، ناپسندیدہ فعل اور ممنوع و حرام ہے۔ مثلاً کسی کو جاہل،

احمق، کاننا، لولا، لنگڑا، گنجا، بے وقوف، کم عقل، کام چور، بے علم وغیرہ کہنا یا اسی طرح کے دیگر

برے القاب سے پکارنے کو انتہائی معیوب قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا ابوجبیرہ بن ضحاک رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ۔

((كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا يَكُونُ لَهُ الْأَسْمَانِ وَالثَّلَاثَةُ فَيُدْعَى بِبَعْضِهَا

فَعَلَسَى أَنْ يَكْرَهُ قَالَ فَانْزَلْتُ هَذِهِ الْآيَةَ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْألقَابِ))

(جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الحجرات)

”ہم میں سے بعض آدمیوں کے دو، دو۔ تین، تین نام ہوتے تھے (بعض اچھے

اور کئی برے نام تھے) تو بعض لوگ دوسروں کو برے ناموں سے پکارتے تھے

جو انہیں ناگوار محسوس ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ایک

دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔“

اگر کسی شخص میں کوئی عیب، نقص اور خرابی موجود بھی ہو پھر بھی اُسے برے لقب سے یاد کریں گے تو اس کی دل آزاری ہوگی۔ اسے صدمہ ہوگا اور پکارنے والے سے نفرت کرے گا اور یہی نفرت آہستہ آہستہ دشمنی کی شکل اختیار کر جائے گی۔ پھر یہ دشمنی معاشرتی بگاڑ، فساد و افتراق اور انتشار و اختلاف کا سبب بنے گی۔ اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ میں مسلم معاشرے کے امن، راحت، سکون، بھائی چارے، محبت، الفت اور اخوت کی خاطر اہل ایمان کو حکم دیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْبِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۚ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ١١﴾

”اے ایمان والو! (تمہارا) ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، شاید کہ وہ لوگ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑائیں دوسری عورتوں کا۔ شاید کہ وہ عورتیں ان (مذاق اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں۔ اور ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو۔ اور ایک دوسرے کو بُرے القاب سے نہ پکارو۔ ایمان لانے کے بعد کسی کا برا نام رکھنا گناہ ہے اور جس نے (ان) گناہوں سے) توبہ نہ کی تو یہی لوگ ظالم ہیں۔“

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ تمام اہل ایمان کو ان احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

بدگمانی اور جاسوسی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱﴾﴾
 (۴۹/ الحجرات: ۱۲)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت سی بدگمانیوں سے اجتناب کرو۔ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم (کسی کی) جاسوسی نہ کرو اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پس تم اُسے ناپسند کرتے ہو۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔“
 خدو شفاء، خالق ارض و سماء اللہ جلّ و علا کیلئے ہے جو ساری کائنات کا معبود و مسجود ہے۔ وحدہ لا شریک اور قادر و قدیر ہے۔

لا تعداد و بے شمار درود سلام سید البشر، امام الرسل، ہادی کل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر جنہیں خالق کائنات نے رسول کائنات بنا کر معبود فرمایا اور اُن پر خود درود بھیج کر اہل ایمان کو درود پڑھنے کا حکم فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
 اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
 اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی
 اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

ربط آیات:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید کی سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کے اجتماعی، معاشرتی، اور انفرادی اصلاح کے اصول و ضوابط اور قوانین و احکام بیان فرمائے گئے ہیں اور جن امور سے اسلامی معاشرے میں فساد برپا ہوتا اور امن و سکون تباہ ہوتا ہے اُن سے منع کیا گیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے دوسرے رکوع میں اہل ایمان کے درمیان رشتہ اخوت کی مضبوطی اور بھائی چارے کی فضا قائم رکھنے کیلئے مسلمانوں کے باہمی معاملات میں جن چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے اُن میں سے تین امور کا تذکرہ گزشتہ خطبہ جمعہ میں کیا جا چکا ہے۔

① اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔

② کوئی مسلمان، دوسرے مسلمان پر طعنہ زنی نہ کرے۔

③ تمام اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کیلئے برے القاب استعمال نہ کریں۔

اجتماعی زندگی کے یہ وہ اعمال ہیں جن سے لوگوں کے درمیان چپقلش، عداوت، بغض، مخالفت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے رب العزت نے تمام اہل ایمان کو ان باتوں سے پرہیز کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اسی سورت کریمہ کی بارہویں آیت..... جو ہمارے خطبہ کا عنوان ہے..... میں مسلمان معاشرے کو امن و محبت اور الفت و رافت کا گہوارہ بنانے کیلئے مزید تین چیزوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو یہ ہیں۔

① سوء ظن، بدگمانی اور کسی کے بارے میں برے تصورات و خیالات۔

② دوسرے مسلمان کے عیب اور گناہ تلاش کرنے کیلئے جاسوسی کرنا۔

③ ایک دوسرے کی غیبت کرنا اور چغلی کھانا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان و انعام کی بدولت آج دو ممنوعات یعنی سوء ظن اور جاسوسی کی ممانعت کے بارے میں قرآن و حدیث کے احکام و مسائل بیان کرنے کی کوشش کی جائے اور غیبت کی مذمت کا موضوع ان شاء اللہ العزیز آئندہ بیان کیا جائے گا۔ اللہ رحیم و کریم ہم سب کو قرآنی احکام اور رسول اکرم ﷺ کے ارشادات پر عمل کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

ظن کا قرآنی مفہوم:

سورة الحجرات کی اس آیت کریمہ میں مومنوں، مسلمانوں اور رسول اکرم ﷺ کے اہمتیوں کو حکم دیا گیا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾

”اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے اجتناب کرو۔“

یعنی زیادہ ”ظن“ سے پرہیز و اجتناب کرو اور بدگمانیوں سے بچنے کی کوشش کرو، لہذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے ”ظن“ کا معنی اور مفہوم واضح کر دیں تاکہ اس قرآنی حکم کی تفہیم میں آسانی ہو جائے۔

ہمارے خیال میں اللہ تعالیٰ کی آخری مقدس و لاریب کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں ”ظن“ کا لفظ پانچ معانی میں استعمال فرمایا گیا ہے۔ ہم بتوفیق اللہ تعالیٰ وہ پانچوں قرآنی آیات مع ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تاکہ ”ظن“ کا قرآنی مفہوم واضح ہو جائے۔

① یقین:

اللہ رب العزت نے اپنے نیک، صالح، فرماں بردار اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے والوں کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿الَّذِينَ يُظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (البقرة: ۴۶)

”جو لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرنے والے ہیں اور

اُسی کی طرف لوٹ کر واپس جانے والے ہیں۔“

اس آیت مبارکہ میں ”يُظُنُّونَ“ کا معنی ”يُوقِنُونَ“ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی شان میں حاضری کا یقین رکھنے والے ہیں۔ یہاں ظن بمعنی یقین استعمال ہوا ہے۔

② شک:

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیا ہے۔ اللہ

سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اُن کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝﴾ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

”اور انہوں نے نہ انہیں قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا اور لیکن یہ معاملہ اُن کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا وہ خود بھی شک میں مبتلا ہیں اور انہیں حقیقت کا کوئی علم نہیں، وہ تو صرف ظن یعنی شک کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔“

ان الفاظ قرآنی میں ”ظن“ بمعنی شک ہی استعمال ہوا ہے۔

③ خیال:

اللہ تعالیٰ نے اپنی معتبر اور مستند کتاب قرآن مجید فرقانِ حمید کے چوبیسویں بارے میں اس امر کا تذکرہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن گناہ گاروں، نافرمانوں اور مجرموں کے جسمانی اعضاء اُن کے خلاف گواہی دیں گے اور جب جرائم پیشہ لوگ اپنے اعضاء کی گواہی پر حیرانی اور تعجب کا اظہار کریں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ:

﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَرُونَ ۚ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ ۚ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۚ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾

(خم السجدة: ۲۲، ۲۳)

”اور (گناہ کے وقت) تم اس سے نہیں چھپتے تھے کہ کہیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے ہی تمہارے خلاف گواہی نہ دے دیں بلکہ تم تو یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اکثر کرتوتوں کو جانتا ہی نہیں ہے۔“

تمہارے اسی خیال جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں خیال کیا۔ نے تمہیں ہلاک کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے۔“

ان آیات طیبات میں ”ظن“ کا لفظ خیال و گمان کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

④ جھوٹ:

قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں شرک کی تردید و مذمت کی گئی اور واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل شرک کے پاس شرک کی تائید میں کوئی ٹھوس، مضبوط اور سچی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ مشرکین محض اٹکل پچو اور جھوٹ سے اپنا کام چلا رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں کے نام خود ہی تجویز کر رکھے ہیں اور یہ محض جھوٹ و افتراء کی پیروی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْبَاءٌ سَيْتُهُنَّ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰى الْأَنفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدٰى ۖ﴾ (۵۳/ النجم: ۲۳)

”یہ تو بس نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ تو محض ظن (جھوٹ) کی پیروی کر رہے ہیں یا اُس چیز کی جو اُن کے دل چاہتے ہیں اور البتہ تحقیق اُن کے پاس اُن کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں ”ظن“ بمعنی جھوٹ آیا ہے۔

⑤ وہم اور بدگمانی:

قرآنی آیات بینات میں ”ظن“ کا پانچواں معنی ”وہم اور بدگمانی“ ہے یعنی کسی کے بارے میں بدظنی اور بدگمانی کا شکار ہو جانا ہے جسے ”سوء ظن“ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱۲)

”اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے اجتناب کرو بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور تم کسی کی جاسوسی بھی نہ کرو۔“

ان تمام قرآنی آیات میں ”ظن“ کے جو مفاہیم بیان فرمائے گئے ہیں۔ اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”کسی چیز کی علامات سے حاصل ہونے والے نتیجہ کو ”ظن“ کہا جاتا ہے۔ اگر علامات قوی ہوں تو ”ظن“ علم اور یقین کے معنی دیتا ہے۔ ظن کا معنی وہم اور شک بھی ہے۔ پھر وہم اور یقین کے درمیان، شک اور گمانِ غالب کے بھی درجے ہیں۔ اور ظن کا لفظ ان سب معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔“

(ملخص از مترادفات القرآن، ص: ۷۷۱ مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ)

بدگمانی کی ممانعت:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانی زندگی کو خوش گوار، با مقصد اور پر امن بنانے کے لیے بکثرت بدگمانی، سوء ظنی اور وہم سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اگر خدا نخواستہ کوئی شخص وہم و گمان اور سوء ظن کا عادی ہو جائے تو اُس کی زندگی اجیرن، مشکل اور بے سکون ہو جائے گی۔ مثلاً دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے ہوں اور یہ صاحب خیال کریں کہ ہونہ ہو یہ لوگ تو میرے خلاف ہی سازش کر رہے ہیں۔ میرے بارے میں ہی باتیں ہو رہی ہیں اور مجھے ہی نقصان پہنچانے کا منصوبہ تیار ہو رہا ہے..... آپ سوچیں کہ کیا ایسے شخص کو کبھی ذہنی سکون میسر آ سکتا ہے؟ کسی کو ہنستے ہوئے دیکھا تو بدگمان ہو گئے کہ یہ تو میرا ہی مذاق اڑا رہا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ ایسے وہی انسان کی حالت کیا ہو جائے گی؟ اور وہ کیسی بے قراری، بے سکونی اور بے چینی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اُسے دن کو اطمینان حاصل ہو گا نہ رات کو..... اُسے خلوتِ راس آئے گی نہ جلوت..... وہ بھری محفل میں بھی تنہائی کا شکار ہو گا..... اور اُس کے سر پر ہر وقت بدگمانی کا بھوت سوار رہے گا..... ایسا انسان اپنوں پر اعتماد کرے گا نہ بیگانوں پر..... اُسے دوستوں پر یقین آئے گا نہ دشمنوں پر..... اور وہ واقفوں اور ناواقفوں سے ہر وقت نالاں ہی رہے گا۔ اس لیے اللہ رب العالمین نے اپنے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرماں

برداروں کو حکم دیا کہ ”تم بہت زیادہ بدگمانیوں سے بچنے کی کوشش کیا کرو کیونکہ بعض بدگمانیاں گناہ بن جاتی ہیں۔“

ایک دوسرے پہلوئے بدگمانی اور سوء ظنی کے نقصانات کا اندازہ فرمائیں کہ اکثر بدگمانی کرنے والا اور اپنی بدگمانی کے مطابق افواہیں پھیلانے والا معاشرے کا کتنا بڑا مجرم ہے۔ مثلاً بدگمانی کا مریض اپنے خیالِ باطل کے مطابق کسی عورت اور مرد کے ناجائز تعلقات کی خبر پھیلا دیتا ہے۔ دو خاندانوں اور برادر یوں کے مابین عداوت اور دشمنی کا شوشہ چھوڑ دیتا ہے یا کسی کے سود خور، جواری اور رشوت خور ہونے کی تشہیر کر دیتا ہے۔ جبکہ حقیقت میں صورتِ حال ایسی نہ ہو تو ایسا شخص مسلمان معاشرے کے لیے کتنی تکلیف، اذیت اور پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسے غیر ذمہ دار شخص کی پھیلائی ہوئی افواہوں کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جاتے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی اس آیت طیبہ میں اس قسم کی بدگمانی، سوء ظنی اور وہم و خیال پر مبنی باتوں کو ممنوع، ناجائز اور حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا﴾

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ بہت زیادہ بدگمانیوں سے اجتناب کیا کرو یقیناً بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے عیوب تلاش کرنے کے لیے جاسوسی بھی نہ کیا کرو۔“

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبانِ نبوت سے اپنے امتیوں کو بدگمانی سے منع فرمایا اور آپس میں اخوت و محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا))

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا.....)

”بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہوتی ہے اور کسی کے عیب تلاش نہ کرو۔ اور کسی کے راز معلوم کرنے کے لیے جاسوسی نہ کرو اور محض قیمت بڑھانے کے لیے بولی نہ دو اور آپس میں حسد نہ کرو۔ اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور مشکل وقت میں کسی سے پیٹھ نہ پھیرو اور اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔“

رسول اکرم ﷺ کی ان ہدایت و تعلیمات کو ہمیشہ پیش نگاہ رکھنا چاہیے اور ان پر عمل کر کے اپنی حیات دنیوی اور اخروی کو خوش گوار بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات نبوی پر عمل پیرا ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

صحابی رسول سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے سوؤ ظن اور بدگمانی کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

ثَلَاثٌ لَا زِمَاتٍ لِأُمَّتِي: الطَّيْرَةُ وَالْحَسَدُ وَسُوءُ الظَّنِّ فَقَالَ رَجُلٌ وَمَا يُذْهِبُهُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ مِمَّنْ هُنَّ فِيهِ قَالَ إِذَا حَسَدْتَ فَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَإِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ وَإِذَا تَطَيَّرْتَ فَاْمُضِ..... رواه الطبرانی۔ (تفسیر ابن کثر؛ سورۃ الحجرات آیت: ۱۲)

”تین خصلتیں میری امت میں لازماً رہ جائیں گی۔ (۱) قال نکالنا۔ (۲) حسد کرنا۔ (۲) بدگمانی کرنا، ایک آدمی نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! ان کا تدارک کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب حسد کرے تو استغفار کرے اور جب بدگمانی پیدا ہو تو اُس پر یقین نہ کرے اور جب شکون لے تو اپنے کام سے نہ رُکے بلکہ اُسے پورا کرے۔“

کسی مسلمان کے بارے میں بلاوجہ بدگمانی کرنا گناہ کبیرہ، حکم الہی سے انحراف اور رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی ہے۔ لہذا ہر صاحب ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو سوؤ ظنی سے بچائے۔ بدگمانی سے اجتناب کرے اور اپنے قلب و ذہن کو بُرے اوہام و

خیالات سے محفوظ و مامون رکھے۔

اللہ تعالیٰ سے بدگمانی:

اہل علم نے سوء ظنی، بدگمانی اور وہم و خیال کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے بدگمانی۔ (۲) مسلمانوں سے بدگمانی۔

اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کی مختلف صورتیں ہیں جو ساری کی ساری ممنوع، ناجائز اور حرام

ہیں۔ مثلاً:

☆ کوئی شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بارے میں یہ گمان کرے کہ وہ مجھے کسی صورت معاف نہیں کرے گا کیونکہ میں بڑا گناہ گار، سیاہ اور خطار ہوں۔ اللہ رحیم و کریم کے متعلق ایسا خیال و گمان سراسر گمراہی، ضلالت اور بد عقیدگی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن حکیم میں اعلان فرما رہا ہے کہ اے میرے رسول ﷺ! آپ میری طرف سے اعلان فرمادیں کہ:

﴿يُعْبَادِي الَّذِينَ اسْرِفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝﴾ (الزمر: ۵۳)

”اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے (یعنی گناہ کیے ہیں) تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ یقیناً وہ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

”اہل شرک میں سے بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے کئی لوگوں کو قتل کیا اور وہ بکثرت زنا کرتے رہے تھے۔ آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کی دعوت تو بڑی خوب صورت ہے۔ اگر آپ ہمیں یہ فرمادیں کہ قبول اسلام ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا تو ہم قبول اسلام کے لیے تیار ہیں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۃ فرقان کی آیت نمبر ۶۸ اور سورۃ زمر کی یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الزمر)

قرآن حکیم کی سینکڑوں آیات اور رسول اکرم ﷺ کے بیسیوں فرمودات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی، بدگمانی اور بدظنی سے منع فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ نے اس مسئلہ کی وضاحت مختلف مثالوں کے ذریعے فرمائی ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم صرف ایک حدیث مبارکہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے افراد کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ پھر (اُسے ندامت ہوئی تو اُس نے مسئلہ پوچھنے کے لیے) کسی بڑے عالم کے بارے میں معلومات حاصل کیں، ایک پادری کی طرف اُس کی راہنمائی کی گئی۔ چنانچہ وہ قاتل اُس پادری کے پاس آیا اور اُسے بتایا کہ میرے ہاتھوں ننانوے افراد قتل ہو چکے ہیں۔ فَهَلْ لِّي مِنْ تَوْبَةٍ؟ تو کیا اب میری توبہ کی کوئی صورت ہے؟ (شاید وہ پادری بھی ہمارے آج کے بعض مولویوں کی طرح کم علم، خشک مزاج اور سڑیل طبیعت ہوگا) اُس نے فوراً جواب دیا ”نہیں“ (تمہاری توبہ کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ جیسے ہماری پنجابی زبان کا محاورہ ہے ”نوسو چوہا، کھا کے بلی جج نوں چلی“) تو اُس قاتل نے پادری کی گردن پر تلوار ماری اور اُسے بھی قتل کر کے سو کی گنتی پوری کر دی۔ چونکہ وہ دل و جان سے توبہ کا متمنی اور خواہش مند تھا۔ لہذا اُس نے پھر لوگوں سے کسی بڑے عالم کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے اُسے ایک بہت بڑے عالم کے پاس بھیج دیا (جو واقعی صاحب علم و حلم اور تجربہ کار عالم تھا) اُس آدمی نے اُس عالم صاحب کو آگاہ کیا کہ مجھ سے سو آدمی ناحق قتل ہو چکا ہے۔ کیا اب میری توبہ کی کوئی شکل بن سکتی ہے؟ اُس صاحب علم نے جواب دیا کہ ہاں۔ جب تم توبہ کا پختہ عزم کر چکے ہو تو مَنْ يَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ التَّوْبَةِ۔ اور تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ تم ایسا کرو کہ فلاں سر زمین میں چلے جاؤ،، کیونکہ فَإِنَّ بِهَا أَنْاسًا يَعْبُدُونَ اللَّهَ تَعَالَى فَأَعْبُدِ اللَّهَ تَعَالَى مَعَهُمْ وَلَا تَرْجِعْ إِلَى أَرْضِكَ فَإِنَّهَا أَرْضٌ

سُوء۔ وہاں کے لوگ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہیں۔ تم بھی اُن کے ساتھ رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنی سر زمین کی طرف لوٹ کر نہ آنا کیونکہ یہ برے لوگوں کی سر زمین ہے۔ چنانچہ وہ شخص وہاں سے اُس علاقے کی طرف چل پڑا جس کی نشان دہی عالم صاحب نے کی تھی۔ ابھی اُس نے نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ اُس پر موت واقع ہو گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ۔ اب اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا ”یہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دل سے توبہ کے لیے جا رہا تھا (اس لیے اس کی روح ہم لے کر جائیں گے) اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ ”إِنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ۔ اس نے تو کبھی نیکی کا کوئی کام کیا ہی نہیں تھا۔“ ابھی وہ بحث و تکرار کر رہی رہے تھے کہ ایک اور فرشتہ وہاں آ گیا تو رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے اُسے ثالث تسلیم کر لیا۔ اُس نے دونوں قسم کے فرشتوں کی گفتگو اور دلائل سن کر فیصلہ دیا کہ یہ شخص جہاں سے آیا اور جہاں جا رہا تھا۔ دونوں مقامات کے فاصلے کو ناپ لیا جائے فَالِیْ اَیْتِهِمَا اَذْنٰی فَهُوَ لَکَ پس یہ شخص جس علاقے کے زیادہ قریب ہوگا، اُس کے مطابق اس کے انجام کا فیصلہ کیا جائے گا۔ فرشتوں نے اس فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے دونوں طرف کی مسافت کو ناپا تو وہ نیک لوگوں کی بستی کے قریب تھا لہذا قَبَضَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ۔ اس کی روح کو رحمت کے فرشتے لے گئے۔“ (صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب قبول توبۃ القاتل)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب فیصلہ کے مطابق دونوں فاصلوں کا اندازہ لگایا جانے لگا تو

فَاَوْحٰی اللّٰہُ اِلَیْ ہٰذِہٖ اَنْ تَقَرَّبَیْ وَاَوْحٰی اِلَیْ ہٰذِہٖ اَنْ تَبَاعَدِیْ
وَقَالَ قَیْسُوْا مَا بَیْنَهُمَا فَوُجِدَ اِلَیْ ہٰذِہٖ اَقْرَبَ بِشَبْرِ فَغْفِرَ لَہٗ۔
(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء)

”اللہ تعالیٰ نے اُس بستی کی طرف والی زمین کو حکم دیا جس کی طرف وہ جا رہا تھا کہ تو قریب ہو جا اور جس طرف سے آ رہا تھا اُس زمین کو حکم دیا کہ تو دور ہو جا پھر فرشتوں سے فرمایا کہ اب ان دونوں کے درمیانی فاصلے کی پیمائش کرو۔ جب پیمائش کی گئی تو جس بستی کی طرف وہ جا رہا تھا اس طرف کی زمین اُس کی لاش کے ایک بالشت قریب نکلی تو اُسے بخش دیا گیا۔“ سبحان اللہ۔

یہ حدیث مبارکہ ہمیں سبق دیتی ہے کہ انسان کو کسی حالت اور کسی صوت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اُس سے بدگمان و بدظن نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اچھی اُمید رکھنی چاہیے جو مولائے کریم ۱۰۰ آدمیوں کے قاتل کی مغفرت پر قادر ہے وہ ہم جیسے گناہ گاروں اور سیاہ کاروں کے گناہوں کو بھی ضرور معاف فرمائے گا بشرطیکہ اُس سے معافی کی درخواست کی جائے۔ اُس کا درتوبہ کھٹکھٹایا جائے اور اُس سے مغفرت و بخشش کا سوال کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کی دیگر صورتیں:

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدظنی اور بدگمانی کی کئی دیگر صورتیں بھی ہیں مثلاً کوئی مریض، بیمار، لاچار اور لاغر شخص اپنی طویل علالت کی بناء پر رب العزت سے مایوس ہو جائے کہ اُسے کبھی شفا حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو ساری عمر بستر پر ہی ایڑیاں رگڑتا رہے گا اور اسی حالت میں موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ ایسے مریضوں اور بیماروں کی تسلی اور تشفی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سیدنا ایوب علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ بارہ یا دس سالہ طویل بیماری کے بعد اُن کے لیے پانی میں شفاء پیدا فرمادی۔ لہذا کسی مسلمان مریض کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بدظنی کا شکار ہو کر شفاء سے مایوس ہو جائے۔

اگر اللہ ارحم الراحمین نے کسی شادی شدہ جوڑے کو اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کی بناء پر ابھی تک اولاد جیسی نعمت عطاء نہیں فرمائی اور اُن کی گود بچے سے خالی ہے تو ایسے بے اولادوں کو مایوسی، سوء ظنی اور بدگمانی سے بچانے کے لیے قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور

جناب زکریا علیہ السلام کے واقعات بیان فرمائے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ضعف پیری، کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود اسی ۸۰ سال سے زائد عمروں میں اولاد نصیب فرمائی۔ جو رحیم و کریم جناب ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے کی عمر میں اسماعیل علیہ السلام جیسا فرزند اور سیدنا زکریا علیہ السلام کو جناب یحییٰ علیہ السلام جیسا صاحبزادہ عطاء فرما سکتا اور عطاء فرما دیتا ہے، کیا وہ آج کے بے اولادوں کی جھولیاں اپنی رحمت کی بدولت آباد نہیں کر سکتا۔ یقیناً کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ اس لیے بے اولاد خواتین و حضرات کو زندگی کے کسی حصہ میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں بدگمان نہیں ہونا چاہیے اور علاج معالجہ کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کے حضور دعاؤں اور التجاؤں کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔

کسی تنگ دست، محتاج، غریب، فقیر اور مالی بد حالی کے شکار مومن کو بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ رحمت الہی سے مایوس اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدگمانی کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہنا شروع کر دے کہ میرے دن تو کبھی بدل ہی نہیں سکتے۔ میری قسمت میں تو دھکے ہی دھکے ہیں۔ غربت و افلاس ہی میرا مقدر ہے اور میں تو ہمیشہ محتاج و مفلس ہی رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو میرے لیے فقر و افلاس لکھ رکھا ہے۔ اس قسم کے جذبات کا اظہار کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے بدگمان اور بدظن ہونے کی بجائے اُس سے پر امید رہنا اور اللہ تعالیٰ سے حُسن ظن رکھنا چاہیے کہ جس ذات الہی نے اپنے غریب و تنگ دست بندے جناب ایوب علیہ السلام کی مالی بد حالی کو خوش حالی میں تبدیل کرنے کے لیے آسمان سے سونے کی ٹڈیوں کی بارش برسادی تھی۔ وہ مولائے کریم مجھ پر بھی کرم و فضل فرمائے گا اور میری معاشی پریشانیوں کو دور کر کے خوشحالی اور فراوانی نصیب فرمائے گا۔

”مختصر یہ کہ کسی مومن کامل کے لیے قطعاً روا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدظنی اور بدگمانی کرے۔ بلکہ اُسے چاہیے کہ ہمیشہ ذات الہی سے بہتری کی امید رکھے، اللہ کریم کے متعلق حُسن ظن رکھے اور کسی حال میں بھی مایوسی اور ناامیدی کا اظہار نہ کرے۔ یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہونا ”بدترین بدگمانی“ ہے لہذا ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق حُسن ظن رکھیں۔“

صحابی رسول سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفاتِ حشرِ آیات سے تین دن قبل ارشاد فرمایا:

((لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ))

(احکام القرآن للجصاص جلد ۳ سورۃ الحجرات)

”تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ عزوجل کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو۔“

یعنی ہر مسلمان کو عمر بھر اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہیے کہ استغفار و توبہ کے بعد ذات باری تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرما دے گا، میری پریشانیاں دور فرما دے گا۔ میری مشکلات حل فرما دے گا۔ میری بیماریاں ختم فرما کر مجھے شفاء عطاء فرما دے گا اور میری بد حالی کو خوشحال میں تبدیل فرما دے گا۔ میرا کام دعا کئے جانا، حسب استطاعت گناہوں سے پرہیز کرنا اور اُس سے بھیک مانگے جانا ہے۔

گمان کے مطابق سلوک:

اللہ رب العالمین سے حسن ظن رکھنا، اچھا گمان کرنا اور بہتر سلوک کی توقع رکھنا ہر صاحب ایمان کیلئے لازمی اور ضروری ہے۔ کیونکہ احادیث مبارکات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بندہ، اللہ تعالیٰ کے بارے میں جیسا گمان رکھتا ہے، رب العزت اُس سے ویسا ہی سلوک فرماتا ہے، اگر کوئی شخص خالق کائنات کے متعلق سوء ظن رکھے، بدگمانی کرے اور بُرے سلوک کی اُمید رکھے تو یقیناً اللہ سبحانہ و تعالیٰ اُس بد نصیب کے ساتھ اُس کی حسب منشاء ہی رویہ اپنائے گا اور اگر کوئی سعادت مند رب السماوات والارض سے مغفرت، معافی، بخشش، رحمت اور جنت کی اُمید رکھے، ذات الہی کے بارے میں حسن ظن اور خوش گمانی کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے رحمتوں سے نوازے گا، اُس کے گناہ معاف کر دے گا اور اُسے جنت کا داخلہ عطاء فرما دیا جائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ

ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرْنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِيرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً))

(صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ و یحذرکم اللہ نفسہ)

”میں اپنے بندے کے ساتھ اُس کے گمان کے مطابق ہی معاملہ کرتا ہوں۔ وہ مجھے جب بھی یاد کرتا ہے تو میں اُس کے پاس ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے اس سے بہتر (فرشتوں کی) مجلس میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اُس کے قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں دو ہاتھ اُس کے قریب آ جاتا ہوں اور اگر وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اُس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔“

یہ حدیث قدسی اس امر پر نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ اپنے بارے میں اُس کے گمان، خیال اور تصور کے مطابق ہی سلوک فرماتا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے امام الرسل ﷺ نے پچھلی اُمّتوں میں سے ایک شخص کا سچا واقعہ اپنی زبان نبوت گے بیان فرمایا۔ چنانچہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”ایک شخص نے بہت زیادہ گناہ کیے تھے۔ آخر اُس نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور عرض کی: ((رَبِّ اَذْنِبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْ)) اے میرے پروردگار! میں بڑا گناہ گار اور عرض گزار ہوں کہ مجھے معاف فرمادے۔ اللہ کریم نے اُس کی دُعا سن کر فرمایا: ((عَلِمَ عَبْدِي اَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِهِ))۔ میرا بندہ جانتا ہے کہ اُس کا کوئی رب ہے جو اُس کے گناہوں کو معاف کرنے اور سزا دینے کا اختیار رکھا ہے۔ (چونکہ اُس نے میرے بارے میں اچھا گمان کیا ہے لہذا) میں نے اپنے بندے کو معاف فرمادیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ

ہم سب کے بھی سارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین

آپ ﷺ نے فرمایا: پھر جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ شخص گناہوں، نافرمانیوں اور غلطیوں سے باز رہا۔ ثُمَّ أَصَابَ ذَنْبًا کَچھ عرصہ بعد اُس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا (پھر اُسے ندامت ہوئی اور اللہ رحیم و کریم کا فضل و کرم یاد آیا تو) اُس نے دربارِ الہی میں عرض کی: رَبِّ اَذْنِبْتُ آخَرَ فَاعْفِرْهُ اے میرے رب! مجھ سے دوبارہ گناہ ہو گیا ہے۔ مہربانی فرما کر اسے بھی معاف فرما دے۔ (رحمتِ الہی جوش میں آئی) ارشاد فرمایا۔ میرے بندے کو بخوبی علم ہے کہ اُس کا کوئی رب ہے جو اُسے معاف کرنے اور سزا دینے پر قادر ہے۔ میں نے اپنے بندے کو اُس کی خوش گمانی اور خوفِ الہی کے باعث معاف فرما دیا ہے۔ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ۔ پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ وہ گناہوں سے دور رہا۔ کچھ عرصہ بعد پھر اُس سے گناہ سرزد ہو گیا تو اُس نے تیسری بار درِ توبہ پر دستک دی اور دربارِ الہی میں عرض کی۔ اے میرے پروردگار! مجھ سے پھر غلطی ہو گئی ہے۔ (میں تیری رحمت کی اُمید کے سہارے پھر حاضر ہوں) مجھے معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے (اُس کے حسن ظن، اُمید اور اچھے گمان کی قدر کرتے ہوئے) اُسے تیسری مرتبہ بھی معاف فرما دیا۔“

(صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ پریدون ان یبدلوا کلام اللہ)

یہ حدیث مبارکہ ہمیں سبق دیتی ہے کہ کسی موحد مسلمان کے لائق نہیں کہ وہ زندگی کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ سے مایوس، بدگمان اور نا اُمید ہو۔ بلکہ اُسے ہمیشہ اپنے خالق و مالک کے بارے میں خوش گمان اور پر اُمید رہنا چاہیے۔ قرآن کریم کے تیرہویں پارے کی آیت ہے:

﴿وَلَا تَآيَسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ ۚ إِنَّهُ لَا يَآيَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ

الْكَافِرُونَ ۝﴾ (یوسف: ۸۷)

”اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔“

سیدنا یعقوب علیہ السلام کی خوش گمانی:

سورۃ یوسف کے یہ بابرکت الفاظ دراصل سیدنا یعقوب علیہ السلام کا وہ ناصحانہ حکم ہے جو انہوں نے اپنے صاحبزادوں کو جناب یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائی بنیامین کی تلاش کے لیے روانہ کرتے وقت فرمایا تھا۔ جناب یوسف علیہ السلام کو بچپن میں جو خواب آیا تھا کہ ”گیارہ ستارے اور چاند و سورج انہیں سجدہ کر رہے ہیں“ کی بناء پر اُن کے والد گرامی جناب یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ اُن کے بیٹے ”یوسف“ زندہ ہیں لیکن انہوں نے اس راز کو راز ہی رکھا اور کسی کو آگاہ فرمانا مناسب نہ سمجھا، مگر دوسری طرف انہیں اندر ہی اندر یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ نامعلوم یوسف کس حال میں ہے؟ کہاں ہے؟ اور کس کے پاس ہے؟

جب برادرانِ یوسف، بنیامین کو بھی مصر میں چھوڑ آئے تو سیدنا یعقوب علیہ السلام کے غم و اندوہ میں مزید اضافہ ہو گیا اور اُن کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے..... ﴿يَا سَفَى عَلَى يَوْسُفَ﴾ ہائے! میرا یوسف۔ اور فراقِ یوسف میں رورو کر اُن کی بیٹائی جاتی رہی اور بیٹے کی جدائی کے صدمے سے نڈھال اور بے حال ہو گئے۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (۱۲/ یوسف: ۸۴)

”اور اُن کی آنکھیں غم سے بے نور ہو گئیں تھیں اور وہ کرب سے بھرے ہوئے تھے۔“

باپ کی زبان سے یہ آہ و فغان سن کر اور اُن کے غم و حزن کی کیفیت کو دیکھ کر برادرانِ یوسف کو باپ پر ترس نہ آیا بلکہ الٹا انہیں طعن و ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے۔ جناب! آپ اس قصہ غم کو بھولتے کیوں نہیں۔ چھوڑیے یوسف کے غم فراق کو اور فراموش کر دیجئے اب صاحبزادے کو۔ قرآن حکیم اُن کے الفاظ ذکر فرماتا ہے:

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتَوْا تَذْكُرُ يَوْسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ﴾ (۱۲/ یوسف: ۸۵)

”انہوں نے کہا، اللہ کی قسم! آپ تو یوسف کو ہی یاد کرتے رہیں گے یہاں تک

کہ آپ غم سے گھل جائیں یا ہلاک ہو جائیں۔“

مغموم باپ نے اپنے بیٹوں کو جواب دیا کہ میں تمہیں تو کچھ نہیں کہتا۔ تم نے تو جو کرنا تھا،

کر لیا۔ میں تو اپنا غم اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر رہا ہوں، اُسی سے صبر کی توفیق مانگ رہا ہوں اور آج میں یہ راز افشاء کر رہا ہوں کہ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ ”میرا یوسف زندہ“ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کے تحت مجھ سے دور کر دیا ہے۔ قرآن مجید سیدنا یعقوب علیہ السلام کے الفاظ بیان فرماتا ہے:

﴿قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَلَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

(۱۲/ یوسف: ۸۶)

”اُنہوں نے فرمایا کہ میں تو اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“

اس صورتِ حال کی وضاحت کے بعد سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ! یوسف اور اُس کے بھائی بنیامین کو تلاش کرو، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ”میرا فرزند زندہ ہے۔“ تم اگر دیانتداری اور محنت سے تلاش کرو گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً کوئی راستہ پیدا فرما دے گا۔ ابھی خوابِ یوسف کی تعبیر باقی ہے۔ اس لیے تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور نا اُمید نہ ہونا، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت کے سہارے میرے پیارے یوسف کو تلاش کرنا تمہارا کام ہے اور میری اُس سے ملاقات کروانا میرے اللہ کریم کا کام ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ جناب یعقوب علیہ السلام نے کہا:

﴿يَبْنِي إِذْ هَبُوا فَيَحْسِسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْيِسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ

إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝﴾ (۱۲/ یوسف: ۸۷)

”اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی (بنیامین) کو تلاش کرنے کی سر توڑ کوشش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔“

حضرات! سیدنا یعقوب علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس خوش گمانی، اُمید اور حسن ظن کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یوسف و بنیامین سے ملاقات بھی کروادی، فراق کو وصال میں بدل دیا اور جناب یعقوب علیہ السلام کا سارا خاندان عزت و احترام اور توقیر و تعظیم

کے ساتھ مصر میں آباد ہو گیا۔

اس واقعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ بحیثیت مسلمان ہمیں کسی صورت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل و کرم اور مہربانیوں سے مایوس اور نا اُمید نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر لمحہ، ہر لحظہ اور ہر آن اس ذاتِ رحیم و کریم سے پر اُمید اور خوش گمان رہنا چاہیے۔ قرآن حکیم کے چودھویں پارے میں اللہ رب العزت نے سیدنا یعقوب علیہ السلام کے جد محترم جناب ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ذکر فرمایا ہے کہ:

﴿قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۝﴾ (۱۵/ الحجر: ۵۶)

”انہوں نے کہا: اپنے پروردگار کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔“

مشرکوں کی بدگمانی:

اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات، کمالات اور عبادات میں کسی دوسرے کو شریک، سہیم اور حصہ دار بنانے والے کو ”مشرک“ کہا جاتا ہے۔ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو مشرک انسان بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بدگمانی اور سوء ظن کا شکار ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اکیلا اللہ تعالیٰ میرے تمام مسائل حل نہیں کر سکتا، میری مشکلات دور نہیں کر سکا، مجھے وافر رزق عطاء نہیں فرما سکتا، مجھے اولاد جیسی نعمت نہیں دے سکتا اور اکیلا اللہ رحیم و کریم میرے سارے کام نہیں کر سکتا لہذا مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں اور خداؤں کی بھی ضرورت ہے۔ یا پھر مشرک کا گمان یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی دنیاوی حکمرانوں اور بادشاہوں کی طرح ایک حاکم اور بادشاہ ہے۔ اُس تک رسائی کے لیے سفارشیوں اور وسیلوں کی ضرورت ہے اور وہ سفارشی ایسا مضبوط اور اللہ تعالیٰ کا قریبی ہونا چاہیے جس کی سفارش وہ رد نہ کر سکے اور سفارشی بالاصرار اللہ تعالیٰ سے ہمارا کام کروادے۔ بعض مشرکوں کا تصور یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی عظیم ذات ہے اور ہم گناہ گار و سیاہ کار ہیں لہذا اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی بڑائی اور کبریائی کے باعث ہم خطا کاروں کی دُعاؤں اور التجاؤں کی طرف توجہ نہیں فرماتا اس لیے اُس ذاتِ عظیم کی نظر التفات کے لیے بھی ہمیں ایسے سفارشیوں کی ضرورت ہے جو قرب الہی کے مقام پر

فائز ہوں اور وہ ہماری ضروریات و حاجات کو دربارِ الہی میں پیش کر کے اُن کی تکمیل کروا سکیں۔
 اِن مقاصد کے حصول کی خاطر مشرک انسان بزرگ ہستیوں، نیک لوگوں اور عظیم
 انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیتا ہے اور اپنی طرف سے ہی اُن کے بعض نام تجویز کر لیتا
 ہے۔ حالانکہ اُس کے پاس شرکیہ عقائد کی کوئی نقلی اور عقلی دلیل نہیں ہوتی اور نام نہاد باطل معبود
 بھی اُس کے اپنے تراشیدہ اور مقرر کردہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ستائیسویں
 پارے میں مشرکوں کی اسی بدگمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتَهُنَّ أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ
 سُلْطٰنٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوٰی الْأَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ
 رَبِّهِمُ الْهُدٰی ۖ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنٰی ۚ ۝۱۳۱ فِیْلِهِ الْآخِرَةُ ۚ وَالْأُولٰٓئِی ۚ ۝۱۳۲﴾

(۵۳/ النجم: ۲۵۲-۲۵۳)

”یہ تو صرف چند ایسے نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے
 ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ یہ (مشرک)
 لوگ تو صرف ظن (بدگمانی) کی پیروی کر رہے ہیں یا پھر اُس چیز کی جو اُن کے
 دل چاہتے ہوں اور البتہ تحقیق اُن کے پاس اُن کے پروردگار کی طرف
 سے ہدایت آچکی ہے۔ کیا انسان کی ہر تمنا پوری ہو سکتی ہے؟ آخرت اور دنیا کے
 تمام اختیارات کا مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔“

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ حیران کن بات عیاں ہوتی ہے کہ مشرکین عرب اس امر
 کے قائل تھے کہ:

- ☆ ہمیں رزق دینے والا۔ ☆ آنکھوں کو بصارت عطاء فرمانے والا۔
- ☆ کانوں کو سماعت بخشنے والا۔ ☆ بارش برسانے والا۔
- ☆ فصلیں اُگانے والا۔ ☆ زمین و آسمان تخلیق فرمانے والا۔
- ☆ زمین میں نہریں چلانے والا۔ ☆ پہاڑوں کو پیدا کرنے والا۔
- ☆ ہواؤں کو چلانے والا۔ ☆ دن اور رات تبدیل فرمانے والا۔

☆ کائنات کی تدبیر کرنے والا۔ ☆ سارے جہان کو پالنے والا۔

صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اس اقرار، اعتراف اور اظہار کے باوجود وہ ”توحید عبادت“ میں شرک کا ارتکاب کرتے اور اپنے باطل معبودوں کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان مشرکین مکہ سے استفہامیہ اور سوالیہ انداز میں پوچھا ہے کہ جب تم ”توحید ربوبیت“ کے قائل ہو تو توحید الوہیت کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے کیوں تیار نہیں ہو؟ پھر اس سوال کا خود ہی جواب ارشاد فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اختیارات و کمالات کے بارے میں محض بدگمانی اور سوء ظنی کا شکار ہیں، ورنہ اگر یہ اس حقیقت پر معمولی غور کر لیں کہ جب مالک الملک..... متصرف الامور۔ خالق کائنات۔ رازق حقیقی اور رب السماوات والارض اللہ تعالیٰ ہے تو پھر ہر قسم کی عبادت بھی صرف اور صرف اُسی کا استحقاق ہے۔ توحید ربوبیت کا تقاضا ہے کہ عبادت بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی کی جائے اور یہی بات حق، سچ اور درست ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اُس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرو گے تو سراسر ضلالت، جہالت اور حماقت ہوگی۔

آئیے! قرآن حکیم کے صرف ایک مقام کی تلاوت اور ترجمے پر غور کرتے ہیں، فرمانِ الہی ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ
وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ
فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا
بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۚ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ۝ كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى
الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلْ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ
هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلْ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۚ أَفَسَوْفَ
يُهْدَىٰ إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدَىٰ إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ ۚ فَمَا لَكُمْ
كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ

شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٨٠﴾ (۱۰/یونس: ۳۶ تا ۳۱)

”(اے رسول ﷺ) آپ ان (مشرکوں) سے پوچھیے کہ: آسمانوں اور زمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو سماعت اور بصارت کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کائنات کا نظام کون چلا رہا ہے؟ تو وہ فوراً کہیں گے کہ ”اللہ“ پھر اُن سے فرمائیے کہ تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ پس حق کے بعد سوائے گمراہی کے کیا رہ جاتا ہے؟ تو تم کہاں پھیرے جا رہے ہو؟ اسی طرح نافرمانوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو گئی کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (اے رسول ﷺ) آپ اُن سے فرمائیے کہ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرے پھر اُسے دوبارہ بھی پیدا کر سکے؟ آپ فرما دیجئے کہ مخلوق کو پہلی بار اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے، پھر وہی اُسے دوبارہ پیدا کرے گا۔ پھر تم کہاں بہکائے جا رہے ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف راہنمائی کر سکے۔ آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ کیا پس جو حق کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے، وہ اتباع کا زیادہ حق دار ہے یا وہ جو خود ہدایت یافتہ نہیں ہے مگر یہ کہ اُسے راہ بتائی جائے پس تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ اور (حقیقت یہ ہے کہ) اُن میں اکثر لوگ گمان و خیال کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ گمان، حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اُن کے افعال کو پوری طرح جاننے والا ہے۔“

آپ ان آیات مبارکات کے ایک ایک لفظ اور اُس کے ترجمے پر غور فرمائیں کہ خالق ارض و سماء نے کیسی وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ مشرکوں کے پاس اپنے شرکیہ عقائد کو ثابت کرنے کے لیے کوئی مستند، قابل التفات اور لائق توجہ نقلی اور عقلی دلیل نہیں ہے۔ اُن کا اللہ تعالیٰ کو اختیاراتِ کلیہ کا مالک جاننے کے باوجود شرک کا ارتکاب کرنا

سوائے اٹکل پچو، قیاس اور بدگمانی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے دُنیا بھر کے مشرکین کو دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ اللہ رحیم و کریم کے بارے میں سوءِ ظنی اور بدگمانی کو ترک کر کے اُس کی توحید کے پرستار اور صرف ذاتِ واحد کے عبادت گزار بن جائیں۔

بدگمانی سے کفر تک:

ہر مسلمان کو ہمیشہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت، فضل، کرم، مہربانی اور عنایات اور نوازشات کے بارے میں پر اُمید، خوش گمان اور طالبِ خیر رہنا چاہیے اور کبھی اور کسی حالت میں بھی ذاتِ الہی کے بارے میں سوءِ ظنی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ بعض اوقات اللہ رب العزت کے متعلق بدگمانی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے بعض لوگوں کا گمان و خیال بلکہ پختہ نظریہ اور عقیدہ بن چکا ہے کہ فلاں ہستی کے عرس کے موقع پر بارش ضرور ہوتی ہے۔ فلاں بزرگ کے سالانہ پروگرام پر اندھیری چلتی ہے اور فلاں ذات کے میلے کے دن طوفان آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس طرح کے گمان، خیال اور توہمات انسان کو کفر و شرک میں مبتلا کر دیتے اور عقیدہ توحید سے دور کر دیتے تھے۔ آئیے! مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

صحابی رسول جناب زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر فجر کی نماز پڑھائی، جب کہ رات کو آسمان سے بارش نازل ہو چکی تھی۔ نماز فجر سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ہی کو علم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بَنِي وَكَافِرٌ۔ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بَنِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءٍ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بَنِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ)) (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء)

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے بعض کی صبح ایمان پر ہوئی اور

بعض کی کفر پر۔ جس نے کہا کہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی وجہ سے ہوئی ہے، وہ مجھ پر ایمان لایا اور تاروں کی تاثیر سے انکاری ہوا۔ اور جس نے کہا کہ بارش تو تاروں کی گردش سے ہوئی ہے تو اُس نے میرے ساتھ کفر کیا اور تاروں پر ایمان لایا۔“

یہ حدیث طیبہ بھی ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے کہ ہم اپنے عقائد و اعمال کا محاسبہ کریں اور اپنے روزمرہ کے معاملات اور معمولات کا جائزہ لیں کہ ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو بے خیالی میں ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو انہیں مسلمانی سے نکال کر کفر و شرک تک پہنچا دیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، غصہ اور غضب کا سبب بن جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کی سزا:

جو افراد و اشخاص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں بدگمانی کرتے، شرک کا ارتکاب کرتے، بدعات پھیلاتے اور بظاہر مسلمان کہلا کر اہل ایمان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، ایسے مشرکین و منافقین کو سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتُ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝﴾ (۴۸/۱ الفتح: ۶)

”اور عذاب دے گا اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بُرا گمان رکھتے ہیں، اُن پر ہی بُری گردش ہے۔ اور اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ اور اُس نے اُن پر لعنت فرمائی اور اُن کے لیے جہنم کو تیار کیا اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے متعلق بدگمانی کرنے والوں کے لیے چار قسم کے عذاب کی خبر دی گئی ہیں۔

① اُن پر بُری گردش ہے۔ یعنی منافقین و مشرکین اہل ایمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے یہ گمان کر رہے تھے کہ حدیبیہ کے مقام پر جانے والے صحابہ کرام مصائب و مشکلات

میں پھنس گئے ہیں اور اب ان آلام و مصائب سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے منافقین و مشرکین! میں نے تمہارا گمان و خیال غلط کر دکھایا ہے اور تم اہل ایمان، صحابہ کرام اور فقہاء رسول کے بارے میں جس بری گردش کا خیال کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بجائے تمہیں ہی اُس گردش میں مبتلا کر دیا۔

۶ھ میں نبی اکرم ﷺ جب چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا تو مدینہ کے منافقین اس بدگمانی کے باعث آپ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے کہ یہ لوگ بغیر ہتھیاروں کے اپنے دشمنوں یعنی مشرکین مکہ کی طرف جا رہے ہیں۔ اب یہ مارے جائیں گے اور زندہ سلامت واپس مدینہ نہیں آسکیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بدگمانی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَ الْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَ زَيْنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنًّا سَوْءًا وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝﴾
(۴۸/ الفتح: ۱۲)

”بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ اب رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان (صحابہ کرام) کبھی بھی اپنے گھر والوں کی طرف نہیں لوٹ سکیں گے۔ اور یہی گمان تمہارے دلوں میں مزین کر دیا گیا تھا۔ اور تم نے بہت ہی برا گمان کیا تھا اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو۔“

② اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے اور انہیں اپنے غضب کا مستحق قرار دے دیا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نے ایسے بد نصیبوں کو اپنی رحمت اور مہربانی سے محروم کر دیا اور اُن پر اپنی لعنت کا نزول فرمایا ہے۔

④ ایسے بدگمانوں کے لیے خالق کائنات نے جہنم کا عذاب پہلے تیار کر رکھا ہے کہ جو وہی انہیں موت آئے گی تو فوراً ہی انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اور جہنم کوئی اچھا مقام نہیں بلکہ انتہائی برا ٹھکانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بدظنی اور بدگمانی کی اسی قباحت کے پیش نظر اہل ایمان کو حکم دیا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا﴾

”اے ایمان والو! زیادہ بدگمانیوں سے اجتناب کرو۔ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، اور تم کسی کے عیوب تلاش کرنے کے لیے جاسوسی بھی نہ کرو۔“

بدگمانی کے اقسام اور احکام:

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اہل علم اور اصحاب فکر و نظر نے سوءِ ظنی اور بدگمانی کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں جن میں سے پہلی قسم ”اللہ تعالیٰ سے بدگمانی“ کی تفصیلات اور اس کی ممانعت و حرمت کے تفصیلی دلائل بیان کیے جا چکے ہیں۔ بدگمانی کی دوسری قسم ہے ”مسلمانوں سے بدگمانی“ اس کی تشریح و توضیح کے لیے ہم معروف مفسر اور مصنف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ تفسیر ”تفہیم القرآن“ سے ایک اقتباس پیش کرنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مطلقاً گمان کرنے سے نہیں روکا گیا ہے بلکہ بہت زیادہ گمان سے کام لینے اور ہر طرح کے گمان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اس حکم کو سمجھنے کے لیے ہمیں تجزیہ کر کے دیکھنا چاہیے کہ گمان کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی اخلاقی حیثیت کیا ہے:

ایک قسم کا گمان وہ ہے جو اخلاق کی نگاہ میں نہایت پسندیدہ اور دین کی نظر میں مطلوب اور محمود ہے، مثلاً اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے نیک گمان اور اُن لوگوں کے ساتھ حسن ظن جن سے آدمی کا میل جول ہو اور جن کے متعلق بدگمانی کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔

دوسری قسم کا گمان وہ ہے جس سے کام لینے کے سوا عملی زندگی میں کوئی چارہ نہیں ہے۔ مثلاً عدالت میں اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا کہ جو شہادتیں حاکم عدالت کے سامنے پیش ہوں ان کو جانچ کر وہ غالب گمان کی بنا پر فیصلہ کرے،

کیونکہ معاملہ کی حقیقت کا براہِ راست علم اُس کو نہیں ہو سکتا، اور شہادتوں کی بنیاد پر جو رائے قائم ہوتی ہے وہ زیادہ تر یقین پر نہیں بلکہ ظنِ غالب پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی طرح بکثرت معاملات میں، جہاں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور حقیقت کا علم حاصل ہونا ممکن نہیں ہوتا، انسان کے لیے گمان کی بنیاد پر ایک رائے قائم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

گمان کی ایک تیسری قسم وہ ہے جو اگرچہ ہے تو بدگمانی، مگر جائز نوعیت کی ہے اور اس کا شمار گناہ میں نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کسی شخص یا گروہ کی سیرت و کردار میں یا اس کے معاملات اور طور طریقوں میں ایسی واضح علامات پائی جاتی ہوں جن کی بنا پر وہ حسن ظن کا مستحق نہ ہو اور اس سے بدگمانی کرنے کے لیے معقول وجوہ موجود ہوں۔ ایسی حالت میں شریعت کا مطالبہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی سادہ لوحی برت کر ضرور اُس سے حسن ظن ہی رکھے۔

لیکن اس جائز بدگمانی کی آخری حد یہ ہے کہ اس کے امکانی شر سے بچنے کے لیے بس احتیاط سے کام لینے پر اکتفا کیا جائے۔ اس سے آگے بڑھ کر محض گمان کی بنا پر اُس کے خلاف کوئی کارروائی کر بیٹھنا درست نہیں ہے۔ چوتھی قسم کا گمان جو درحقیقت گناہ ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کسی شخص سے بلا سبب بدگمانی کرے، یا دوسروں کے متعلق رائے قائم کرنے میں ہمیشہ بدگمانی ہی سے ابتدا کیا کرے، یا ایسے لوگوں کے معاملہ میں بدظنی سے کام لے جن کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ وہ نیک اور شریف ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی گناہ ہے کہ ایک شخص کے کسی قول یا فعل میں برائی اور بھلائی کا یکساں احتمال ہو اور ہم محض سوء ظن سے کام لے کر اُس کو برائی ہی پر محمول کریں۔ مثلاً کوئی بھلا آدمی کسی محفل سے اٹھتے ہوئے اپنے جوتے کی بجائے کسی اور کا جوتا اٹھا لے اور ہم یہ رائے قائم کر لیں کہ ضرور اس نے جوتا چرانے ہی کی نیت سے یہ حرکت کی ہے۔ حالانکہ یہ فعل بھولے سے بھی ہو سکتا ہے اور اچھے احتمال کو چھوڑ کر برے احتمال کو

اختیار کرنے کی کوئی وجہ بدگمانی کے سوا نہیں ہے۔

اس تجزیے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گمان بجائے خود کوئی ممنوع چیز نہیں ہے، بلکہ بعض حالات میں وہ پسندیدہ ہے، بعض حالات میں ناگزیر ہے، بعض حالات میں ایک حد تک جائز اور اُس سے آگے ناجائز ہے، اور بعض حالات میں بالکل ہی ناجائز ہے۔ اسی بنا پر یہ نہیں فرمایا گیا کہ گمان سے یا بدگمانی سے مطلقاً پرہیز کرو، بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ بہت زیادہ گمان کرنے سے پرہیز کرو۔ پھر حکم کا منشا واضح کرنے کے لیے مزید بات یہ فرمائی گئی ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اس تنبیہ سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کبھی آدمی گمان کی بنا پر کوئی رائے قائم کر رہا ہو یا کسی اقدام کا فیصلہ کرنے لگے تو اسے اچھی طرح جانچ تول کر یہ دیکھ لینا چاہیے کہ میں جو گمان کر رہا ہوں کہیں وہ گناہ تو نہیں ہے؟ کیا فی الواقع اس گمان کی ضرورت ہے؟ کیا اس گمان کے لیے میرے پاس معقول وجوہ ہیں؟ کیا اس گمان کی بنا پر جو طرز عمل میں اختیار کر رہا ہوں وہ جائز ہے؟ یہ احتیاط لازماً ہر وہ شخص کرے گا جو خدا سے ڈرتا ہو۔ اپنے گمان کو مطلق العنان بنا کر رکھنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو خدا سے بے خوف اور آخرت کی باز پرس سے بے فکر ہیں۔“ (تفہیم القرآن، سورۃ الحجرات آیت: ۱۲)

ایک اور محقق اور مفسر مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ اہل ایمان سے بدگمانی کی قباحت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ گمان کرنے سے بچو بلکہ یوں فرمایا کہ زیادہ گمان کرنے سے بچو۔ کیونکہ گمان تو ہر انسان کو کسی نہ کسی وقت کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور اگر ظن و گمان کو عادت بنا لیا جائے تو یہ بہت بری بات ہے کیونکہ اکثر ظن بدظنی پر مشتمل ہوتے ہیں اور کسی سے سوء ظن رکھنا بذاتِ خود کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص سے حسن ظنی رکھی جائے تا آنکہ اُس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جو حسن ظن کو بدظنی میں تبدیل کر دے۔ دوسری

اہم بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق کوئی برا خیال پیدا ہو جائے تو جب تک زبان سے اُس کا اظہار نہ کرے وہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ اس آیت میں دراصل اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جس شخص سے اُن کا کوئی اختلاف یا جھگڑا ہو، اُس کی اچھی باتوں میں بھی کوئی برا پہلو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی معاملہ میں چار پہلو حسن ظنی کے ہوں اور ایک پہلو بد ظنی پر محمول کیا جاسکتا ہو تو اُن کی نظر ہمیشہ بد ظنی کے پہلو کی طرف اُٹھے گی۔ ایسے لوگ عموماً عام لوگوں کے متعلق حسن ظن کی بجائے کوئی بری بات ہی سوچنے کے عادی ہوتے ہیں۔“ (تیسیر القرآن، سورۃ الحجرات آیت: ۱۲)

ایک رات کی کہانی اندیشہ بدگمانی:

میاں بیوی کا رشتہ بڑا نازک اور حساس ہوتا ہے اور اُن کے درمیان بدگمانی کا اندیشہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ خصوصاً جب کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو خواتین اپنی طبعی کمزوری کے باعث جلد ہی بدگمانی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے درمیان پیش آیا جو ازدواجی زندگی کا ایک حیران اور خوش کن واقعہ ہے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ”کیا میں تمہیں اپنی اور رسول اللہ ﷺ کی آپ بیتی نہ سناؤں۔“ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ضرور سنائیے۔ چنانچہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”ایک رات نبی اکرم ﷺ میرے یہاں آرام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے جوتا اتارا ہوا اور اپنی چادر کا ایک کنارہ بستر پر بچھائے لیٹے ہوئے تھے، تھوڑی دیر آپ ﷺ اسی طرح آرام فرما رہے۔ جب آپ ﷺ نے گمان فرمایا کہ میں سو چکی ہوں تو آپ ﷺ نے آہستہ سے اپنی چادر اٹھائی، آرام سے جوتا پہنا اور آرام سے کمرے کا دروازہ کھول کر اُسے آہستگی سے بند کر دیا اور باہر تشریف لے گئے۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ میں نے اپنا دوپٹا درست کیا، سر پر چادر اوڑھی اور گھونگٹ مار کر آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑی۔ آپ ﷺ مدینہ

طیبہ کے قبرستان ”بقیع“ میں پہنچے اور دیر تک کھڑے رہے، پھر آپ ﷺ نے تین بار ہاتھ اٹھا کر بقیع میں مدفون مسلمانوں کے لیے دعاء مغفرت فرمائی اور واپس لوٹ آئے۔ میں بھی آپ ﷺ کے آگے آگے واپس لوٹ آئی۔ آپ ﷺ تیز چلنے لگے تو میری رفتار بھی تیز ہو گئی پھر آپ ﷺ دوڑنے لگے تو میں بھی دوڑ کر آپ سے پہلے گھر پہنچ گئی اور آتے ہی لیٹ گئی جبکہ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا: عائشہ! کیا ہوا ہے؟ تمہیں سانس کیوں چڑھا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ کچھ بھی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم خود ہی بتا دو تو بہتر ہے ورنہ اللہ لطیف و خبیر مجھے ضرور مطلع فرما دے گا۔ سبحان اللہ۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی، میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں، میں آپ کو بتائے دیتی ہوں، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو سب کچھ بتا دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا! وہ میرے آگے آگے جو کالا کالا ہیولا نظر آ رہا تھا، وہ تم تھیں؟ میں نے عرض کی، جی۔ وہ میں ہی تھی تو آپ ﷺ نے (محبت سے) میرے سینے پر ہاتھ مارا۔ جس سے مجھے درد محسوس ہوئی۔ اور فرمایا: أَظَنَنْتِ أَنْ يَحْيِفَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَسُولُهُ۔ تیرا کیا گمان و خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تیری حق تلفی کرے گا؟ (یعنی کیا میں تمہاری باری میں کسی اور بیوی کے پاس چلا جاؤں گا؟) میں نے عرض کی۔ جب لوگ کوئی چیز چھپاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے (یعنی اگر آپ کسی دوسری بیوی کے پاس جاتے تو اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا تھا) پھر آپ ﷺ نے صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کمرے کے باہر سے مجھے آہستہ سے آواز دی تھی۔ وہ اس وقت کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہتے تھے کیونکہ تم اوپر والی چادر وغیرہ اتار کر لیٹ چکی تھیں۔ اور میں نے خیال کیا کہ تم سو چکی ہو، اس لیے میں نے بھی تمہیں بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس لیے بھی نہیں جگایا کہ میرے

جانے کے بعد کہیں تم گھبرانہ جاؤ اور خوف زدہ نہ ہو جاؤ۔ تو جناب جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ تمہارے پروردگار کا حکم ہے کہ ابھی ”دقیق“ میں جاؤ اور وہاں مدفون اہل ایمان کے لیے ”دُعَاءِ مغفرت کرو۔“ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اگر قبرستان جاؤں تو فوت شدگان کے لیے کیسے دُعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یوں کہا کرو کہ ”اہل ایمان اور مسلمان گھر والوں پر سلام ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہم سے آگے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحم فرمائے۔ اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها)

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی بیان فرمودہ اس آپ بیتی میں ہمارے لیے کئی اسباق، دروس اور نصیحتیں موجود ہیں لیکن فی الوقت جو بات موضوع کے موافق عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمیں اپنے گھریلو معاملات کی اصلاح و صلاح کے لیے ہر قسم کی بدگمانی، سوء ظنی اور وہم سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہیے۔ سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت کریمہ بھی ہمیں یہی حکم دے رہی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا﴾

”اے ایمان والو! زیادہ بدگمانیوں سے اجتناب کرو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور تم کسی کے عیب تلاش کرنے کے لیے جاسوسی بھی نہ کرو۔“

رسول اللہ ﷺ کی احتیاط:

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے معاملات، معمولات اور مقامات سے اجتناب کرے، جہاں کسی کو اُس کے بارے میں بدگمانی اور سوء ظنی کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ خصوصاً علماء کرام، خطباء عظام، ائمہ مساجد، قراء کرام، اساتذہ اور حکمرانوں کو بڑی محتاط زندگی گزارنی چاہیے اور مشتبہ امور سے بھی بچنا چاہیے اس حوالے سے بھی امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ اور حدیث مبارکہ میں ہمارے لیے راہنمائی موجود ہے۔ چنانچہ

اُم المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ:

”رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں اعتکاف فرماتے تھے کہ میں آپ ﷺ کی ملاقات اور زیارت کے لیے حاضر ہوئی۔ وہاں دیگر ازواج مطہرات بھی موجود تھیں، ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ کچھ دیر باتیں کیں اور اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ آپ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ تم جلدی نہ کرو، میں تمہیں چھوڑنے چلتا ہوں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اُن دنوں مسجد نبوی سے کچھ فاصلے پر دارِ اُسامہ میں قیام فرماتھیں۔ چنانچہ رسولِ محترم ﷺ اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ مسجد نبوی سے نکلے۔ ابھی مسجد نبوی کے بالکل سامنے سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے قریب ہی پہنچے تھے کہ وہاں دو انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ ﷺ کو نہایت ادب سے سلام عرض کیا اور جلدی سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: عَلٰی رِسْلِكُمْ تَعَالٰی اِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ۔ دونوں رُک جاؤ، ادھر آؤ اور سنو! یہ میری بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا ہے۔ اُن دونوں نے ازراہِ تعجب عرض کی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ پاک ہے (کیا ہم آپ کے بارے میں سوائے پاکی اور طہارت کے کوئی اور بات سوچ سکتے ہیں) انہوں نے آپ ﷺ کے وضاحتی فرمان کو بڑا محسوس کیا اور اُن پر یہ معاملہ بڑا شاق گزرا۔ (اور وہ گم سم حیران کھڑے رہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرٰى الدَّمِّ وَاِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یُّلْقِیَ فِیْ اَنْفُسِکُمْ شَیْئًا۔ بلاشبہ شیطان انسانی جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ شیطان کہیں تمہارے دلوں میں میرے متعلق کوئی برا خیال نہ ڈال دے۔ اس لیے میں نے صورتِ حال کی وضاحت کرنا ضروری سمجھا ہے۔“

(صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب زیارة المرأة زوجہانی اعتکافہ)

ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو:

اللہ رب العالمین نے اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو یعنی لوگوں کے راز نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کے عیب نہ تلاش کرو۔ دوسروں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ نہ لگاتے پھرو۔ یہ حرکت خواہ بدگمانی کی بنا پر کی جائے یا بدینتی سے کسی کو نقصان پہنچانے کی خاطر کی جائے یا محض اپنا استعجاب دُور کرنے کے لیے کی جائے، ہر حال میں شرعاً ممنوع ہے۔ ایک مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے اُن کی کھوج کرید کرے اور پردے کے پیچھے جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کس میں کیا عیب ہے اور کس کی کون سی کمزوریاں چھپی ہوئی ہیں۔ لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا، اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی ٹٹول کرنا ایک بڑی بداخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں تجسس کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يُفْضِحْهُ فِي بَيْتِهِ))
(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة)

”اے لوگو جو زبان سے ایمان لے آئے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان پوری طرح داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کے درپے ہو جائے اُسے اُس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔“

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

((إِنَّكَ إِنْ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدَتْهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ

(تَفْسُدْهُمْ) (سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی النبی عن التجسس)

”تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو اُن کو بگاڑ دو گے یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔“

تجسس کی ممانعت کا یہ حکم صرف افراد ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کے لیے بھی ہے۔ شریعت نے نہی عن المنکر کا جو فریضہ حکومت کے سپرد کیا ہے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ جاسوسی کا ایک نظام قائم کر کے لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے بلکہ اسے صرف اُن برائیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنی چاہیے جو ظاہر ہو جائیں۔ رہیں مخفی خرابیاں تو ان کی اصلاح کا راستہ جاسوسی نہیں بلکہ تعلیم، وعظ و تلقین، عوام کی اجتماعی تربیت، اور ایک پاکیزہ معاشرتی ماحول پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت سبق آموز ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں گارہا تھا۔ آپ کو شک گزرا اور دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی۔ آپ نے پکار کر کہا: ”اے دشمن خدا، کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا؟“ اس نے جواب دیا: امیر المؤمنین جلدی نہ کیجئے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا اور آپ نے تجسس کیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت لیے بغیر نہ جاؤ اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے۔“ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی غلطی مان گئے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی، البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ افراد ہی کے لیے نہیں خود اسلامی حکومت کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے راز ٹٹول کر ان کے گناہوں کا پتہ چلائے اور پھر انہیں پکڑے۔ یہی بات ایک حدیث میں بھی ارشاد ہوئی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا بَتَغَى الرَّبِّيَّةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ))

(سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی النبی عن التجسس)

”حکمران جب لوگوں کے اندر شبہات کے اسباب تلاش کرنے لگے تو وہ ان کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔“

اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ مخصوص حالات ہیں جن میں تجسس کی فی الحقیقت ضرورت ہو۔ مثلاً کسی شخص یا گروہ کے رویے میں بگاڑ کی کچھ علامات نمایاں نظر آرہی ہوں اور اس کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ کسی جرم کا ارتکاب کرنے والا ہے تو حکومت اس کے حالات کی تحقیق کر سکتی ہے۔ یا مثلاً کسی شخص کے ہاں کوئی شادی کا پیغام بھیجے یا اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کرنا چاہے تو وہ اپنے اطمینان کے لیے اس کے حالات کی تحقیق کر سکتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو ان قرآنی احکام پر عمل کر کے معاشرتی اصلاح کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

غیبت کی مذمت

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا
 تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ
 أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱﴾

(۲۹/ الحجرات: ۱۲)

”اے اہل ایمان! زیادہ بدگمانیوں سے اجتناب کرو۔ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم (کسی کی) جاسوسی نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا، از حد مہربان ہے۔“

تمام قسم کی تعریفات و تحمیدات کا مستحق صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ جس نے انسانوں کو عدم سے وجود عطاء فرما کر ان کی رشد و راہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا اور سب سے آخر میں اپنے محبوب اور لاڈلے رسول جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اللہ رحیم و کریم ہم سب کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لا تعداد و بے شمار درود، سلام اور برکات نازل فرمائے۔ آمین۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
 إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔
 اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى
 إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین عظام، صلحاء اُمت، بزرگان دین، مفسرین و محدثین، علماء اسلام، اولیاء عظام اور تمام فوت شدہ اہل ایمان کی قبروں کو اللہ تعالیٰ نور سے منور اور روشن

فرمائے اور تمام زندہ مسلمانوں کو قرآن وحدیث پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا اور آخرت بہتر بنانے کی سعادت وتوفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

رابط کلام:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ سورۃ الحجرات مسلمانوں کے اجتماعی نظام کو درست کرنے، مسلمان معاشرے کو فساد و انتشار سے بچانے اور اہل ایمان کے باہمی معاملات کی اصلاح کے اصول وقوانین اور قواعد و ضوابط پر مشتمل سورۃ مبارکہ ہے۔ اس سورت طیبہ کی تشریحات و توضیحات کے ضمن پچھلے بارہ خطبات جمعات میں یہ بارہ موضوعات بیان ہو چکے ہیں۔

(۱) کسی مومن کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے آخری رسول ﷺ کے احکام سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۲) ہر صاحب ایمان کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔

(۳) رسول اکرم ﷺ کا ادب واحترام ہر مومن کیلئے لازمی اور ضروری ہے۔

(۴) جس طرح ایک دوسرے کا نام لے کر اُسے عامیانہ انداز میں بلایا اور پکارا جاتا ہے، اس طرح آپ ﷺ کا نام لے کر آواز دینا منع اور ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(۵) تمام مسلمانوں پر رسول کریم ﷺ کی تکریم وتعظیم ضروری ہے۔

(۶) امام الرسل ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا دنیا اور آخرت میں عذاب الہی کا مستحق ہے اور اُس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

(۷) ہر سنی سنائی بات پر اعتماد کر کے کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے اہل ایمان کو ہر خبر کی تحقیق کرنی چاہیے ورنہ شرمندگی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۸) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان، تقویٰ اور خلوص ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے اور انہیں رفاقت مصطفیٰ کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے منتخب اور نام زد فرمایا ہے لہذا اُس مقدس جماعت کے کسی فرد کے بارے میں بدگمانی، دولت ایمان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے۔

(۹) اسلامی معاشرے کے ذمہ داروں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر خدا نخواستہ اہل ایمان کی دو جماعتیں، گروہ یا برادریاں کسی بات پر آپس میں اختلافات کا شکار ہو جائیں اور نوبت لڑائی

جھگڑے تک پہنچ جائے تو اُن کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کروادیں۔ تاکہ مومنوں کی اعلیٰ صلاحیتیں باہمی تنازعات میں ضائع نہ ہوں۔

(۱۰) تمام اہل ایمان آپس میں بھائیوں کی طرح باہمی محبت و الفت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی اور سستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

(۱۱) اہل ایمان میں سے کوئی مرد کسی کا مذاق نہ اڑائے اور مسلمان خواتین بھی ایک دوسرے کے ساتھ استہزاء اور تمسخر نہ کریں۔ کوئی ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرے اور ایک دوسرے کیلئے برے القاب بھی استعمال نہ کریں تاکہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

(۱۲) تمام مومنوں کا فرض ہے کہ آپس میں بدگمانیوں سے پرہیز کریں۔ سوء ظنی سے بچیں اور ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان اور اچھا خیال رکھیں اور کسی کے عیب اور راز معلوم کرنے کیلئے جاسوسی نہ کریں تاکہ معاشرہ پر امن اور خوش گوار رہ سکے۔

اسی سورۃ مبارکہ کی بارہویں آیت کے آخری کلمات مبارکات کی تفسیر و تعبیر کرتے ہوئے ان شاء اللہ العزیز ”غیبت“ کا مفہوم، اس کی مذمت، غیبت کے نقصانات، غیبت کی اقسام، غیبت کے اسباب اور غیبت کے جواز کی بعض صورتیں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و حدیث کے احکام پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔
ارشادِ الہی ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا ۖ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ۝۱۷﴾

”اور (اے ایمان والو) تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم سب اسے ناپسند کرتے ہو (اسی طرح غیبت کو بھی ناپسند کرو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔
یقیناً اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، از حد مہربان ہے۔“

غیبت کا معنی و مفہوم:

شریعت اسلامیہ کی نظر میں غیبت ایسا گھناؤنا جرم، اتنا بڑا گناہ اور ایسی نافرمانی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے جو ایک انتہائی ناپسندیدہ، مکروہ اور حرام کام ہے کیونکہ کوئی سلیم الفطرت انسان کسی انسان کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ وہ انسان مردہ ہو اور پھر اُس کا بھائی بھی ہو۔

یہ انداز دراصل غیبت کی برائی، شاعت اور کراہت بیان کرنے کیلئے اپنایا گیا ہے۔ چونکہ غیبت کرنے والا اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اُس کی عزت پر حملہ آور ہو رہا ہوتا ہے اور اُس کے وقار کو کاٹ کاٹ کر کھا رہا ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ آئیے! پہلے غیبت کا معنی اور مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا: اَتَذَرُونَ مَا الْغَيْبَةُ؟ کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ رفقاء نبی نے عرض کی کہ، اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ، اللہ تعالیٰ اور اُس کے بتانے سے اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں کہ غیبت کا مفہوم کیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان حق ترجمان سے غیبت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرمایا۔ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ۔ اپنے مسلمان بھائی کا ایسے انداز میں ذکر کرنا جو اسے ناپسند اور ناگوار ہو۔ یعنی کسی مسلمان کی غیر موجودگی میں اُسے ذلیل و رسوا کرنے اور لوگوں کی نظروں میں گرانے کیلئے اُس کے عیوب اور گناہوں کا ذکر کرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضاحت چاہی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اَفَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ۔ اگر میرے (مسلمان) بھائی میں وہ عیب، غلطی اور کوتاہی موجود ہو جس کا میں ذکر کر رہا ہوں تو کیا وہ بھی غیبت ہی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ اِغْتَبَتْهُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتْهُ۔ اگر اُس میں وہ عیب پایا جائے (اور تو اسے اس کی غیر موجودگی میں بیان کرے) تو تم نے اُس کی غیبت کی اور اگر اُس میں وہ غلطی نہیں ہے۔ اور (تو اُسے اس کی

طرف منسوب کر رہا ہے) تو تم نے غیبت سے بڑھ کر اُس پر بہتان باندھا ہے۔“
(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الغیبة)

اس حدیث مبارکہ میں ہمارے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے غیبت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اس کی قباحت اور برائی کو بھی بیان فرمایا اور غیبت اور بہتان کا فرق بھی واضح فرما دیا کہ اگر کسی مسلمان کے اندر کوئی عیب، گناہ اور کوتاہی موجود ہے اور ہم اُس کی عدم موجودگی میں اُسے بدنام کرنے، اس کی عزت خراب کرنے اور اُسے لوگوں کی نظروں میں حقیر ثابت کرنے کیلئے اس کی غلطیوں کا ذکر کریں تو یہ غیبت ہے اور اگر اُس کی طرف ان گناہوں اور خطاؤں کی نسبت کریں جن کا اُس نے ارتکاب ہی نہیں کیا تو یہ الزام، بہتان اور تہمت ہے جس کی سزا دنیا اور آخرت میں لعنت اور بہت بڑا عذاب ہے۔

حضرات! کیا ہم اپنی مجالس و محافل میں ہونے والی گفتگو کا جائزہ لینا پسند کریں گے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ جہاں چند افراد جمع ہوں گے، وہاں دوسروں کی غیبت، عیب جوئی، الزام، بہتان اور چغل خوری کے سوا دوسرا کوئی کام نہیں ہوگا۔ کوئی اپنے دوست کی غیبت کر رہا ہے۔ کوئی اپنے رشتہ داروں کی چغلی کھا رہا ہے۔ کوئی اپنے ہمسائے پر طعنہ زنی کر رہا ہے۔ کوئی اپنے بھائیوں کے عیب گنوار رہا ہے۔ کوئی اپنے افسروں پر الزام لگا رہا ہے۔ کوئی اپنے ماتحتوں کی عیب جوئی کر رہا ہے۔ اور کوئی اپنے مولوی صاحب، خطیب صاحب اور امام صاحب کی خامیاں مزے لے لے کر بیان کر رہا ہے اور مجلس کو خوب گرما رہا ہے۔

سورۃ الحجرات کی اس آیت طیبہ کے مطابق بظاہر ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے عیب بیان کر رہے ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ہم اپنے اُن بھائیوں کے مردہ جسم سے گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہوتے ہیں۔ قرآن عزیز اعلان کر رہا ہے۔

﴿أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۖ﴾

”کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم سارے اسے ناپسند کرتے ہو۔“

یعنی جس طرح اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا تمہیں ناگوار اور ناپسندیدہ ہے اسی طرح

اپنے مسلمان بھائی کی غیبت بھی ناپسندیدہ اور ناگوار ہونی چاہیے، آئیے! آج سے توبہ کریں، استغفار کریں اور پختہ عزم کریں کہ ہم آئندہ کسی کی غیبت نہیں کریں گے۔ اور اب تک جن لوگوں کی غیبت کی ہے اُن سے معذرت کریں۔ معافی مانگیں اور اپنی غلطیوں کا اعتراف و اقرار کر کے اُن کے بارے میں اپنے قلوب و اذہاں کو صاف کریں۔ کیونکہ غیبت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور حقوق العباد میں کوتاہی اور زیادتی بھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جرم عظیم سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین۔

اصحاب علم و فضل نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں غیبت کی قباحت و شاعت بیان کرنے کیلئے غیبت کے کئی مفاہیم بیان فرمائے ہیں ہمارے خیال میں غیبت کا مختصر مگر جامع تعارف ہے۔

((ذِكْرُ الْعَيْبِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ))

”کسی کی غیر موجودگی میں اُس کا عیب ذکر کرنا۔“

مفہوم میں وسعت:

ہمارے ہاں عام طور پر کسی شخص کی غلطیوں، گناہوں اور خطاؤں کے تذکرے کو ہی غیبت خیال کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ:

(۱) کسی انسان کی غیر موجودگی میں حقارت کی نیت سے اُس کے جسم کی ساخت پر تنقید کرنا مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص بڑا موٹا، چھوٹا، فربہ، پتلا، طویل القامت، پست قد، لمبی ناک والا، پھینا، اندھا، کانٹا، لنگڑا، لولا، اپاہج، معذور، بدھا اور کان کٹا ہے۔ یہ بھی غیبت ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

”ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے کہا کہ: حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا كَذَا تَعْنِي قَصِيرَةً آپ

کو تو (اپنی زوجہ) صفیہ کا پست قد ہونا بڑا پسند ہے۔ (یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی جسمانی حالت پر بطور حقارت تنقید کی) تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَقَدْ قُلْتُ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ

لَمَزَجَتْهُ۔ (اے عائشہ!) تم نے اپنی زبان سے ایسا کلمہ کہہ دیا ہے کہ اگر اسے دریا کے پانی میں ملا دیا جائے تو وہ دریا کے پانی پر غالب آجائے۔“

(سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی الغیبة)

(۲) کسی شخص کے لباس کی تراش خراش، کپڑوں کی لمبائی اور چوڑائی یا کسی کے لباس پہننے کے انداز پر اس کی عدم موجودگی میں حقارت و نفرت کے خیال سے تبصرہ کرنا بھی غیبت کے زمرے میں آتا ہے۔ جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ:

((قُلْتُ لِامْرَأَةٍ مَّرَّةً وَاَنَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ لَطَوِيلَةُ الذَّلِيلِ فَقَالَ الْفُطَيُّ الْفُطَيُّ فَلَفَظْتُ بِضَعَةٍ مِّنْ لَّحْمٍ))

(الترغیب والترہیب جلد ۳۔ کتاب الادب وغیرہ)

”میں نے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا کہ فلاں عورت کا دامن بہت طویل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تم نے اس کی غیبت کی ہے لہذا) جلدی سے تھوکو، تھوک بھی دو۔ جب میں نے تھوکا تو (محسوس ہوا کہ) میرے منہ سے گوشت کا ایک ٹکڑا نکل کر زمین پر گر گیا ہے۔“

ہمارے ہاں اکثر عورتیں دوسری عورتوں کے کپڑوں، برقعے اور دوپٹے اوڑھنے پر نفرت کے انداز میں تبصرہ کرتی رہتی ہیں۔ ایسی خواتین کو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان پیش نگاہ رکھتے ہوئے آئندہ کیلئے توبہ کر لینی چاہئے اور غیبت جیسے قبیح فعل سے باز آ جانا چاہیے۔

(۳) کسی شخص کو اس کے خاندان، قوم، قبیلے یا حسب و نسب کی بنیاد پر حقیر جانتے ہوئے طعن کرنا اور اسے کمینہ، کم تر اور ذلیل سمجھنا اور خود اپنے آپ کو برتر جاننا بھی غیبت ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت تیرہ کے مطابق کسی شخص کو کسی دوسرے پر حسب و نسب کی بناء پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے۔ فضیلت و کرامت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی ہے۔ فرمان الہی ہے۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾

”بلاشبہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی اور

پرہیزگار ہے۔“

(۴) کسی مسلمان کی عادات و اطوار اور حرکات و سکنات پر طنز کرنا اور اُس کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے اور گفتگو کے طریقے کو حقارت کے انداز میں بیان کرنا بھی غیبت ہی ہے۔ سیدنا عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ:

((أَنَّهُمْ ذَكَرُوا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَقَالُوا لَا يَأْكُلُ حَتَّى يُطْعَمَ وَلَا يَرْحَلُ حَتَّى يُرَحَّلَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَبِثُمُوهُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا حَدَّثْنَا بِمَا فِيهِ قَالَ حَسْبُكَ إِذَا ذَكَرْتَ أَخَاكَ بِمَا فِيهِ))

(رواہ الاصحہانی بسند حسن الترغیب والترہیب جلد ۳ کتاب الادب وغیرہ)

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ عجیب شخص ہے کہ اگر کوئی کھانا دے تو کھانا لیتا ہے (ورنہ بھوکا رہتا ہے) اور اگر کوئی سواری پر سوار کر لے تو سوار ہو جاتا ہے (ورنہ پیدل چلتا رہتا ہے) لیکن خود کوئی کام نہیں کرتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے اُس کی غیبت کی ہے“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! ہم نے تو اس کی وہی خامی بیان کی ہے جو اُس کے اندر موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی میں موجود عیب کا ذکر کرنا ہی غیبت ہے۔“

(۵) کسی انسان کا اپنی عبادت و ریاضت پر فخر کرنا اور دوسرے کی عبادت میں نقص نکالنا بھی غیبت ہی ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص صرف فرائض ہی ادا کر سکتا ہے، نوافل اور سنتوں کا خیال نہیں رکھتا۔ فلاں بندے کو تو میں نے کبھی قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، فلاں مال دار اور صاحب حیثیت ہے مگر حج کیلئے نہیں جاتا اور فلاں انسان کو صدقات و خیرات کی استطاعت کے باوجود کنجوس اور بخیلی سے کام لیتا ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے تبصرے بھی غیبت ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔

صحابی رسول جناب عامر بن واصلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیات مبارکہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص صحابہ کرام صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مجمع کے پاس سے سلام کر کے گزر گیا تو اس کے چلے جانے کے بعد مجمع میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ”مجھے اس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے بغض ہے۔“ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ ہم اسے تمہارے خیالات سے آگاہ کریں گے۔ چنانچہ جب اسے اطلاع ملی تو اس نے رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت عالیہ میں اُس شخص کی شکایت کرتے ہوئے دادرسی کی درخواست کی۔

رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے غیبت کرنے والے شخص کو بلایا اور اُس سے وضاحت طلب کی کہ تم اس سے کیوں بغض رکھتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس کا ہمسایہ ہوں اور اس کے حالات سے بخوبی واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ فرض نمازوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھتا..... سوائے ماہ رمضان کے کبھی روزے نہیں رکھتا..... اور سوائے سالانہ زکاۃ کے میں نے کبھی صدقہ و خیرات کرتے نہیں دیکھا..... یہ فرائض تو عام لوگ بھی پورے کرتے ہیں..... چونکہ یہ صرف فرائض کا پابند ہے۔ نوافل ادا نہیں کرتا اس لیے مجھے اس سے بغض ہے۔

غیبت کرنے والے کے اعتراضات سن کر اس شخص نے عرض کی اے اللہ کے رسول! اس سے پوچھئے کہ کیا میں نے فرائض میں کبھی کوتاہی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ یہ فرائض کا تو پابند ہے مگر نوافل ادا نہیں کرتا۔ میں اس لیے اس کے ساتھ بغض رکھتا ہوں۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی کثرت عبادات کا تذکرہ کرنے والے، دوسرے کی غیبت کرنے والے اور نقلی عبادت نہ کرنے پر تنقید کرنے والے سے فرمایا جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص عاقبت میں تم سے بہتر ہو۔“

(تلخیص از احیاء العلوم للفرالی۔ باب اسباب الغیۃ)

(۶) کسی مسلمان کی معصیتوں، نافرمانیوں، گناہوں، عیوب و نقائص اور خامیوں کا بطرز بدنامی ذکر کرنا بھی یقیناً غیبت ہی ہے۔ بعض لوگ اپنی نیکیوں پر بڑے نازاں ہوتے ہیں اور دوسروں کے گناہوں کو مشہور کرنے میں بڑے بے باک اور ہوشیار۔ اور بسا اوقات اپنی

فرماں بردار یوں پر اتراتے اور دوسروں کی غلطیوں کی بناء پر اُن سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے جنتی اور دوسروں کے جہنمی ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں اور بزمِ خودیہ سمجھتے اور اس کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ فلاں شخص تو کسی صورت جنت میں جا ہی نہیں سکتا اور مجھے تو کوئی جنت جانے سے روک ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی متکبر، مغرور اور غیبت پسند شخص کا تذکرہ نبی محترم ﷺ نے اپنی زبانِ نبوت سے فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بنی اسرائیل میں دو شخص آپس میں واقف کار اور تعلق دار تھے۔ ان میں سے ایک بہت زیادہ گناہ گار اور دوسرا انتہائی عبادت گزار تھا۔ نیک آدمی اپنے نافرمان ساتھی کو گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کرتا مگر وہ نہیں مانتا تھا۔ ایک دن پرہیز گار شخص نے دوسرے کو آلودہ گناہ دیکھ کر اُسے منع کیا تو گناہ گار طیش میں آگیا اور سخت غصے کی حالت میں بولا۔ خَلَّيْنِي وَرَبِّي أَبْعَثْ عَلَيَّ رَقِيبًا۔ تم میری جان چھوڑو، میں جانوں اور میرا رب۔ کیا تمہیں میرا نگران مقرر کیا گیا ہے۔ کہ ہر وقت مجھے روکتا اور ٹوکتا رہتا ہے۔ جا۔ اپنا کام کر۔

گناہ گار کے یہ الفاظ سن کر پرہیز گار صاحب کو بھی غصہ آگیا اور بولے۔ وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ وَلَا يُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تمہیں معاف نہیں کرے گا اور تجھے جنت میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ پھر وہ دونوں فوت ہو گئے اور ان کی ارواح کو ایک ساتھ رب العالمین کے حضور پیش کیا گیا تو اللہ رب العزت نے نیکو کار کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ اَكُنْتَ بَنِي عَالِمًا اَوْ كُنْتَ عَلَيَّ مَا فِي يَدِي قَادِرًا۔ کیا تجھے میرے فیصلے کا علم تھا یا تجھے مجھ پر اختیار حاصل تھا کہ تو نے اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ سنا دیا۔ پھر رحمت الہی جوش میں آئی اور گناہ گار سے فرمایا۔ اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِي۔ جاؤ تم میری رحمت کی بدولت جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور گناہ گار کی غیبت کرنے اور اپنی نیکیوں پر تکبر کرنے والے کے

بارے میں فرشتوں کو حکم دیا کہ۔ اذْهَبُوا بِهٖ اِلَى النَّارِ۔ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کر کے فرمایا۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَكَلَّمَنَّ بِكَلِمَةٍ اَوْ بَقَتْ دُنْيَا وَاٰخِرَتُهُ۔ اس اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس (پرہیزگار) نے ایسی بات کہہ دی جس نے اس کی دنیا اور آخرت کو برباد کر دیا۔“

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی النہی عن البغی)

حضرات! غور فرمائیے کہ اپنی نیکیوں پر غرور کرنے والے اور گناہ گار کی غیبت کرنے والے کا انجام کیا ہوا؟۔ لہذا ڈر جائیے اللہ تعالیٰ سے۔ باز آجائیے غیبتوں سے۔ مت اترائیے اپنی نیکیوں پر۔ گناہ سے ضرور نفرت کیجئے مگر گناہ گار کی غیبت سے اجتناب فرمائیے۔ تاکہ کہیں ہمارا نام بھی مردہ بھائی کا گوشت کھانے والوں میں نہ لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات کی اس آیت کریمہ میں غیبت کی ان تمام اصناف و اقسام سے اہل ایمان کو منع کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اے مومنو! خبردار۔

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُم بَعْضًاۖ اِيْحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ اَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۷﴾

”اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے۔ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا، از حد مہربان ہے۔“

مردوں کی غیبت:

حضرات! جس طرح زندہ انسانوں کی غیبت کرنا حرام، ممنوع اور ناجائز ہے اسی طرح مردوں کے عیب بیان کرنا، ان کی خامیوں کا تذکرہ کرنا۔ انہیں گالیاں دینا، برا کہنا اور ان کی غیبتیں کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((اِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوهُ وَلَا تَقْعُوا فِيهِ))

(سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب، باب فی انہی عن سب الموتی)

”جب تمہارا کوئی ساتھی فوت ہو جائے تو اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دو اور

اس کے عیب و نقائص بیان نہ کرو۔“

فوت شدگان کی خامیوں اور عیوب کا تذکرہ کرنے کی بجائے ان کی خوبیوں اور نیکیوں کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ))

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی انہی عن سب الموتی)

”اپنے فوت شدگان کے محاسن اور ان کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی سیئات

اور گناہوں کے تذکرے سے اپنی زبانوں کو بند رکھا کرو۔“

ایسے انسان جو اپنی عارضی زندگی سے دائمی حیات کی طرف منتقل ہو چکے ہوں اور دنیا سے ناٹھ توڑ کر آخرت کی طرف سدھار چکے ہوں۔ ان کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا، انہیں برا کہنا اور ان کی خامیاں بیان کرنا انتہائی قبیح حرکت، برا عمل اور اخلاقی گراوٹ ہے۔ جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان حق ترجمان سے فوت شدگان کو گالیاں دینے اور ان کے عیوب و نقائص بیان کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ مَا قَدَّمُوا))

(صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب ما تنہی عن سب الاموات)

”فوت ہو جانے والوں کو گالیاں نہ دو یعنی مردوں کو برا نہ کہو۔ کیونکہ انہوں نے

جو اعمال کیے وہ ان کی سزا اور جزا تک پہنچ چکے ہیں۔“

ان ارشادات رسول کی روشنی میں اگر ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو ہم میں سے اکثر لوگ اس بے لذت گناہ کے مرتکب نظر آئیں گے۔ ایک طرف ہم کسی کی نماز جنازہ پڑھنے یعنی اس کیلئے بخشش، مغفرت اور بلندی درجات کی دعائیں کرنے جا رہے ہوتے ہیں اور

دوسری طرف ہم اسی فوت ہونے والے کے نقائص، عیوب اور خامیاں بیان کر رہے ہوتے ہیں اور زمانے بھر کی برائیاں اس کی طرف منسوب کر ڈالتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ زندہ انسانوں کی غیبت بھی جرم عظیم ہے اور فوت ہو جانے والوں کی غیبت بھی گناہ کبیرہ ہے۔ لہذا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے بچ جائیے اور زندوں اور مردوں کی غیب سے باز آ جائیے۔

ان دلائل شرعیہ اور احادیث رسول سے قطع نظر عقلی اعتبار سے بھی مردوں کی غیبت کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ:

☆ مردے زندوں کی غیبت نہیں کرتے اس لیے زندوں کو بھی مردوں کی غیبت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

☆ فوت ہو جانے والوں کی قبروں اور اُن کی لاشوں کو دیکھنے سی انسان کو آخرت یاد آتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ زندوں کیلئے عبرت کا نشان بن کر انہیں آخرت کی تیاری کا درس دیتے ہیں اس لیے زندوں کیلئے روا نہیں ہے۔ کہ اپنے محسنین کی غیبت کریں۔ بلکہ ان کی نیکی کا بدلہ حسن سلوک سے دینا چاہیے۔

☆ جب کسی کے فوت شدہ رشتہ دار، دوست، والدین اور عزیز واقارب کی غیبت کی جائے گی اور ان کے عیوب و نقائص بیان کیے جائیں گے تو ان کے زندہ اعزہ و احباب کو تکلیف پہنچے گی جو کسی اعتبار سے بھی مناسب نہیں بلکہ معاشرتی بگاڑ اور فساد کا سبب ہے۔

☆ مردوں کی غیبت سے پرہیز اس لیے بھی ضروری ہے کہ فوت ہو جانے والے کا ہر معاملہ اب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر وہ مرنے کے بعد اپنی بد عقیدگی اور بد اعمالیوں کے باعث جہنمی ہیں تو یہ سزا ان کیلئے کافی ہے۔ اور اگر وہ جنتی ہیں تو ہم ان جنتیوں کی خامیاں بیان کر کے دراصل خدائی فیصلے کا انکار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو وہ نیک، صالح اور برگزیدہ انسان ہیں مگر ہم انہیں برا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف پر مبنی فیصلے کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

www.kitabosunnat.com

غیبت کی مذمت:

سورة الحجرات کی زیر بحث آیت پر غور کرنے سے غیبت کی قباحت واضح ہوتی ہے کہ غیبت

کو کبیرہ گناہ اور اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا ۖ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ۝﴾

”اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے۔ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا، از حد مہربان ہے۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لوگوں کے عیوب و نقائص اور کمزوریوں کی تلاش و جستجو سے منع فرمایا ہے اور ہر انسان کو اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ مگر افسوس! کہ ہم اپنی خامیوں، کمزوریوں اور کوتاہیوں پر توجہ دینے اور انہیں دور کرنے کی بجائے دوسروں کی لغزشوں کو مشہور کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے کہا ہے کہ:

نہ تھی جب تک اپنے گناہوں پہ نظر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
جب پڑی اپنے گناہوں پہ نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جس ماحول اور معاشرے میں غیبت عام ہوگی وہ معاشرہ فتنہ و فساد کا مرکز و محور ہوگا۔ وہاں ہر شخص دوسرے سے شاکی اور متنفر نظر آئے گا۔ اسی لیے قرآن حکیم نے مسلم معاشرے کو امن کا گہوارہ اور محبت و الفت کا مرکز بنانے کیلئے یہ اصول بیان فرمایا کہ:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۳۶)

”اور ایسی بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ بلاشبہ کان، آنکھ اور دل ہر ایک سے اس بارے میں باز پرس ہوگی۔“

یعنی ہماری آنکھیں جو کچھ دیکھتی۔ کان جو کچھ سنتے اور دل و دماغ جو کچھ سوچتے اور فیصلہ کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں حشر کے دن پوچھ گچھ ہوگی۔ اس لیے ہم میں سے ہر شخص کو حشر کی رسوائی سے بچنے کیلئے اپنی زبانوں کی حفاظت کرنی چاہیے اور کسی بھی انسان کی غیبت اور بدخوئی سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے۔

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (۵۰/ق: ۱۸)

”نہیں بولتا انسان کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگران فرشتہ لکھنے کیلئے تیار ہوتا ہے۔“

یعنی ہماری زبانوں سے نکلنے والا ایک ایک لفظ، ایک ایک جملہ اور ایک ایک حرف لکھا جا رہا، محفوظ کیا جا رہا اور تحریر کیا جا رہا ہے۔ اس لیے داناؤں کا قول ہے کہ۔

”پہلے تولو..... پھر بولو۔“ لہذا زبان کو حرکت دینے، کسی کے عیب بیان کرنے اور کسی کی ذات کو موضوع بحث بنانے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیے کہ اس میں میں اپنا ہی نقصان کر رہا ہوں۔ اپنی نیکیاں ضائع کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا رہا ہوں۔ قرآن حکیم اس امر کی وضاحت اور صراحت فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر انسان کے ساتھ فرشتے مقرر کئے گئے ہیں جنہیں ”کِرَامًا كَاتِبِينَ“ کہا جاتا ہے وہ ہماری ہر حرکت، ہر فعل، ہر قول، اور ہر عمل کا ریکارڈ تیار کر رہے اور سی ڈی بنا رہے ہیں۔ فرمان الہی ہے۔

﴿وَإِنْ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝﴾

(۸۲/ انفطار: ۱۰ تا ۱۲)

”اور بلاشبہ تم پر نگران مقرر ہیں۔ جو لکھنے والے معزز (فرشتے) ہیں۔ وہ تمہارے اعمال و افعال کو جانتے ہیں۔“

لہذا ہم میں سے ہر شخص کو اپنی زبان کا استعمال بڑا سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے اور کوئی ایسی بات اور حرکت نہیں کرنی چاہیے جو دنیا یا آخرت میں رسوائی اور پریشانی کا باعث ہو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ))

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف و خدمتہ)

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان و یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی زبانوں کی حفاظت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

غیبت اور چغلی میں فرق اور سزا:

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کسی مسلمان بھائی کے عیب، گناہ اور نقص کو اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا جو اسے ناگوار گزرے ”غیبت“ کہلاتا ہے۔ غیبت کے ساتھ ملتا جلتا ایک لفظ ”چغلی“ ہے جسے عربی میں ”نمیمہ“ کہا جاتا ہے۔ یاد رکھیے لوگوں کے درمیان اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی نیت سے ایک شخص کی بات دوسرے تک پہنچانے کو ”چغلی“ کہتے ہیں اور اس حرکت قبیحہ کے مرتکب کو ”چغل خور“ کہا جاتا ہے۔

جس طرح غیبت فعل حرام، گناہ کبیرہ اور انتہائی فبیح حرکت ہے، اسی طرح چغلی بھی جرم عظیم، اخلاقی گراوٹ اور دوسرے مسلمان کی عزت سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ اس لیے ان دونوں جرائم کی سزا بھی سخت تجویز فرمائی گئی ہے اور غیبت کرنے والے کی طرح ”چغل خور“ کو بھی جنت سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ صحابی رسول جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص لوگوں کے درمیان نفرتوں کو ہوا دینے کیلئے چغل خوری کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلط تحریم النمیمہ)

”چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

دوسری روایت میں ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَقْتَاتٌ))

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یکرہ من النمیمہ)

”چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے فرمایا:

((الَا أُنبِّئُكُمْ مَا الْعَضَةُ؟ هِيَ النَّمِيمَةُ، الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ))
(صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم النمیمۃ)

”کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ ”عضہ“ کیا ہے؟ یہ چغلی ہی ہے کہ لوگوں کے درمیان کسی کی بری بات کا تذکرہ کیا جائے۔“

اس فرمان رسول ﷺ سے وضاحت ہوگئی کہ غیبت اور چغلی کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے کہ کسی کی غیر موجودگی میں اس کے عیوب و نقائص اور خامیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا تاکہ لوگوں کو اس سے متنفر کیا جائے اور اسے عوام میں ذلیل و رسوا کیا جائے۔

حضرات! کوئی شخص دوسرے کو معاشرے میں رسوا کر کے یہ نہ سمجھے کہ وہ رسوائی اور ذلت و حقارت سے محفوظ رہے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ اگر کسی نے دوسرے مسلمان کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی، اسے بلاوجہ بدنام کیا اور غیبت و چغل خوری کے ذریعے اس کا مقام و مرتبہ گھٹانے اور لوگوں کی نظروں سے گرانے میں لگا رہا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا میں ہی سزا دے گا اور اسے معاشرے کا حقیر ترین فرد بنا دے گا۔ جناب ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نئے نئے مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اخلاقی تربیت کرتے ہوئے اور انہیں غیبت، چغلی اور دوسروں کے عیوب تلاش کرنے کی قباحت و شاعت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے مسلمانوں کی جماعت!

((لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يُفْضِحْهُ فِي بَيْتِهِ)) (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیۃ)

”مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو اور ان کے پوشیدہ حالات کی ٹوہ نہ لگایا کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے میں لگ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے

عیوب کے درپے ہو جائے گا اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑ جائے تو اُسے وہ گھر میں بھی ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔“

اس کے برعکس جو سعادت مند مسلمان کسی دوسرے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرتا ہے، اُس کی توہین و تنقیص کی تردید کرتا ہے اور اُس کی پاک دامنی واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے تو خالق ارض و سماء قیامت کے دن اُس کے چہرے سے جہنم کی آگ دور ہٹا دے گا۔ جناب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))۔ (جامع ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ما جاء في الذب عن عرض المسلم)

”جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو دور فرما دے گا۔“

ایک مشہور محاورہ ہے کہ ”جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔“ اسی اصول کے مطابق اگر کوئی شخص اس جہان میں کسی مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے گا، اُس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا اور اُس کی غیبت سے اپنی زبان کو روکے رکھے گا تو اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس کے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا إِلَّا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا)

”کوئی بندہ دُنیا میں کسی بندے کی پردہ پوشی نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے عیبوں پر پردہ ڈال دے گا۔“

حضرات! ان احادیث کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص اپنے اعمال کا محاسبہ کرے اور اپنے کردار کا جائزہ لے کہ ہمارے رسول ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں اور ہمارا عمل کیا ہے؟ یہی ناکہ ہم اکثر اوقات ایک دوسرے کی غیبتیں کرتے، چغلیاں کھاتے اور دوسروں کو بدنام کرنے میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ سوچیے۔ پھر سوچیے! کہ قرآن و حدیث ہم سے کیا

تقاضا کرتا ہے اور ہم کدھر جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی غیبتیں سن اور سنا کر مزے لینے والے یاد رکھیں کہ سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت مبارکہ کے مطابق وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوج نوج کر کھا رہے ہیں۔ اپنی دُنیا تباہ اور آخرت برباد کر رہے ہیں اور اپنے لیے قبر کا عذاب تیار کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ایمان والو!

﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا ۖ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ۝﴾

”اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اُسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا، از حد مہربان ہے۔“

چغل خور کو قبر اور آخرت کا عذاب:

غیبت اور چغل خوری انسان کو دُنیا میں ذلیل و رسوا کر دیتی ہے، لوگ چغل خور سے نفرت کرتے اور اُسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مرنے کے بعد اُسے قبر کے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ رسول مقبول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس امر سے آگاہ فرمایا کہ ”غیبت“ قبر کے عذاب کا سبب ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِّنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ ثُمَّ قَالَ بَلَى كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ۔

(صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من الکبار ان لا یستر من بولہ)

”نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے باغات میں سے ایک باغ سے گزرے تو آپ ﷺ نے (وہاں مدفون) دو آدمیوں کی آواز سنی جنہیں اُن کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ان دونوں کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ اور انہیں کسی بڑے جرم کی وجہ سے عذاب نہیں

دیا جا رہا بلکہ صرف اس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے کہ ان میں سے ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔“

حضرات! ہم میں سے ہر شخص کو اس فرمانِ رسول ﷺ پر سنجیدگی اُسے غور کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ کی نظر میں ”غیبت“ کتنا بڑا گناہ اور تباہ کن جرم ہے اور ہمارے معاشرے کے اکثر مسلمان تو اس ”فن“ کے بڑے ماہر، تجربہ کار اور اسپیشلسٹ ہیں۔ آپ کسی محفل میں چلے جائیں، کسی مجلس میں بیٹھ جائیں یا کسی اجتماع میں شریک ہو جائیں، وہاں آپ کو اکثر لوگ یہی کام کرتے نظر آئیں گے۔ کوئی کسی کی غیبت کر رہا ہے تو کوئی دوسرے کی چغلی کھا رہا ہے۔ کوئی دوستوں کی عیب جوئی کر رہا ہے اور کوئی رشتے داروں کی خامیاں گنوا رہا ہے۔ کوئی ہمسایوں پر کچڑا چھال رہا ہے تو کوئی محلے داروں کے نقائص پر تبصرہ کر رہا ہے۔ جبکہ میرے اور آپ کے آقا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے غیبت کرنے والے کو قبر کے عذاب کا مستحق قرار دیا ہے اور قرآن مجید نے اس قبیح فعل کے مرتکب کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا قرار دیا ہے۔

چغل خور کے لیے یہ سلسلہ عذاب صرف قبر تک محدود نہیں ہے بلکہ آخرت اور حشر میں ایسے بد بخت کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ رسولِ محترم ﷺ جب سفر معراج پر تشریف لے گئے تو جہاں آپ ﷺ کو جنت کی سیر کروائی گئی وہاں مختلف جرائم کی سزاؤں کا بھی مشاہدہ کروایا گیا اور جن گناہوں کے مرتکبین کی سزائیں آپ کو دکھائی گئیں، اُن میں ایک ”غیبت“ بھی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے خادمِ خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَمَّا عُرِجَ بَنِي مَرْزُتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نَحَاسٍ يَخْشِمُونَ بِهَا وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقْعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ))
(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة)

”جب مجھے سفر معراج پر لے جایا گیا تو میرا گزرا ایسے لوگوں کے قریب سے ہوا،

جن کے ناخن تانے کے تھے اور وہ اُن ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ تو میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو انسانوں کا گوشت کھاتے یعنی لوگوں کی غیبتیں کرتے اور اُن کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔“

کوئی غیبت اور چغل خوری کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ وہ کوئی معمولی گناہ کر رہا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ کسی کی غیبت کر کے اپنے آپ کو جنت سے محروم کر رہا اور اپنے لیے جہنم کو واجب کر رہا ہے لہذا ہمیں اپنے آپ کو بدلنا چاہیے۔ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے اور کوئی ایسی حرکت ہرگز نہیں کرنی چاہیے جو معاشرے میں فساد و انتشار کا سبب ہو۔

سبب نزول:

رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ سفر پر تشریف لے جاتے تو ایک شخص کو جو سفری اخراجات کا متحمل نہ ہوتا، دو صاحب حیثیت افراد کا معاون و خادم مقرر فرما دیتے۔ وہ شخص ان کے قیام و طعام کا انتظام کرتا اور یہ دونوں اس کے سفری اخراجات براشت کرتے تھے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ:

”جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سفر میں دو آدمیوں کا معاون مقرر کیا گیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے قیام و طعام کے انتظامات کیلئے قافلے سے آگے نکل گئے اور قیام کی محوِ زہ جگہ پر خیمہ نصب کرنے اور کھانے کا بندوبست کرنے کی بجائے سفر کی تھکاوٹ کے باعث لیٹ گئے اور لیٹتے ہی گہری نیند سو گئے۔ جب وہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما پڑاؤ کی جگہ پہنچے تو جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سویا ہوا دیکھ کر خود خیمہ نصب کیا اور آپس میں جناب سلمان رضی اللہ عنہ کی سستی اور کاہلی کا ذکر کرنے کے بعد انہیں جگا کر پوچھا کہ کیا کھانا بھی تیار کیا ہے یا نہیں؟ جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے نیند آگئی تھی۔ اس لیے میں تو کوئی انتظام نہیں کر سکا۔ اب ان دونوں نے جناب سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور ہمارے لیے کھانے کی درخواست کرو۔“

چنانچہ جناب سلمان رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کرنے کے بعد اشیاء خور و نوش کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے خازن اور پڑاؤ کے مہتمم جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور انہیں میرا پیغام دو کہ اگر طعام و ادام (سالن) ہے تو وہ آپ کو دے دیں۔ جب جناب سلمان رضی اللہ عنہ نے جناب اسامہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ جناب سلمان رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو اسامہ رضی اللہ عنہ کے قول کی اطلاع دی تو انہوں نے کہا کہ۔ اسامہ کے پاس کھانا تو تھا مگر انہوں نے بخل سے کام لیا اور آپ کو کھانا نہیں دیا۔ پھر انہوں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خیموں میں حصول طعام کیلئے بھیجا مگر وہاں سے بھی کچھ نہ ملا اور وہ ناکام لوٹ آئے۔ اب دونوں ساتھیوں نے (سلمان رضی اللہ عنہ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے) کہا کہ ”اگر ہم تمہیں کسی جاری کنویں کی طرف پانی لینے بھیجیں گے تو تمہیں دیکھ کر وہ بھی خشک ہو جائے گا۔“ پھر یہ دونوں تحقیق حال کیلئے جناب اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہ کیا واقعی ان کے پاس کھانا موجود نہیں تھا یا انہوں نے بخل سے کام لیتے ہوئے کھانا دینے سے انکار کیا۔ جب یہ دونوں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”کیا وجہ ہے کہ مجھے تمہارے مونہوں سے گوشت کی بو آرہی ہے۔“ دونوں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم، ہم نے تو آج دن بھر گوشت نہیں کھایا۔ (بلکہ ہمیں تو آج کھانے کیلئے کچھ بھی میسر نہیں آیا) تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ۔ تم سلمان اور اسامہ رضی اللہ عنہما (کی غیبت کر کے ان) کا گوشت کھاتے رہے ہو۔“

(تفسیر مظہری، سورۃ الحجرات آیت ۱۲)

جب رسول اکرم ﷺ نے غیبت کو اپنے مسلمان بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس کی قباحت و شاعت بیان فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت سورۃ الحجرات کی یہ آیت

نازل فرمادی کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

”اے اہل ایمان! زیادہ بدگمانیوں سے اجتناب کرو۔ بلکہ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور کسی کی عیب جوئی نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا، از حد مہربان ہے۔“

مولانا سید الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

”ان قرآنی الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس فعل کے انتہائی گھناؤنا ہونے کا تصور دلایا ہے۔ مردار کا گوشت کھانا بجائے خود نفرت کے قابل ہے، کجا کہ وہ گوشت بھی کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا ہو، اور انسان بھی کوئی اور نہیں خود اپنا بھائی ہو۔ پھر اس تشبیہ کو سوالیہ انداز میں پیش کر کے اور زیادہ مؤثر بنادیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنے ضمیر سے پوچھ کر خود فیصلہ کرے کہ آیا وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے لیے تیار ہے؟ اگر نہیں ہے اور اس کی فطرت اس چیز سے گھن کھاتی ہے تو آخر وہ کیسے یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے ایک مومن بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرے جہاں وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا اور جہاں اس کو یہ خبر تک نہیں ہے کہ اس کی بے عزتی کی جارہی ہے؟ اس ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ غیبت کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ اس شخص کی دل آزاری نہیں ہے جس کی غیبت کی گئی ہو، بلکہ کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کرنا بجائے خود حرام ہے قطع نظر اس سے کہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور اس کو اس فعل سے اذیت پہنچے یا نہ پہنچے۔ ظاہر ہے کہ مرے ہوئے آدمی کا گوشت کھانا اس لیے حرام نہیں ہے کہ مردے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ مردہ بے چارہ تو اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ

اس کے مرنے کے بعد کوئی اس کی لاش بھنوڑ رہا ہے۔ مگر یہ فعل بجائے خود ایک نہایت گھناؤ
 نا فعل ہے۔ اسی طرح جس شخص کی غیبت کی گئی ہو اس کو بھی اگر کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع نہ
 پہنچے تو وہ عمر بھر اس بات سے بے خبر رہے گا کہ کہاں کس شخص نے کب اس کی عزت پر کن
 لوگوں کے سامنے حملہ کیا تھا اور اس کی وجہ سے کس کس کی نظر میں وہ ذلیل و حقیر ہو کر رہ گیا۔
 اس بے خبری کی وجہ سے اسے اس غیبت کی سرے سے کوئی اذیت نہ پہنچے گی، مگر اس کی عزت
 پر بہر حال اس سے حرف آئے گا۔ اس لیے یہ فعل اپنی نوعیت میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے
 سے مختلف نہیں ہے۔“

مردار کا گوشت کھانا:

حضرات! کسی کی عدم موجودگی میں اس کے عیوب بیان کرنا ”غیبت“ اور اگر وہ
 خامیاں اس میں موجود ہی نہ ہوں اور اس کی طرف منسوب کی جائیں تو یہ ”بہتان“ اور اگر دو
 آدمیوں کو لڑانے کیلئے ان کی باتیں ایک دوسرے کو پہنچائی جائیں تو یہ ”چغلی“ ہے۔ شریعت
 اسلامیہ میں ان تینوں چیزوں کو ممنوع، ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے اور غیبت جیسے فبیح فعل کو
 مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ کیونکہ جس طرح کسی مردار کا گوشت
 کھایا جائے تو اسے علم نہیں ہوتا کہ اُس کا گوشت کھایا جا رہا ہے، اسی طرح جس شخص کا عیب
 پس پشت بیان کیا جائے اسے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی خامیاں اس کی عدم موجودگی
 میں بیان کی جا رہی ہیں۔ نیز جس طرح مردار کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح کسی مسلمان کی
 غیبت کرنا بھی حرام ہے اور جب کسی مسلمان کی غیبت کی جائے تو وہ اپنے واقف کاروں کی
 نظروں میں حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے اور کسی مسلمان کو بے عزت، بدنام اور ذلیل کرنا شرعاً ناجائز
 اور حرام ہے۔ اور اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جس طرح کوئی شخص مردار کھانے سے اجتناب
 کرتا ہے۔ اسی طرح اسے کسی مسلمان کی غیبت کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اس امر کی
 وضاحت رسول مقبول ﷺ نے یوں فرمائی۔

”صحابی رسول جناب ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ جنہیں ان کے اعتراف زنا کے بعد رجم کر
 دیا گیا تھا۔ کے بارے میں ان کے دو ساتھی راہ چلتے یہ گفتگو کر رہے تھے کہ۔

دیکھو! اس شخص کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا تھا مگر اس نے خود اپنی جان نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ اسے کتے کی طرح سنگسار کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن کر خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آپ ﷺ تھوڑی دیر چلتے رہے حتیٰ کہ آپ ایک مرے ہوئے بدبودار گدھے کی لاش کے قریب سے گزرے تو فرمایا۔ وہ فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ ہم یہاں ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اِنْزِلَا فَكُلَا مِنْ جِيفَةِ الْحِمَارِ۔ اپنی سواریوں سے اترو، اور اس مردہ گدھے کو کھاؤ۔ انہوں نے عرض کی۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! مَنْ يَأْكُلُ مِنْ هَذَا۔ اسے کون کھائے گا؟ آپ ﷺ نے ان کا جواب سن کر فرمایا۔ فَمَا نَلْتُمَا مِنْ عَرَضٍ اَخِيْكُمَا اِنْفَا اَشَدُّ مِنْ اَكْلِ مِنْهُ۔ تم نے جواب بھی اپنے بھائی کی عزت پامال کی ہے یعنی اس کی غیبت کے ذریعے اس کے خلاف حرف گیری کی ہے۔ وہ اس مردہ گدھے کی لاش کا گوشت کھانے سے زیادہ بری تھی۔ اور سنو! جسے تم نے ہدف تنقید بنایا ہے۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّهُ الْاَنَ لَفِي اَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْقَمِسُ فِيْهَا۔ مجھے اس ذات الہ کی قسم، جس سے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ وہ تو اب جنت کے دریاؤں میں غوطہ زنی کر رہا ہے۔“

(سنن ابی داؤد۔ کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک)

غیبت کے جواز کی صورتیں:

اب تک کی ساری گفتگو اور گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ غیبت ایک بہت بڑا گناہ، جرم عظیم اور فعل حرام ہے۔ اس حرمت سے صرف وہ چند صورتیں مستثنیٰ ہیں جن میں کسی شخص کے پس پشت اس کی برائی بیان کرنے کی ایسی ناگزیر ضرورت ہو جو شریعت کی رو سے جائز ہو اور وہ ضرورت غیبت کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو۔ اور غیبت نہ کرنے کی صورت میں اس سے بڑی برائی لازم آتی ہو۔ اس استثناء کی اجازت نبی اکرم ﷺ کے فرمان ذی شان سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جناب سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

((إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرَّبَا الْأَسْتَطَالَةَ فِي عَرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقِّ))

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیۃ)

”زیادتیوں میں سے سب سے بڑی زیادتی، کسی مسلمان کی عزت و آبرو پر ناحق حملہ کرنا ہے۔“

اس فرمان رسول میں ”بِغَيْرِ حَقِّ“ کی قید اس امر کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ حق کی بناء پر ایسا کرنا جائز ہے اور قرآن و حدیث میں دیگر کئی ایسے ارشادات بلکہ صراحتیں موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ بعض مواقع پر کسی کی غیر موجودگی میں اس کے عیوب و نقائص اور خامیوں کو بیان کرنا جائز اور حلال ہے۔ آئیے! طوالت میں جائے بغیر آخر میں ان صورتوں کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں جن میں کسی کی غیبت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اس وضاحت سے مقصود صرف یہ ہے کہ موضوع کا کوئی حصہ تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔

معروف محدث اور صحیح مسلم کے شارح امام یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

إِعْلَمَنَّ أَنَّ الْغَيْبَةَ تُبَاحُ لِغَرَضٍ صَحِيحٍ شَرْعِيٍّ لَا يُمَكِّنُ
الْوُصُولُ إِلَيْهِ إِلَّا بِهَا وَهُوَ سِتَّةٌ أَسْبَابُ۔

(ریاض الصالحین، باب بیان ما ینباح من الغیۃ)

”معلوم ہونا چاہیے کہ کسی شرعی مقصد کیلئے غیبت کرنا جائز ہے جبکہ اُس کے بغیر اس شرعی مقصد تک پہنچنا ممکن نہ ہو اور جواز غیبت کے اسباب چھ ہیں۔“

(۱) ظلم کی شکایت کرنا:

مظلوم کیلئے جائز اور مباح ہے کہ وہ بادشاہ، قاضی، جج، حاکم یا مجاز افسر کے روبرو ظالم کے ظلم کو بیان کرے تاکہ اسے انصاف اور ظالم کو سزا مل سکے، اگر مظلوم، ظالم کی غیبت نہ کرے یعنی اس کے ظلم کا پردہ چاک نہ کرے تو اس کا حق برباد ہو جائے گا اور ظالم کو مزید ظلم کرنے کا موقع ملے گا۔ مظلوم کیلئے مجاز اتھارٹی کے سامنے ظالم کی غیبت کا جواز قرآن کریم کی اس آیت سے ملتا ہے۔ فرمان الہی ہے۔

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْدَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا

عَلَيْهَا ﴿١٣٨﴾ (٣/ النساء: ١٣٨)

”اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص دوسرے کے متعلق اعلانیہ بری بات کرے إِلَّا یہ کہ اس پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔“

احادیث مبارکات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ظالم و غاصب فوت ہو چکا ہو تو اس کی وفات کے بعد بھی حاکم و قاضی کے روبرو اس کے ظلم و غصب کی داستان سنائی جاسکتی اور اپنا حق حاصل کرنے کیلئے اس کی غیبت کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ جناب اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”حضرموت کے ایک شخص اور قبیلہ کندہ کے ایک آدمی کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ حضرت موت کے باشندے نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے شکایت کی کہ قبیلہ کندہ کے اس شخص کے والد نے میری یمن والی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا اور اب وہ زمین اس شخص کے پاس ہے۔ لہذا اس کا قبضہ چھڑوا کر میری زمین مجھے دلوائی جائے۔ آپ ﷺ نے مدعی سے فرمایا، کیا تیرے پاس اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل یا گواہ ہے۔؟ اس نے عرض کی میرے پاس کوئی گواہ تو نہیں ہے البتہ اگر یہ کندی اس بات پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے کہ یہ نہیں جانتا کہ یہ زمین میری ہے اور اس کے باپ نے غاصبانہ قبضہ کیا ہے (تو میں اس کی قسم کا اعتبار کرتے ہوئے دستبردار ہونے کو تیار ہوں) حضرت موتی کا یہ مطالبہ سن کر کندی قسم کھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((لَا يَقْتَطِعُ أَحَدٌ مَالًا بِيَمِينٍ إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ أَجْزَمُ))

جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی کے مال پر قبضہ کرے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے۔ آپ ﷺ کی یہ وعید سن کر کندی نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ زمین اسی حضرت موتی کی ہے۔“

(سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والندو، باب فی من حلف لیقطع بہاملا)

یہ حدیث مبارکہ بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کوئی شخص اپنا حق حاصل کرنے کیلئے زیادتی کرنے والے شخص کی غیبت حاکم، قاضی، پنچایت اور مجاز افسر کے روبرو کر سکتا ہے تاکہ وہ انصاف کر کے اس کا حق اسے دلوا سکے۔ کیونکہ اگر وہ حاکم کے سامنے ظالم و غاصب کی غیبت نہیں کرے گا اور اسے حقیقت حال سے پوری طرح آگاہ نہیں کرے گا تو اس کا حق تلف ہو جائے گا اور ظالم اپنے ظلم میں مزید آگے بڑھتا جائے گا جس سے معاشرہ فساد و انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

(۲) غیبت برائے اصلاح عیوب:

اگر کوئی شخص واقعتاً کسی گناہ، معصیت اور عیب میں مبتلا ہو تو اس کی خبر کسی ایسے شخص کو دینا جو اسے نصیحت کر کے اس گناہ سے روک سکے مثلاً اولاد کے گناہوں کی اطلاع والدین کو دینا، شاگردوں کی خامیاں استاد کو بتانا، ماتحت عملے کے عیوب سے افسران بالا کو آگاہ کرنا اور قاضی کی بری حرکات سے سلطان کو مطلع کرنا مباح، جائز اور درست ہے اور شریعت اسلامیہ میں ایسی غیبت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح کی غیبت کی مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات اور احادیث مبارکات سے بھی ملتی ہیں جیسا حدیث کی معتبر کتاب صحیح مسلم میں جناب عمیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”مجھے میرے آقا جناب ابواللحم رضی اللہ عنہ نے گوشت بھوننے کا حکم دیا۔ میں یہ کام کر رہا تھا کہ میرے پاس ایک مسکین آگیا تو میں نے اس میں سے کچھ حصہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اس مسکین کو کھلا دیا۔ جب جناب ابواللحم رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے مجھے مارا۔ فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ۔ پس میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا سنایا اور اپنے آقا کی شکایت کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا کر پوچھا کہ۔ لَمْ ضَرْبَتْهُ۔ تم نے اسے کیوں مارا ہے۔؟ انہوں نے عرض کی کہ اس نے میری اجازت کے بغیر میرا کھانا مسکین کو دے دیا تھا۔ جناب ابواللحم رضی اللہ عنہ کا

جواب سن کر آپ ﷺ نے فرمایا (یہ غلام جو صدقہ کرے گا اس کا) آدھا ثواب تمہیں ملے گا۔“

(صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ما نفق العبد من مال مولاه)

آپ نے غور فرمایا کہ غلام نے اپنے آقا کی غیبت رسول اکرم ﷺ کے سامنے کی تاکہ آپ اسے سمجھائیں اور وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے، چنانچہ آپ ﷺ نے آقا کو بلا کر اسے سمجھا دیا اور معاملے کی اصلاح فرمادی۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اصلاح عیوب کی غرض سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے بیٹے کی غیبت کی تو آپ ﷺ بیٹے کو باپ کا حکم ماننے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

”مجھے اپنی ایک بیوی سے بڑی محبت تھی لیکن میرے والد محترم جناب عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند فرماتے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ اسے طلاق دے دو۔ میں نے طلاق دینے سے انکار کیا تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے میری شکایت کی تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔“

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین)

اس واقعہ سے بھی بات واضح ہوگئی کہ بغرض اصلاح یا اختیار اور ذمہ دار فرد کے سامنے کسی کا عیب بیان کرنا جائز ہے اور یہ شکایت ممنوع غیبت کے زمرے میں نہیں آتی۔

(۳) غیبت بغرض استفتاء:

کسی مفتی، عالم یا امام سے فتویٰ طلب کرنے اور مسئلہ پوچھنے کیلئے کسی شخص کا عیب بیان کرنے میں کوئی ممانعت اور حرج نہیں ہے مثلاً کسی مفتی کو یہ بتانا کہ میرے والد کی جائیداد پر میرے فلاں عزیز نے قبضہ کر رکھا ہے۔ اور مجھے میرا حصہ دینے کیلئے تیار نہیں ہے اس بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ یا میرا فلاں رشتہ دار میرے ساتھ فلاں معاملہ میں برا سلوک کر رہا ہے، قطع رحمی کرتا ہے اور میری حق تلفی کرتا ہے۔ مجھے شرعی مسئلہ بتایا جائے کہ میں اس کے ساتھ کیا رویہ اپناؤں؟ مختصر یہ کہ کسی معاملے میں شرعی حکم جاننے کیلئے کسی جید عالم دین اور مفتی

کے سامنے کسی کا عیب بیان کرنا شرعی طور پر جائز ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا دربار رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

((إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ لَا يُعْطِينِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِينِي وَيَكْفِي بَنِيَّ إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكَ وَيَكْفِي بَنِيكَ))

(صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب قضیہ ہند)

”ابوسفیان رضی اللہ عنہ بخیل آدمی ہیں وہ مجھے اتنا خرچہ بھی نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کیلئے کافی ہو۔ مگر یہ کہ میں ان کے علم میں لائے بغیر ان کے مال میں کچھ لے لوں۔ کیا مجھے اس پر کوئی گناہ تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا۔ تم دستور کے مطابق اتنا مال لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔“

اس حدیث سے اس امر کی وضاحت اور صراحت ہو گئی کہ فتویٰ طلب کرنے اور مسئلہ پوچھنے کیلئے کسی کی غیر موجودگی میں اس کا عیب بیان کرنا غیبت کے زمرے میں نہیں آتا۔ لیکن اس معاملے میں بھی افضل، محتاط اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی کا نام لیے بغیر سوال کیا جائے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((وَلَكِنَّ الْأَخْوَاطَ وَالْأَفْضَلَ أَنْ يَقُولَ مَا تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَوْ شَخْصٍ أَوْ زَوْجٍ كَانَ مِنْ أَمْرِهِ كَذَا؟ فَإِنَّهُ يَحْصُلُ بِهِ الْغَرَضُ مِنْ غَيْرِ تَعْيِينٍ وَمَعَ ذَلِكَ فَالْتَّعِينُ جَائِزٌ))

(ریاض الصالحین، باب بیان مایا ح من الغیبة)

”اور لیکن سائل کیلئے زیادہ محتاط اور افضل طریقہ یہ ہے کہ وہ سوال اس طرح کرے کہ ایسے آدمی، شخص یا خاوند کے بارے میں کیا حکم ہے جس کا رویہ اور معاملہ ایسا ایسا ہے؟ اس طرح کسی کام نام لیے بغیر ہی مقصد حل ہو جائے گا، تاہم

اس کے باوجود مسئلہ معلوم کرنے کیلئے کسی متعین شخص کا نام لینا بھی جائز ہے۔“

(۴) غیبت برائے مصلحت عامہ:

اگر کسی شخص کے عیوب اور گناہوں کی وجہ سے معاشرے کے بگاڑ اور فساد کا یقین ہو تو عام لوگوں کو اس کے شر سے بچانے کیلئے متعلقہ افراد کے روبرو اس کی غیبت جائز اور درست ہے مثلاً کوئی آدمی سرعام شراب پیتا، بدکاری کرتا، اور ناجائز طریقوں سے لوگوں سے مال بھرتا یا اعلانیہ فسق و فجور کرتا، بدعات کو رواج دیتا، شرک کی نشر و اشاعت کرتا اور عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مصلحت عامہ کی خاطر ایسے بدکردار شخص کے حالات سے لوگوں کو آگاہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ کارِ ثواب اور نیکی کا کام ہے۔ اس کی دلیل ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی وہ حدیث مبارکہ ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں ذکر فرمایا ہے کہ:

((اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنْ ذُنُوبًا لَكَ بِشَسِّ أَخِي الْعَشِيرَةِ أَوْ ابْنِ الْعَشِيرَةِ فَلَمَّا دَخَلَ الْآنَ لَهُ الْكَلَامَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْتُ الَّذِي قُلْتَ ثُمَّ أَنْتَ لَهُ الْكَلَامَ قَالَ أَيْ عَائِشَةُ إِنْ شَرَّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَّعَهُ النَّاسُ اتَّقَاءَ فُحْشِهِ)) (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یجوز من انتہاب اہل الفساد والریب)

”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسے اجازت دے دو۔ یہ اپنے خاندان کا بدترین آدمی ہے۔ جب وہ شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ اس کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آئے اور بڑی نرمی اور ملائمت کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (اس آدمی کے چلے جانے کے بعد) میں نے عرض کی:

اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اس شخص کے بارے میں پہلے تو کہا جو کہا تھا پھر آپ اس کے ساتھ نرم لہجے میں گفتگو فرماتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ! بدترین آدمی وہ ہے جسے لوگ اس کی بد اخلاقی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ یعنی

وہ تو برا آدمی ہے میں تو ایسا نہیں ہوں، مجھے تو اس کے ساتھ حسن اخلاق سے ہی پیش آنا تھا۔“

آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے کردار و حالت سے قبل از ملاقات آگاہ فرمادیا تاکہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اس کی ملاقات کی بناء پر اس کے برے کردار سے غافل نہ رہیں اور اس کی ظاہری حالت سے دھوکہ نہ کھا جائیں۔ لہذا عوام الناس کو ایسے بد کرداروں کے جال سے بچانے کیلئے اور مصلحت عامہ کی خاطر معاشرے کے برے لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے۔

اسی طرح احادیث رسول ﷺ بیان کرنے والے راویوں کی چھان پھٹک، ان کے حالات و واقعات سے آگاہ ہی اور مجروح راویوں پر جرح و تنقید بھی نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے تاکہ نبی اکرم، رسول معظم ﷺ کی ذات گرامی کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔

(۵) غیبت برائے مشورہ:

غیبت کے جواز کی پانچویں صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی سے تعلقات قائم کرنے، اس کے ساتھ مشترکہ کاروبار کرنے، رشتہ طے کرنے، قرض دینے، اس کے پاس امانت رکھنے، ہمسائیگی اختیار کرنے یا کسی بھی قسم کے معاملات کے بارے میں مشورہ طلب کرے اور جس سے مشورہ طلب کیا جا رہا ہے اسے اس شخص کے اچھے برے حالات سے پوری آگاہی ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ مشورہ طلب کرنے والے کی درست رہنمائی کرے، اس شخص کے بارے میں تمام معلومات فراہم کرے اور اس کے عیوب و نقائص سے بھی طالب مشورہ کو پوری طرح آگاہ کرے تاکہ وہ اس کے دام تزویر میں پھنسنے سے محفوظ رہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی ایک صحابیہ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا خود اپنا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ:

”میرے خاوند ابو عمرو بن حفص نے جب مجھے تیسری طلاق دے دی تو بعد از تکمیل عدت میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ابو جہم رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح بھیجا ہے اور میں آپ کے پاس مشورہ کرنے کیلئے حاضر ہوئی ہوں کہ

میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُغْلُوكَ لَا مَالَ لَهُ - إِنَّكَ حَيَّيْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَكَرِهْتُهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّكَ حَيَّيْ أُسَامَةَ فَكَرِهْتُهُ فَجَعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا وَاعْتَبِطْتُ بِهِ))
(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لانفقه لها)

”ابو جہم رضی اللہ عنہ تو ایسا آدمی ہے کہ وہ اپنی لاٹھی کندھے سے نہیں اتارتا (یعنی عورتوں کو بہت مارتا ہے یا ہر وقت سفر میں ہی رہتا ہے) اور معاویہ رضی اللہ عنہ مفلس آدمی ہے، اُس کے پاس مال ہی نہیں ہے۔ تم ایسا کرو کہ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر لو۔ فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے یہ مشورہ اچھا نہ لگا تو آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: تم اُسامہ سے نکاح کر لو (اچھی رہو گی) چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے جناب اُسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت خیر و برکت عطاء فرمائی حتیٰ کہ دوسری عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔“

آپ نے غور فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے سامنے جناب معاویہ اور ابو جہم رضی اللہ عنہما کے حالات اور عادات کو واضح فرمایا اور اُن کی بہتر راہنمائی فرمائی۔ لہذا معلوم ہوا کہ مشورہ دیتے وقت کسی کے عیوب و نقائص اور خامیوں سے آگاہ کرنا جائز، حلال اور درست اور حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

(۶) معروف نام سے پکارنا:

جو لوگ کسی برے لقب کے ساتھ اتنے زیادہ مشہور ہو چکے ہوں کہ وہ اُس لقب کے سوا کسی اور نام سے پہچانے ہی نہ جائیں مثلاً أعرج (لنگڑا) اعمش (چندھا) وغیرہ تو اُن کے لیے وہ لقب برائے تعارف استعمال کرنا جائز ہے تاہم بغرض توہین و تنقیص ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔
حضرات! ان چھ مستثنیٰ صورتوں کے علاوہ کسی کی غیبت کرنا یعنی اُس کی غیر موجودگی میں اُس کے گناہوں، نقائص اور عیوب کا اس انداز سے تذکرہ کرنا جو اُسے ناپسند ہو، قطعاً

حرام، ناجائز اور ممنوع ہے اور اسی اہم حکم کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ١٠﴾

(۴۹/ الحجرات: ۱۲)

”اے اہل ایمان! زیادہ بدگمانیوں سے اجتناب کرو۔ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم کسی کے عیب نہ تلاش کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے۔ پس تم اُسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا از حد مہربان ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خالق ارض و سماء تمام مسلمانوں کو غیبت جیسے فعل حرام سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

انسانی مساوات

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
 لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾﴾
 (۲۹/ الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں
 اور قبیلے اس لیے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ تعالیٰ کے
 ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہو، بے
 شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، باخبر ہے۔“

حمد و ثناء اور تعریف و تحمید کے تمام کلمات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کیلئے خاص ہیں جو ساری
 کائنات کا خالق و مالک اور حاکم و رازق ہے، وہ ہر قسم کے شرک سے مبرا اور پاک ذات
 ہے، وہی احد، صمد، لم یلد اور لم یولد ہے۔

اللہ رب العزت ہماری طرف سے لاتعداد درود و سلام اور برکات نال فرمائے اس
 ذات گرامی پر جن کا نام نامی اسم گرامی جناب محمد مصطفیٰؐ اور احمد مجتبیٰؐ ہے ﷺ جنہیں اللہ رحیم
 و کریم نے محسن کائنات، ہادی کائنات اور رحمت کائنات بنا کر مبعوث فرمایا جو خاتم الانبیاء،
 شافع روز جزا اور سراپا صدق و وفا ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
 اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
 اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی
 اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

رہا آیات:

سورۃ الحجرات کی پچھلی آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے چند ایسے اصولوں کی پابندی اور قواعد کی پاس داری کا حکم فرمایا جن پر عمل کر کے مسلم معاشرے کو فساد و انتشار، اختلاف و افتراق اور فتنہ و بد امنی سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کو مخاطب کر کے برابری، مساوات اور باہمی معاونت کی تلقین فرمائی ہے۔ پوری نوع انسانی کو ایک لڑی میں پروئے جانے کے قواعد و ضوابط بیان فرمائے ہیں اور معاشرے میں تفاخر و تنافر پھیلانے والے تعصبات و امتیازات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی تاکید فرمائی ہے۔

موجودہ دور میں رنگ، نسل، قوم، وطن اور زبان کے تعصب کو بنیاد بنا کر پوری انسانیت کو کئی گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جو ہر وقت باہم لڑائیوں اور جھگڑوں میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ کسی کو اپنی قومیت پر ناز ہے اور کوئی اپنے رنگ پر فخر کر رہا ہے۔ کچھ لوگ اپنی زبان پر نازاں ہیں اور کچھ اپنے وطن کے تعصب پر فرحان۔ کوئی سید کہلا کر اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی صدیقی، فاروقی، علوی اور عثمانی کے امتیازات کو ہوادے کر اپنی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ کوئی اپنے نام کی ساتھ اپنی قوم اور قبیلے کا لاحقہ لگا کر اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے اور کوئی کسی سابقے کے ذریعے بڑا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ الغرض قومی اور بین الاقوامی اختلافات کی اصل بنیاد یہی تعصبات و امتیازات ہیں جو پوری دنیا کا امن و سکون تباہ و برباد کر رہے ہیں اور انتشار و افتراق کا سبب بن رہے ہیں۔

تفاخر و تنافر کا یہ سلسلہ صرف غیر مہذب، جاہل اور غیر تعلیم یافتہ اقوام و افراد تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا کی مہذب، تعلیم یافتہ اور شائستگی کی دعوے دار اقوام بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں اور زبان، رنگ، نسل، وطن اور قوم کی بنیاد پر جنگ و جدل اور شرانگیزی کا طوفان بدتمیزی برپا کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے پڑوس کا ملک ”بھارت“ جو پوری دنیا میں سب سے بڑا جمہوری ملک ہونے کا دعوے دار ہے۔ وہاں یہ طبقاتی نظام اپنی تمام تر برائیوں کے ساتھ نہ صرف قائم ہے بلکہ روز بروز ترقی حاصل کر رہا ہے، ہندوؤں نے نسل انسانی کو چار ذاتوں (۱) برہمن (۲)

کھتری (۳) ویش اور (۴) شودر میں تقسیم کر رکھا ہے۔ وہاں آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ادنیٰ ذات کے ہندو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے مندروں میں عبادت کیلئے نہیں جاسکتے اور کم تر ذات والے بلند تر ذات کے کنوؤں سے پانی نہیں بھر سکتے۔

مختصر یہ کہ ہندو مذہب میں انسانوں کی برابری اور مساوات کا تصور ہی مفقود ہے۔ وہاں ذاتوں کی تقسیم ابدی اور دائمی ہے اور کوئی شودر کسی اعلیٰ ذات کے ہندو کے برابر بیٹھنے اور اس جیسی سہولیات حاصل ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ اسی طرح امریکہ جسے اپنے سپر پاور ہونے پر بڑا ناز اور فخر ہے اور جو اپنے آپ کو ساری دنیا کا تھانیدار اور ٹھیکے دار سمجھتا ہے وہاں کالے اور گورے کے درمیان امتیاز و تفریق اور طبقاتی تقسیم کا عالم یہ ہے کہ گوروں کے ہوٹلوں میں کوئی کالا داخل نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر ہوٹلوں کے دروازوں پر واضح الفاظ میں لکھا ہوتا ہے کہ ”یہاں سیاہ فام لوگوں کا داخلہ ممنوع ہے“ اور سفید فام باشندوں کے سکول، کالج اور تعلیمی ادارے الگ ہیں جہاں کوئی سیاہ فام تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔ جبکہ اسلام، قرآن اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق وطنیت، قومیت، نسل اور زبان کے امتیازات کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ بحیثیت انسان تمام لوگ برابر کے حقوق رکھنے والے اور ایک ہی آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں۔

سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ نے امتیازات و تعصبات کے ان تمام بُھوں کو پاش پاش کر دیا ہے جن پر مختلف قوموں اور فرقوں نے اپنی برتری اور فوقیت کے ایوان تعمیر کیے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝﴾
(۴۹/ الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا اور تمہارے خاندان اور قبیلے اس لیے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے،

بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، باخبر ہے۔“

اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں اس امر کی وضاحت اور صراحت فرمادی کہ اے انسانوں! تم سارے کے سارے ایک ہی ماں ”حوا“ اور ایک ہی باپ ”آدم“ کی اولاد ہو کیونکہ تمہاری نسلوں کا سلسلہ اسی ایک اصل سے جا کر ملتا ہے۔ اور یاد رکھو تمہارا خالق بھی ایک ہے..... تم سب کا مادہ تخلیق بھی یکساں ہے..... اور تمہارا طریقہ پیدائش بھی ایک جیسا ہی ہے۔ اس قدر یکسانیت اور اپنائیت کے باوجود تمہارا ایک دوسرے پر فوقیت، برتری اور فضیلت کا دعویٰ نادانی، کم فہمی اور جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

اے گروہ انساناں! یاد رکھو تمہارا قبائل، خاندانوں، ذاتوں اور برادریوں میں تقسیم ہونا بعض کے برتر اور بعض کے کم تر ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ فرق و امتیاز تو محض تعارف، پہچان اور ایک دوسرے کی واقفیت کے لیے ہے۔ اور یہ بات بھی قابل غور اور لائق توجہ ہے کہ کسی شخص کا کسی خاندان میں پیدا ہونا، کسی علاقے میں پیدا ہونا اور کوئی خاص رنگ لے کر پیدا ہونا، کسی بھی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے اور اس میں کسی قسم کی انسانی کاوش کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ حکمت الہی کے تابع اور فیصلہ خداوندی کے مطابق ہے۔ جب ان معاملات میں انسان کا اپنا کوئی اختیار ہی نہیں ہے تو اُسے یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو وجہ افتخار قرار دے کر خود کو برتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنے کی جرأت اور جسارت کرے۔

ہاں! اگر کوئی چیز کسی انسان کو دوسرے انسانوں سے معزز، محترم اور برتر بنا سکتی اور بناتی ہے تو وہ اُس کی نیکی، طہارت، تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور اس کے حصول میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے علاوہ انسان کی اپنی کوشش، کاوش اور جدوجہد کا بھی عمل دخل ہے۔ لہذا اس آیت میں بنی نوع انسان کو ہدایت کی گئی ہے کہ تم خاندان، برادری، ذات اور رنگ و نسل اور زبان پر فخر و غرور کرنے کی بجائے اپنے اندر تقویٰ، خلوص اور للہیت پیدا کرنے کی کوشش کرو جس سے تم معاشرہ کے بھی معزز فرد بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ بھی تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

شان نزول:

جس دور، عہد اور زمانے میں ہادی اکرم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے تمام انسانوں کو

برابری، مساوات اور اخوت کا درس دیا اُس زمانے کے قریشی حسب و نسب کے فخر میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ وہ اپنے سواہر کسی کو حقیر اور کم تر گردانتے تھے، اپنی نسلی برتری کا برملا اظہار کرتے اور اپنے آباء و اجداد کے کارناموں پر اتراتے تھے۔ اُن کے فخر و غرور اور تکبر کا عالم یہ تھا کہ جب جنگ بدر میں دو قریشیوں کے مقابلے میں مدینہ طیبہ کے دو انصاری نو جوان میدان میں آئے تو انہوں نے کہا کہ ”اے محمد ﷺ تم ہمارے مقابلے میں مدینہ کے انصاریوں کو بھیج کر ہماری تلواروں کی تذلیل و توہین کر رہے ہو۔“ ان حالات میں جناب رسول اکرم ﷺ نے مساوات کا علم بلند کیا اور ہر قسم کے نسلی تفاخر کا قلع قمع کر کے محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ چنانچہ کتب تفاسیر میں سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

”فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ نے جناب بلال رضی اللہ عنہ (جو سیاہ فام حبشی آزاد کردہ غلام تھے) کو حکم فرمایا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں (یعنی توحید الہی اور رسالت محمدی کا اعلان فرمائیں) آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جب خانہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان شروع کی تو سردارِ مکہ جو اُس وقت صحن کعبہ میں موجود تھے۔ پر غم و الم کا کوہِ گراں گر پڑا اور انہوں نے اپنے حزن و ملال کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

قریش کے ایک رئیس عتاب بن اسید نے کہا کہ ”اللہ کا شکر ہے میرا باپ یہ روح فرسا منظر دیکھنے سے پہلے ہی وفات پا گیا“ دوسرا قریشی سردار حارث بن ہشام بولا ”کیا محمد (ﷺ) کو اس کا لے توڑے کے علاوہ کوئی مؤذن نہیں ملا“ (استغفر اللہ) رئیس مکہ سہیل بن عمرو نے مایوسی اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”اچھا، جو اللہ کی مرضی اگر وہ چاہے گا تو حالات بدل دے گا۔“ سردار مکہ ابوسفیان، بولا کہ میں تو مارے خوف کے زبان نہیں کھول سکتا کیونکہ میں جو لفظ بھی زبان سے نکالوں گا، اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اُس کی اطلاع محمد ﷺ کو پہنچا دے گا۔ چنانچہ اسی وقت جناب جبریل علیہ السلام خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ

کور و ساء قریش کے مابین ہونے والی گفتگو سے لفظ بلفظ آگاہ فرماتے ہوئے سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ کا نزول فرمایا۔ رسول محترم ﷺ نے ان زعماء قریش کو طلب کر کے ان کی سرزنش فرمائی اور انہیں وحی سے آگاہ فرمایا۔“

(تفسیر مظہری سورۃ الحجرات آیت: ۱۳)

اللہ رب العزت نے پوری انسانیت کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝﴾

(۲۹/ الحجرات: ۱۳)

”اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے تخلیق فرمایا ہے اور تمہیں مختلف خاندان اور برادریاں اس لیے بنایا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔“

خطبہ رسول ﷺ:

اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ حقیقت..... بحیثیت انسان تمام لوگ مساوی اور برابر ہیں کیونکہ تمام انسانوں کا خالق ایک، مادہ تخلیق ایک اور طریقہ تخلیق بھی ایک ہے۔ ذاتوں، برادریوں اور خاندانوں کی تقسیم صرف تعارف، پہچان اور واقفیت کے لیے ہے اور فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے..... کو نبی اکرم، رسول معظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں مختلف مواقع پر بڑے پرتاثر الفاظ، مؤثر انداز اور احسن پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے موتیوں جیسے کلمات کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ آئیے آپ کو تصورات کی دُنیا میں مکہ مکرمہ لیے چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو کعبۃ اللہ کی زیارت اور حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔

فتح مکہ کا موقع ہے، ماہ رمضان المبارک اور سن آٹھ ہجری ہے۔ دس ہزار جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر جرار امام الرسل ﷺ کی قیادت و سیادت میں مکہ معظمہ میں داخل ہو چکا

ہے اور بغیر کسی خاص مزاحمت اور رکاوٹ کے آپ ﷺ اُسی مقدس شہر کو فتح کر چکے ہیں جہاں سے آپ چند سال قبل اپنی جان بچانے کی خاطر رات کی تاریکی میں ہجرت کر گئے تھے۔ آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے اپنے دس ہزار فداکاروں کے ہمراہ جب حرم کعبہ میں تشریف لاتے ہیں تو یہاں عجیب منظر ہے۔ اہل مکہ گردنیں جھکائے، سر تسلیم خم کیے اور زبانوں کو تالے لگائے آپ ﷺ کے فیصلے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان باشندگانِ مکہ میں وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ اور آپ کے رفقاء پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے تھے، آپ ﷺ کے جسدِ اطہر پر سجدے کی حالت میں اُونٹ کی گندی او جڑی پھینکی تھی۔ آپ ﷺ کو خانہ کعبہ میں داخلے سے روک دیا تھا۔ آپ اور آپ کے ماننے والوں کو بلکتے بچوں سمیت تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا تھا، سوشل بائیکاٹ کیا تھا۔ آپ کو جلا وطن کرنے کا منصوبہ، قید کر دینے کا پروگرام اور آپ کے قتل کی سازش تیار کی تھی۔ آپ ﷺ کے صاحبزادوں کی وفات پر خوشیاں منائیں اور بیٹی کو اُونٹ سے گرا کر اس کا حمل ضائع کر دیا تھا۔ آپ کے فرماں برداروں کی زندگی اجیرن اور جینا محال کر دیا تھا۔

آج کعبۃ اللہ کے صحن میں وہ لوگ بھی جمع ہیں جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے اطاعت گزاروں کو سینکڑوں میل دور مدینہ (یثرب) میں بھی اطمینان و سکون سے زندہ رہنے کا حق نہ دیا اور مدینہ طیبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے کئی مرتبہ حملہ کر چکے تھے، ان لوگوں نے جنگ بدر میں چودہ صحابہ کرام اور غزوہٗ اُحد میں ستر کبار رفقاء رسول کو بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ ان میں واقعہٗ رَجِیع کے ذمہ دار شقی القلب بھی تھے اور مبلغینِ اسلام کے سفاک قاتل بھی۔

اگر آپ ﷺ چاہتے تو بیک جنبشِ زباں ان تمام مخالفینِ اسلام، دشمنانِ دین اور اعداءِ رسول کو تہ تیغ کر دیتے، ان کی گردنیں اڑوا دیتے اور صفحہٗ ہستی سے اُن کا نام و نشان مٹوا دیتے مگر سیرتِ رسول کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے کمال مہربانی، انتہائی شفقت اور رحمۃ للعالمین کا اظہار فرماتے ہوئے ان سب دشمنوں کو معاف فرما دیا اور انہیں اپنے دامنِ عفو میں پناہ عنایت فرما کر ہمیشہ کے لیے اپنا گرویدہ بنا لیا اور ”لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ

”الْيَوْمَ“ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ کامرزدہ جاں فزا سنا کر اُن سب کو اسلام کی حقانیت اور صداقت کا گواہ بنا لیا۔ اس خوشی، مسرت اور فرحت کے موقع پر آپ ﷺ نے سترہ یا انیس دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور ان ایام میں آپ ﷺ نے سرزمین مکہ پر کئی خطابات فرمائے، متعدد تقاریر کیں اور بہت سے خطبے ارشاد فرمائے۔ اُن خطابات رسول میں سے ایک خطبہ رسول آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ جس کا موضوع ہے ”انسانی مساوات“۔

صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی ”قصویٰ“ پر سوار ہو کر طوافِ کعبہ کی سعادت حاصل کی۔ مطافِ کعبہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور آپ ﷺ کی اونٹنی کو بٹھانے کے لیے بھی جگہ نہیں مل رہی تھی، آپ ﷺ لوگوں کے بازوؤں کا سہارا لے کر اونٹنی سے نیچے تشریف لائے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبْيَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظَمَهَا بِآبَائِهَا۔ فَالنَّاسُ رَجُلَانِ، رَجُلٌ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللَّهِ۔ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيْنٌ عَلَى اللَّهِ۔ وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

(جامع ترمذی، ابواب التفسیر باب من سورة الحجرات)

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی خامیاں دور فرمادی ہیں اور تمہیں آباء و اجداد کے باعث کیے جانے والے تکبر و غرور سے پاک کر دیا ہے۔ اب انسانوں کے دو ہی گروہ ہیں۔ (۱) نیک اور پرہیزگار لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز، مکرم اور محترم ہیں۔ (۲) بدکار اور بد بخت جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر، ذلیل اور کم تر ہیں۔ اور تمام انسان جناب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے تخلیق فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا

اور تمہیں مختلف برادریاں اور خاندان اس لیے بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔“

یہ ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عملی تربیت کا اثر تھا کہ سرزمین عرب سے ہر قسم کے نسلی تفاخر، قومی تکبر اور نسی وجاہیت کا خاتمہ ہو گیا اور ایسی عالم گیر برادری وجود میں آئی جس میں کالے اور گورے۔ حبشی اور رومی اور عربی و عجمی کا کوئی امتیاز نہیں تھا اور صہیب رومی، بلال حبشی، سلمان فارسی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا اور ان سب کو ایک جیسا احترام، اکرام اور اعزاز حاصل تھا۔

حسن زبصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاک مکہ ابو جہل، ایں چہ بواجبی است

دوسرا شان نزول:

بعض تفسیری روایات میں اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عرب کے ایک قبیلے) بنو بیاضہ کو حکم فرمایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجام ابو ہند رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے قبیلے کی کسی خاتون کا نکاح کر دیں۔ اُن میں سے بعض نے (ازراہ تعجب) کہا کہ ”کیا ہم اپنی بیٹیاں اپنے آزاد کردہ غلاموں کے نکاح میں دے دیں؟“ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ

آیت مبارکہ نازل فرمائی۔“ (تفسیر روح المعانی، سورۃ الحجرات آیت: ۱۳)

مختصر یہ کہ اس آیت مبارکہ نے نسلی تفاخر اور خاندانی برتری کے تمام بت پاش پاش کرتے ہوئے تمام انسانوں کو بحیثیت انسان برابری کی سطح پر کھڑا کر دیا اور آقا و غلام، امیر و غریب، شاہ و گدا، زبردست و زیر دست، حاکم و رعایا، افسر و ماتحت اور مال دار و تنگ دست کے تمام امتیازات کا خاتمہ کر کے انسانی وحدت کا عالم گیر تصور پیش فرمایا:

حضرات! اسلام نے نسل انسانی کی وحدت کا صرف تصور ہی پیش نہیں کیا بلکہ داعی اسلام اور صاحب قرآن جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملی طور پر

اس کے اعلیٰ غم نے پیش فرما کر اُس تصور کو ایک کھلی حقیقت کا رنگ دیا اور عملایہ ثابت کیا کہ اسلام میں نسلی امتیازات اور برادری ازم کی بناء پر اعزاز و افتخار کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

”جناب ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ جو (شرفائے قریش میں سے اور) اُن صحابہ

کرام میں سے تھے جنہوں نے آپ ﷺ کے ہمراہ غزوہ بدر میں شرکت

فرمائی۔ اُنہوں نے جناب سالم رضی اللہ عنہ کو..... جو ایک انصاری عورت کے آزاد

کردہ غلام تھے..... اپنا منہ بولا بیٹا بنایا اور اُن کے ساتھ اپنی بھتیجی ہند بنت ولید

کا نکاح کر دیا۔“ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین)

صحابی رسول سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر

مساواتِ انسانی کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ أَذْهَبَ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَكَبَّرَهَا بِآبَائِهَا. كُلُّكُمْ لِآدَمَ

وَحَوَاءَ كَطَفِّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ وَإِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ))

(تفسیر روح المعانی، سورۃ الحجرات آیت: ۱۳)

”اللہ تعالیٰ نے آباء و اجداد کے باعث نخوت اور تکبر کو دور کر دیا ہے۔ تم سب آدم

اور حوا علیہما السلام کی اولاد ہو جس طرح ایک صاع دوسرے صاع کے برابر ہوتا ہے۔

اور بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب

سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

شیطانی فتنہ:

خاندان، برادری، قوم اور قبیلے کی بنیاد پر فوقیت اور برتری کا دعویٰ دراصل ایک شیطانی

فتنہ ہے جس میں ہر دور اور ہر زمانے کے بعض بلکہ اکثر لوگ مبتلا رہے ہیں اور آج بھی اکثر

لوگ اسی شیطانی فتنہ کا شکار ہیں۔ تفسیر تدبر قرآن کے مصنف جناب امین احسن اصلاحی

صاحب نے اس پر بڑا شاندار اور جاندار تبصرہ فرمایا ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں کہ:

”شیطان نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے جو فتنے ایجاد کیے ہیں اُن میں ایک

بہت بڑا فتنہ نسل و نسب، خاندان، برادری، کنبہ اور قبیلہ کے شرف و امتیاز کا فتنہ بھی ہے۔ جو لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور بہت کم ایسے خوش قسمت نکلتے ہیں جو اپنے کو اس فتنہ سے محفوظ رکھ سکیں۔ ظاہر ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے مقابل میں حقیر خیال کرتے ہیں اور جب حقیر خیال کرتے ہیں تو لازماً اُن کے قول، فعل اور رویہ سے اس کا اظہار بھی ہوتا ہے، یہاں تک کہ یہ چیزیں پختہ ہو کر اُن کے ہاں روایت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں بلکہ اُن کا بس چلتا ہے تو وہ اُن کو مذہب کا درجہ بھی دے دیتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں میں برہمنوں نے، یہود میں بنی لاوی نے اور عربوں میں قریش نے اسی طرح تقدس کا ایک ایسا مقام اپنے لیے پیدا کر لیا جس کو چیلنج کرنا دوسروں کے لیے ممکن نہیں رہ گیا۔ یہی حال ہر قوم کا ہوا ہے اور مساواتِ انسانی بلند بانگ دعوؤں کے باوجود آج بھی یہی ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان جو اس فتنہ کی بیخ کنی کے لیے برپا کیے گئے تھے، وہ بھی آج نہ جانے کتنی برادریوں، قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہیں اور ہر ایک ”ہم چومن دیگرے نیست“ کے نشہ سے سرشار ہے جس کا اظہار ہر قوم و قبیلہ کے عوام و خواص کے بیانات اور نعروں سے ہوتا رہتا ہے جس سے فطری طور پر دلوں میں ایک دورے کے خلاف نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے جو عداوت و بغضاء کی شکل اختیار کر کے بالآخر خون خرابے اور تقسیم و تفریق تک نوبت پہنچا دیتی ہے۔ یہاں قرآن نے مسلمانوں کو اسی آفت سے محفوظ رہنے کی ہدایت فرمائی کہ تم کو اللہ نے اپنے فضل سے جاہلیت کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی بخشی ہے، تمہارا معاشرہ۔ ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“۔ کی اساس پر قائم ہے اور تم آپس میں ایک دوسرے کے لیے ”رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“ بنائے گئے ہو تو اپنے دوسرے بھائیوں کو حقیر سمجھ کر یا اُن کو اپنے طنزیہ اور حقارت آمیز الفاظ کا ہدف بنا کر اس معاشرہ کا حلیہ مسخ کرنے کی کوشش نہ کرو۔“

(تدبر قرآن، سورۃ الحجرات آیت: ۱۳)

تیسرا شان نزول:

کتاب تفاسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بسا اوقات پیش آمدہ واقعات کی مناسبت سے حسب موقع بعض قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے تو سننے والے خیال کرتے کہ شاید یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے۔ سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ کے متعلق جناب یزید بن شجرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سُوقِ الْمَدِينَةِ
فَرَأَى غُلَامًا أَسْوَدَ يَقُولُ مَنْ اشْتَرَانِي فَعَلَى شَرْطٍ لَا يَمْنَعُنِي
عَنِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ خَلَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَلَّمَ رَأَاهُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ فَفَقَدَهُ فَسَأَلَ عَنْهُ صَاحِبُهُ فَقَالَ:
مَحْمُومٌ فَعَادَهُ ثُمَّ سَأَلَ عَنْهُ بَعْدَ أَيَّامٍ فَقَالَ هُوَ لِمَا بِهِ فَجَاءَهُ
وَهُوَ فِي ذِمَّائِهِ فَتَوَلَّى غَسَلَهُ وَدَفَنَهُ فَدَخَلَ عَلَى الْمُهَاجِرِينَ
وَالْأَنْصَارِ أَمْرٌ عَظِيمٌ فَنَزَلَتْ۔ (تفسیر روح المعانی، سورۃ الحجرات آیت: ۱۳)

”رسول اللہ ﷺ نے (مدینہ طیبہ کے) بازار سے گزرتے ہوئے ایک سیاہ فام غلام کو دیکھا جو آواز لگا رہا تھا کہ مجھے کوئی (میرے مالک سے) خرید لے مگر میری شرط یہ ہے خریدنے والا مجھے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پنجگانہ پڑھنے سے نہ روکے (یعنی میرا خریدار مجھے پانچوں نمازیں مسجد نبوی میں رسول محترم ﷺ کی امامت میں ادا کرنے کی اجازت دے، باقی سارا وقت میں اپنے مالک کی خدمت کروں گا اور اس کے احکام کی بجا آوری کروں گا) چنانچہ اُسے ایک شخص نے خرید لیا اور آپ ﷺ کی اقتداء میں پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ رسول اللہ ﷺ اُسے ہر نماز کے وقت دیکھتے اور خوش ہوتے کہ وہ بڑی باقاعدگی اور پابندی سے پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرتا ہے۔ پھر ایک دن آپ ﷺ نے اُسے نمازوں میں

غیر حاضر پایا تو اُس کے مالک سے اُس کے بارے میں استفسار کیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ بیمار ہے اور اُسے بخار چڑھا ہوا ہے۔ رسول اکرم ﷺ اُس سیاہ فام غلام کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ چند دن بعد پھر آپ ﷺ نے اُس کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ تو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے، آپ ﷺ دوبارہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ تو چند لمحات کا مہمان ہے۔ اُس حبشی غلام کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے اُسے خود غسل دیا۔ (اُس کی نماز جنازہ پڑھائی) اور اُسے اپنے ہاتھوں قبر میں دفن کیا۔ اس سیاہ فام غلام کے لیے رسول اکرم ﷺ کی طرف سے اس طرح کے خصوصی اہتمام پر بعض مہاجرین و انصار نے تعجب کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل فرمادی۔“

سید الملائکہ جناب جبریل علیہ السلام خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک اللہ رب العالمین کا یہ پیغام پہنچا دیجیے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝﴾
(۲۹/ الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے۔ اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے اس لیے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ یقیناً تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر چیز سے باخبر ہے۔“

اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑے اسباق اور نصیحتیں موجود ہیں۔ ہمیں اُن کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے مثلاً:

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُن کے غلاموں، نوکروں اور ملازموں کا پانچوں نمازیں باجماعت پڑھنے کا شوق و جذبہ۔

☆ نبی مکرم ﷺ کا اپنے مقتدیوں کا خیال رکھنا کہ اگر کوئی نماز کے لیے نہیں آیا تو اُس کے

متعلق معلوم کرنا کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں کیوں نہیں آیا۔

☆ رسول اکرم ﷺ کا اپنے رفقاء، احباب اور ساتھیوں حتیٰ کہ غلاموں کی بیمار پرسی کے لیے اُن کے گھر تشریف لے جانا۔

☆ آپ ﷺ کا اپنی مسجد کے ایک غریب نمازی کے غسل، کفن اور دفن کا خصوصی اہتمام فرمانا تاکہ امیر و غریب اور آقا و غلام کے فرق کو مٹا دیا جائے اور مساواتِ انسانی کے اسلامی تصور کو حقیقت بنا دیا جائے۔

مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول کریم ﷺ کا ذکر خیر کرتے ہوئے بالکل درست فرمایا ہے کہ:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
 'مرادیں' غریبوں کی بر لانے والا
 مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
 وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا
 فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوی
 یتیموں کا والی، غریبوں کا مولیٰ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔

تفہیم القرآن سے اقتباس:

ماضی قریب کے نام ور مفسر اور مصنف سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر ”تفہیم القرآن“ میں سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے اسلام کے نظریہ مساواتِ انسانی کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ ہم اُن کے الفاظ میں کسی قسم کا رد و بدل یا ترمیم و اضافہ کیے بغیر انہیں یہاں بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ موصوف رقم طراز ہیں کہ:

اس آیت میں پوری نوعِ انسانی کو خطاب کر کے اُس عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دُنیا میں ہمیشہ عالم گیر فساد کی موجب بنی رہی ہے، یعنی نسل، رنگ،

زبان، وطن اور قومیت کا تعصب، قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد کچھ چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے جس کے اندر پیدا ہونے والوں کو اُس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ کہیں ان کی بناء ایک خاندان، قبیلے یا نسل میں پیدا ہونا ہے اور کہیں ایک جغرافی خطے میں یا ایک خاص رنگ والی یا ایک خاص زبان بولنے والی قوم میں پیدا ہو جانا۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی ہے کہ جنہیں اس لحاظ سے اپنا قرار دیا گیا ہو کہ اُن کے ساتھ غیروں کی بہ نسبت زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو، بلکہ اس تمیز نے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں اختیار کی ہیں۔ اس کے لیے فلسفے گھڑے گئے ہیں۔ مذہب ایجاد کیے گئے ہیں، قوانین بنائے گئے ہیں۔ اخلاقی اصول وضع کیے گئے ہیں۔ قوموں اور سلطنتوں نے اس کو اپنا مستقل مسلک بنا کر صدیوں اس پر عمل درآمد کیا ہے۔ یہودیوں نے اسی بناء پر بنی اسرائیل کو خدا کی چیدہ مخلوق ٹھہرایا اور اپنے مذہبی احکام تک میں غیر اسرائیلیوں کے حقوق اور مرتبے کو اسرائیلیوں سے فروتر رکھا۔ ہندوؤں کے ہاں درن آشرم کو اسی تمیز نے جنم دیا جس کی رُو سے برہمنوں کی برتری قائم کی گئی، اونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان نیچے اور ناپاک ٹھہرائے گئے اور شودروں کو انتہائی ذلت کے گھڑے میں پھینک دیا گیا۔ کالے اور گورے کی تمیز نے افریقہ اور امریکہ کے سیاہ فام لوگوں پر جو ظلم ڈھائے، اُن کو تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج اس بیسویں صدی ہی میں ہر شخص اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ سکتا ہے۔ یورپ کے لوگوں نے براعظم امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین نسل کے ساتھ جو سلوک کیا اور ایشیاء اور افریقہ کی کمزور قوموں پر اپنا تسلط قائم کر کے جو برتاؤ اُن کے ساتھ کیا اُس کی تہہ میں

بھی یہی تصور کارفرما رہا کہ اپنے وطن اور اپنی قوم کی حدود سے باہر پیدا ہونے والوں کی جان، مال اور آبرو اُن پر مباح ہے۔ اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ اُن کو لوٹیں، غلام بنائیں اور ضرورت پڑنے تو صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ مغربی اقوام کی قوم پرستی نے ایک قوم کو دوسری قوموں کے لیے جس طرح درندہ بنا کر رکھ دیا ہے اس کی بدترین مثالیں زمانہ قریب کی لڑائیوں میں دیکھی جا چکی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ نازی جرمنی کا فلسفہ نسلیت اور نارڈک نسل کی برتری کا تصور پچھلی جنگ عظیم میں جو کرشمے دکھا چکا ہے انہیں نگاہ میں رکھا جائے تو آدمی آسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کتنی عظیم اور تباہ کن گمراہی ہے۔ جس کی اصلاح کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔“

(تفہیم القرآن، سورۃ الحجرات آیت: ۱۳)

خطبہ حجۃ الوداع:

نبی اکرم، رسول معظم، رحمت مجسم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنی امت کی راہنمائی فرماتے ہوئے مساوات و برابری کا درس دیا ہے اور لوگوں کو نسلی تفاخر اور نسبی تنافر سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع جسے بجا طور پر حقوق انسانی کا دستور و قانون کہا جاتا ہے..... میں بھی آپ ﷺ نے ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے انسانی مساوات کی تلقین فرمائی اور قوموں، قبیلوں، خاندانوں، برادریوں اور نسلوں کی بنیاد پر فخر کرنے کی شدید الفاظ میں مذمت فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے وسط یعنی ۱۲ ذوالحجہ کو جو خطبہ ارشاد فرمایا اُس میں واضح طور پر انسانی مساوات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا، لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ-

(مسند احمد، بلوغ الامانی کتاب الحج والعمرة، الخطبة اوسط ایام التشریق)

”اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تم سب کا باپ (آدم علیہ السلام) بھی ایک ہے۔
خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اسی طرح کسی عجمی کو کسی
عربی پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ اور کسی سرخ رنگ والے یعنی گورے کو کسی کالے
پر کوئی برتری نہیں ہے اور کسی سیاہ فام کو کسی سرخ فام پر کوئی عظمت نہیں ہے۔
ہاں (کسی کو کسی پر کوئی) فضیلت ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔“

آپ رسول اکرم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ
آپ ﷺ نے قوموں، خاندانوں اور قبیلوں کی بنیاد پر کیے جانے والے فخر، غرور اور تکبر کو جڑ
سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے اور پوری انسانیت کو وحدت کی لڑی میں پرو کر انسانیت پر احسان
عظیم فرمایا ہے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے رنگ و
نسل اور قوم و قبیلے کے باعث فخر و غرور سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

كُلُّكُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ وَلَيَنْتَهِيَنَّ قَوْمٌ يَفْخَرُونَ
بِآبَائِهِمْ أَوْ لَيَكُونَنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الْعُجْلَانِ۔

(اخرج البزار، تفسیر روح المعانی سورۃ الحجرات آیت: ۱۳)

”(اے لوگو!) تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا
گیا۔ اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی بناء پر فخر کرنے سے باز
آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حقیر کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں
گے۔“

حضرات گرامی! سورۃ الحجرات کی اس آیت طیبہ اور رسول مکرم ﷺ کے ارشادات کی
روشنی میں یہ بات قلب و ذہن میں پختہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خاندانوں اور
برادریوں کی بنیاد پر برتری اور فوقیت کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ رب العالمین کے نزدیک
عزت و فضیلت کا معیار ”تقویٰ“ للہیت، خلوص اور پرہیزگاری ہے۔ اور اس امر کا پورا
ادراک و احساس قیامت کے دن ہوگا جب پرہیزگار و صالح لوگ باعزت اور محترم ٹھہرائے

جائیں گے..... چاہے اُن کا تعلق کسی بھی قوم، قبیلے، خاندان، برادری، رنگ، نسل، زبان اور قوم سے ہو..... جبکہ نافرمان و بد عمل افراد کو ذلیل و خوار اور رُسوا کر کے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ میں یہ بات اپنی طرف سے بیان نہیں کر رہا بلکہ امام الرسل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث پاک کا مفہوم عرض کر رہا ہوں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يَقُولُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي جَعَلْتُ نَسَبًا وَجَعَلْتُمْ نَسَبًا فَجَعَلْتُ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّقَاكُمْ، فَأَبِئْتُمْ إِلَّا أَنْ تَقُولُوا -فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَكْرَمُ مِنْ فُلَانٍ وَإِنِّي الْيَوْمَ أَرْفَعُ نَسَبِي وَأَضَعُ نَسَبَكُمْ- إِلَّا إِنْ أَوْلِيَانِي الْمُتَّقُونَ)).

(اخرجه الطبرانی، تفسیر روح المعانی سورۃ الحجرات آیت: ۱۳)

”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ اے لوگو! ایک نسب میں نے مقرر فرمایا تھا اور ایک نسب تم نے بنا رکھا تھا۔ میں نے تم میں سے زیادہ پرہیزگار کو معزز و مکرم قرار دیا تھا مگر تم نے میرا فیصلہ تسلیم نہیں کیا تھا۔ بلکہ تم کہتے رہے کہ فلاں کا بیٹا فلاں شخص سے زیادہ عزت و شرف والا ہے۔ آج میں اپنے مقرر کردہ نسب کو بلند و بالا کرتا ہوں اور تمہارے قائم کیے ہوئے نسب کو نیچے گراتا ہوں۔ ارشاد ہو گا۔ آج میرے دوست صرف پرہیزگار ہیں۔“

نسب کا م نہ آئے گا:

بحیثیت مسلمان یہ بات ہر وقت ہمارے ذہن میں تازہ رہنی چاہیے کہ قیامت کے دن ہمارا دُنیوی حسب و نسب، مال داری اور دولت مندی کام نہیں آئے گی۔ روزِ حشر فیصلے قوم و قبیلے اور امارت و غربت کی بناء پر نہیں بلکہ ایمان، اعمال اور تقویٰ کی بنیاد پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کسی کے حسن و جمال، مال و منال اور جاہ و جلال کی طرف نہیں بلکہ اُس کے عقائد و اعمال کی طرف التفات فرمائے گا اور اخروی نجات و کامیابی کا معیار و مدار خلوص و تقویٰ اور نیکی و پرہیزگاری ہوگی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَلَا يَنْفَرُ إِلَىٰ شَيْءٍ مِنْكُمْ وَأَمَّا الْيَتَامَ— فَقَدْ رَوَّاهُ إِلَىٰ
أَجَدِّكُمْ— وَلَكِنْ يَنْفَرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ))

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب النکاح، ص ۱۰۰)

”یہ نیک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔
تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا
ہے۔“

اس فرمانِ رسولی کا واضح مقصد یہ ہے کہ ربِ اُحقرت کے پاس عزت و برتری اور
فضیلت و تکریم کا معیار جسم کی بناوٹ، مال کی کثرت اور خوبصورتی و سجاوٹ نہیں بلکہ ذاتِ
باری تعالیٰ کے نزدیک معیارِ فضیلت عتقاد کی درستی، نیک اعمال کی بجا آوری اور تقویٰ و پرہیز
گاری ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک حدیث طیبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ:
((وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ))

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن)

”اور جسے اُس کا عمل پیچھے چھوڑ دے تو اُس کا نسب اُسے آگے نہیں لاسکتا۔“

یعنی جو شخص نیک اعمال کی انجام دہی میں غفلت، سستی اور لاپرواہی کرے گا اُس کا
حسب و نسب اُس کے کسی کام نہیں آسکے گا کیونکہ تعلیماتِ اسلام کے مطابق نجات و فلاح اور
کامیابی و کامرانی کا انحصار رنگ و نسل یا حسب و نسب پر نہیں بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہے،
حتیٰ کہ کسی نیک شخص، اللہ تعالیٰ کے ولی، برگزیدہ انسان بلکہ کسی نبی اور رسول کے عزیز و اقارب
اور رشتہ دار محض اس بنا پر نہیں بخشے جائیں گے کہ وہ نبی کی اولاد، رسول کے قریبی رشتہ دار اور پیغمبر
کے عزیز ہیں بلکہ دربارِ الہی میں عزت و نجات کا دار و مدار صرف ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں۔

عقیدے اور عقیدت کی یہ بات بھی ذہن نشین فرمائیں کہ کائناتِ ہست و بود، کل جہان اور
ساری مخلوقات میں سب سے افضل، اشرف، اعلیٰ، برتر، بہتر اور عظیم تر ذات جناب رسالت
مآب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تمام خاندانوں اور قبیلوں سے زیادہ لائقِ تکریم، قابلِ
تعظیم اور مستحقِ توقیر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان، آپ کا قبیلہ اور آپ کی قوم ہے۔ مگر

آخرت کی نجات، کامیابی کے حصول اور جنت کے دخول کے لیے انہیں بھی تقویٰ اختیار کرنے، اعمال صالحہ بجالانے اور گناہوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ اسلام میں فضیلت کا معیار اور کامیابی کا راز صرف اور صرف تقویٰ اور اعمال صالحہ ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”جب رسول اکرم ﷺ پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی گئی کہ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۖ اور آپ اپنے قرابت داروں کو (اللہ تعالیٰ کے عذاب سے) ڈرائیں تو آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر اپنے قریبی عزیزوں، رشتہ داروں، خاندان اور برادری کے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِشْتَرُوا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا اُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ لَا اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ لَا اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِّينِي مَا شِئْتَ مِنْ مَّالِي لَا اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا))
(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾)

”اے جماعتِ قریش! اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالو کیونکہ (اگر تم نے اپنی اصلاح نہ کی تو) میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عبد مناف کی اولاد! (اگر تم نے بھی اپنے عقائد و اعمال درست نہ کیے تو) میں تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔ اے میرے چچا محترم جناب عباس! (اگر آپ کے پاس بھی تقویٰ کی دولت نہ ہوئی تو) میں تمہارے لیے بھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی محترمہ صفیہ! (اگر آپ کے پاس نیک اعمال نہ ہوئے تو) میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا۔ اور اے محمد ﷺ کی پیاری بیٹی فاطمہ! تم

میرے مال میں سے جو چاہو سوال کر لو۔ (اور جو دل کرے اٹھا کر لے جاؤ مگر یاد رکھو اگر تمہارے پاس بھی نیک اعمال کا ذخیرہ نہ ہو اتو) میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے بھی کسی کام نہیں آسکوں گا۔“

حضرات! آج ہمارے معاشرے میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بزرگوں کا دامن تھام رکھا ہے..... ہم فلاں سرکار اور فلاں دربار سے وابستہ ہیں..... ہمارا تعلق فلاں حضرت کے ساتھ ہے..... ہم نے فلاں پیر صاحب کی بیعت کی ہوئی ہے..... اور ہم فلاں مزار پر ہر سال نذر و نیاز اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں اس لیے ہمیں اعمال کے بکھیڑوں میں پڑنے اور فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں حضرت صاحب..... امام صاحب..... پیر صاحب..... مفتی صاحب..... اور مولانا صاحب بخشوا لیں گے..... عذاب سے بچا لیں گے اور جنت میں پہنچا دیں گے۔ ایسی خوش فہمیوں کے شکار لوگوں کو اس فرمانِ رسول ﷺ پر بار بار غور کرنا چاہیے کہ جب آپ ﷺ کے قریبی عزیزوں، رشتہ داروں اور افرادِ خانہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اخروی نجات کے لیے تمہارے عقیدوں کا درست ہونا اور تمہارے پاس نیک اعمال کا ہونا ضروری ہے اور اگر تمہارے پاس بھی تقویٰ کی دولت نہ ہوئی تو تمہاری کامرانی بھی ممکن نہیں ہوگی۔

وہ لوگ جو کسی بزرگ کے خاندان کا فرد ہونے، کسی حضرت کی اولاد ہونے اور کسی نیک ہستی سے خونی تعلق کو ہی ذریعہ نجات سمجھتے ہیں انہیں سورۃ الحجرات کی اس آیت کریمہ اور پیارے رسول ﷺ کے ان فرمودات کو پیش نگاہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت و عزت اور عظمت و برتری کا معیار صرف اور صرف تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی ہے۔ اعلانِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝﴾

(۴۹/ الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! بے شک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے

اور تمہارے خاندان اور قبیلے اس لیے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ یقیناً تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی زیادہ عزت والا ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، باخبر ہے۔“

عملی نمونہ:

انسانی وحدت، مساوات اور برابری کی یہ اسلامی تعلیم صرف زبانی اور الفاظ کی حد تک محدود نہیں بلکہ اسلام اور صاحب اسلام ﷺ نے عملی طور پر ایک ایسی عالم گیر برادری قائم کی جس میں رنگ، نسل، وطن، زبان اور قومیت کا کوئی امتیاز، فرق اور تمیز نہیں ہے۔ اس برادری میں شامل ہونے اور رشتہ اخوت میں منسلک ہونے کی صرف ایک ہی شرط ہے اور وہ ہے توحید و رسالت کا اقرار و اعتراف۔ یعنی أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ جو شخص بھی اپنی زبان و دل سے اس کلمہ شہادت کا اقرار کرتا ہے وہ مسلمانوں کی برادری کا رکن اور اہل اسلام کے مساویانہ حقوق کا اہل بن جاتا ہے۔ اسلامی مساوات، ہمارے دین کا ایسا اعزاز، شرف اور امتیاز ہے جس کی کوئی مثال دُنیا کے کسی دین، نظام اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔ صرف اسلام..... ہاں..... صرف اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے ساری دُنیا اور پوری زمین پر پھیلے ہوئے مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگوں کو ایک اُمت بنا دیا اور دین کی ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔

حضرات! اگر ہم اسلام کے نظام عبادات پر غور و فکر کریں تو ہر عبادت میں مساوات و برابری کا درس ملتا ہے مثلاً اسلامی عبادات میں سب سے اہم اور بنیادی عبادت ”نماز“ ہے۔ نماز کے آغاز سے لے کر اختتام تک کسی رکن میں کسی شخص کے لیے کوئی امتیاز نہیں ہے بلکہ تمام نمازی بلا امتیاز ایک ہی وقت میں، ایک ہی امام کی اقتداء میں اور ایک ہی جگہ پر نماز ادا کرتے ہیں۔ کوئی امیر ہو یا غریب..... شاہ ہو یا گدا..... حاکم ہو یا رعایا..... خاص ہو یا عام..... اُستاد ہو یا شاگرد..... افسر ہو یا ماتحت..... مالک ہو یا ملازم..... کالا ہو یا گورا..... اور ہاں عربی ہو یا عجمی..... ایرانی ہو یا افغانی..... پاکستانی ہو یا ہندوستانی..... جو نہی نماز کا وقت ہو گا تو سب لوگ ایک ہی جگہ، ایک ہی مقام اور ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے۔ صف میں جہاں غریب

کھڑا ہوگا۔ وہیں امیر قیام کر رہا ہوگا۔ علامہ محمد اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے کہ:

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

تمام لوگ ایک ساتھ نماز شروع کریں گے۔ اکٹھے رکوع و سجود کریں گے۔ ایک ہی وقت میں قیام و قعود کریں گے اور بیک وقت سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو جائیں گے۔ گویا نماز اسلامی وحدت، انسانی مساوات اور برابری کا عملی اظہار ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت میں کسی علاقے، ملک، قوم، زبان، نسل اور وطن کا کوئی اعتبار و لحاظ نہیں ہے بلکہ تمام دُنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی نصاب مقرر ہے۔ جو مومن بھی صاحب نصاب ہے اُس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہے اور مستحقین زکوٰۃ کے متعلق بھی کوئی فرق و امتیاز روا نہیں رکھا گیا بلکہ صاحب ثروت مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ بلا امتیاز زکوٰۃ تقسیم کریں اور اس ضمن میں کوئی فرق و تمیز نہ کریں۔ ہاں اگر اُن کے قریبی عزیزوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں زکوٰۃ کے مستحقین ہوں تو اُن کو ترجیح دیں تاکہ صلہ رحمی کے تقاضے پورے ہو سکیں۔

آپ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت اور احکام و مسائل پر غور کریں تو اس سے بھی مساوات و برابری کا درس ملتا ہے کہ دُنیا بھر کے اہل ایمان پر ایک ہی مہینہ میں روزے فرض کیے گئے ہیں۔ روزوں کی فرضیت و احکام میں غربت و امارت..... بادشاہی و گداگری..... مال داری اور محتاجی..... مصروفیت اور فراغت..... موسم کی شدت و خوش گواری..... رنگ و نسل اور..... زبان و وطن کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بلکہ گرمی ہو یا سردی۔ بہار ہو یا خزاں، جونہی رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوگا تو ساری دُنیا کے مسلمانوں پر روزے

فرض ہو جائیں گے۔ اور اس ضمن میں جو سہولیات اور آسانیاں دی گئی ہیں اُن سے تمام مسلمان بلا امتیاز فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ گویا ماہ رمضان کے روزے بھی مسلمانوں کی وحدت فکر و نظر، مساوات اور برابری کا عملی مظہر ہیں۔

اور..... ہاں..... ”حج“ تو دُنیا بھر کے اہل ایمان کی اجتماعیت کا سب سے بڑا عملی مظاہرہ اور اسلام کے عالم گیر دین ہونے کی روشن دلیل ہے کہ دُنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مختلف رنگوں، نسلوں، قوموں، قبیلوں اور برادریوں کے مسلمان مقامات مقدسہ میں حاضر ہو کر ایک ہی طرح کا لباس پہن کر، ایک ہی جگہ پر جمع ہو کر، ایک ہی زبان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تعریف و تسبیح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ امیر نے وہی احرام باندھا ہوا ہے اور غریب نے بھی..... عربی بھی وہی تلبیہ پڑھ رہا ہے اور عجمی بھی..... پاکستانی بھی اُسی میدانِ منیٰ میں قیام پذیر ہے اور ہندوستانی بھی..... شاہ بھی عرفات میں حاضر ہے اور گدا بھی..... مال دار بھی مزدلفہ میں زمین پر لیٹ کر رات گزار رہا ہے اور تنگ دست بھی..... وزیراعظم بھی اُسی گھر کا طواف کر رہا ہے اور عام شہری بھی..... ہر علاقے، ملک شہر اور وطن سے آیا ہوا بلا امتیاز رنگ و نسل ایک ہی اعلان کر رہا ہے کہ:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ۔

”میں حاضر ہوں، اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں (اور اعلان کرتا ہوں کہ) تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفات اور نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں اور ساری بادشاہی کا مالک بھی تو ہی ہے، تیرا واقعتاً کوئی شریک نہیں ہے۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو بار بار بیت اللہ کے حج کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔
آپ وہاں دیکھیں گے کہ کسی ملک کے باشندے دراز قد ہیں اور کسی کے پست قد..... کئی سرخ و سفید رنگ کے حسین و جمیل نظر آتے ہیں اور کوئی سیاہ فام..... کچھ لوگ بھاری جسم والے نظر آئیں گے اور کچھ بالکل کمزور و ناتواں..... کئی ممالک کے باشندے کم گو ہوں گے اور کوئی

بہت باتونی، مگر وہاں سب لوگ اتفاق، اتحاد، یگانگت اور مساوات کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے مناسک حج ادا کر رہے ہوں گے۔

میں بالاختصار کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسلام کے نظام عبادات میں سے ہر عبادت ہمیں وحدت، اتحاد اور مساوات کا درس دیتی اور اس کے عملی اظہار کی دعوت دیتی ہے اور یہی وہ حکم ہے جو تمام بنی نوع انسان کو سورۃ الحجرات کی اس آیت میں دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾﴾

(۴۹/ الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! بے شک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے تخلیق فرمایا ہے اور تمہاری قومیں اور برادریاں اس لیے بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، یقیناً تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی زیادہ معزز ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔“

خلاصہ کلام:

اب تک کی تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی اصلاح و ہدایت کے لیے چھ بنیادی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں جن کا جاننا ہم سب کے لیے اشد ضروری ہے۔

① تمام انسانوں کی اصل ایک ہی ہے یعنی تمام انسان سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں اور انہیں سے پوری نوع انسانی وجود میں آئی ہے۔ لہذا بحیثیت انسان تمام لوگ برابر اور مساوی ہیں۔

② تمام انسانوں کا خالق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کی تخلیق و پیدائش کے مختلف مراحل میں کوئی دوسری ہستی اللہ تعالیٰ کی شریک کار نہیں ہے، اس لحاظ سے بھی انسانوں کے درمیان کوئی تفاوت نہیں ہے۔

③ تمام بنی نوع انسان کی تخلیق و پیدائش کا مادہ اور عنصر بھی ایک ہی ہے اور کسی علاقے، ملک

اور قوم کے مادہ تخلیق میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ اس اعتبار سے بھی تمام انسان برابر ہیں۔
 ④ دُنیا بھر کے انسانوں کی پیدائش اور دُنیا میں آنے کا طریقہ بھی ایک ہے کہ تمام انسان رحم مادر میں تخلیق کے مختلف مراحل سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مصلحت کے تحت دُنیا میں آتے ہیں اور اس طریقہ تخلیق کے اعتبار سے بھی انسانوں کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ قرآن حکیم کے اٹھارہویں پارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۚ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۖ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝﴾ (المومنون: ۱۲، ۱۳)

”البتہ تحقیق ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اُسے ایک نطفہ بنا کر قرار گاہ میں محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اُس نطفے کو جما ہوا خون بنایا۔ پھر ہم نے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اُس لوتھڑے سے ہڈیاں تخلیق فرمائیں پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر ہم نے اُسے اور ہی نئی مخلوق بنا کر پیدا فرما دیا۔ پس اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو سب سے حسین بنانے والا ہے۔“

(۵) پانچویں حقیقت جو سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت میں بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مختلف برادریوں، قوموں اور قبیلوں میں صرف شناخت و تعارف کے لیے تقسیم فرمایا ہے اس معاملے میں بھی تمام انسان ایک ہی مرتبے اور مقام کے حامل ہیں اور کسی قوم کسی کو دوسری قوم پر کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہے۔

(۶) اس آیت طیبہ میں چھٹی اور آخری اہم حقیقت یہ واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت، عظمت، فضیلت، برتری، رفعت اور توقیر و تکریم کا معیار صرف اور صرف ”تقویٰ“ ہے۔ جو جتنا زیادہ نیک، پرہیزگار اور متقی ہوگا وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا مقرب اور برگزیدہ ہوگا۔

حضرات! ان چھ حقائق و معارف کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے آخر میں ایک مرتبہ پھر اس آیت مبارکہ کے الفاظ اور ترجمے پر غور فرمائیں تو ان شاء اللہ العزیز بات مزید واضح ہو جائے

گی۔ ارشاد الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝﴾

(۴۹/ الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے تخلیق فرمایا اور ہم نے تمہاری برادریاں اور قبیلے تو صرف تمہاری شناخت اور تعارف کے لیے بنائے ہیں۔ بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔“

اللہ احکم الحاکمین کے حضور دست بستہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ایک اور نیک بننے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

ایمان اور اسلام

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿ قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمَّا قُلٌّ لِّمَ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا
 يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ط وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ
 أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ط إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٣﴾ (الحجرات: ۱۳)

”دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے۔ (اے رسول ﷺ) آپ فرمادیجئے
 کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم کہو کہ ہم اسلام لائے اور ابھی تک ایمان تمہارے
 دلوں میں (پوری طرح) داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ
 کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال کی جزا سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بلاشبہ
 اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

تمام قسم کی تعریفات و تسبیحات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے خاص ہیں جو تمام اشیاء کا خالق و
 مالک اور حاکم و مدبر ہے۔ سارا جہان اُسی کا محتاج مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور اُس کی
 ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور عبادات میں کوئی شریک و سہیم اور حصہ دار نہیں ہے۔
 اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے لاتعداد و بے شمار درود و سلام نازل فرمائے اُس ذات اقدس و
 اظہر پر جنہیں ذات باری تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین اور قائد المرسلین بنا کر مبعوث
 فرمایا۔ جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سب سے افضل، اعلیٰ، برتر اور عظیم تر ذات ہیں۔ جن کا
 نام نامی اسم گرامی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ ہر وقت رحمت و برکات کا نزول
 فرماتا ہے۔ فرشتے اُن پر درود بھیجتے اور اہل ایمان کو بھی اُن کے لیے رحمت اور سلامتی کی دُعا کا
 حکم دیا گیا ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
 إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

تمہیدی کلمات:

سورۃ الحجرات کی گزشتہ تیرہ آیات مبارکات میں ایسے قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین بیان فرمائے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح و فلاح یقینی ہے اور مسلمان معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے کے فساد و انتشار، بد امنی اور خرابی کی اصل اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم من حیث المجموع قرآنی احکام سے روگرداں، اسلامی قوانین سے بیگانہ اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث و تعلیمات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر آج بھی ہم اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیں۔ اپنے عقائد و نظریات کو درست کر لیں اور اعمال و افعال کی اصلاح کر لیں تو ہماری عظمت رفتہ بحال ہو سکتی ہے، ہم دنیا میں معزز و محترم بن سکتے ہیں اور ہمارے لیے اخروی کامیابی یقینی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے ہمیں واپس لوٹنا ہوگا اپنے اصل دین کی طرف..... قرآن حکیم کی طرف..... سیرت رسول ﷺ کی طرف..... اپنانا ہو گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا طرز عمل..... بدلنا ہوگا، اپنے خیالات و تصورات کو..... تبدیلی لانا ہو گی اپنی سیرت و کردار میں..... اور عمل کرنا ہوگا قرآن و سنت کی تعلیمات پر.....

مگر افسوس صد افسوس کہ آج کا مسلمان اِلَّا مَا شَاءَ اللہ دعوائے اسلام کے باوجود توحید الہی کا قائل نہیں ہے..... سنت رسول کا قبیح نہیں ہے..... قرآن حکیم کا قاری نہیں ہے..... حدیث مصطفیٰ کا شیدائی نہیں ہے..... حب صحابہ سے سرشار نہیں ہے..... محدثین کرام کی خدمات جلیلہ کا معترف نہیں ہے..... اکابر کا موقب نہیں ہے..... بزرگوں کا احترام کرنے والا نہیں ہے..... پانچ وقت کا نمازی نہیں ہے..... زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں ہے..... رمضان المبارک کے روزوں کا پابند نہیں ہے..... استطاعت کے باوجود حج کے لیے جانے کو تیار نہیں ہے..... قول کا سچا نہیں ہے..... وعدے کا پکا نہیں ہے..... دیانت دار و امانت دار نہیں ہے..... فرماں بردار و اطاعت گزار نہیں ہے..... صدقِ مقال نہیں ہے..... رزقِ حلال

نہیں ہے..... حقوق اللہ کا پابند نہیں ہے..... حقوق العباد کا خیال نہیں ہے..... مساجد سے محبت نہیں ہے..... دین سے تعلق نہیں ہے..... والدین کی خدمت کا جذبہ نہیں ہے..... بہن بھائیوں سے اُلفت نہیں ہے..... ہمسایوں سے تعلقات میں خوش گواری نہیں ہے..... یتیموں کا خیال نہیں ہے..... اسلامی تعلیمات کی اشاعت و تبلیغ کا شوق نہیں ہے..... عبادتِ خدا نہیں ہے اور اطاعتِ مصطفیٰ نہیں ہے..... تو سوچئے، غور فرمائیے، توجہ کیجئے..... ہم کامیاب و کامران کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہماری دُنیا اور آخرت کیسے سنور سکتی ہے۔ ہم جنت کے مستحق کیسے بن سکتے ہیں؟

شاعر ملت علامہ محمد اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

جن کو آتا نہیں دُنیا میں کوئی فن، تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن، تم ہو
بچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو

ہو، نگو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ پیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

اور آج ہمارا حال واقعتاً یہ ہے کہ:

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برقِ طبعی نہ رہی، شعلہِ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذال، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یقینی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

شور ہے ہو گئے دُنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم، ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود۔
یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
بس دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے چشمہٴ صافی سے سیراب ہو
کر اپنے عقائد و اعمال کو درست کرنے اور سیرت و کردار کو سنوارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔
آمین۔

شابِ نزول:

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا تو مدینہ طیبہ کے گرد و
نواح میں رہائش پذیر قبائل نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور فتوحات کو دیکھ کر اس خیال
سے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا کہ اس طرح وہ رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے
حملوں سے بھی محفوظ رہیں گے اور ظاہراً اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مالِ غنیمت کے بھی حق
دار ٹھہریں گے۔ ایسے بدوی قبائل اسلام کی حقانیت و صداقت سے متاثر ہو کر رضائے الہی کی
خاطر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اُن کی غرض صرف دُنوی مفادات اور مالی منفعت تھی اس
لیے وہ خود کو وفادار ثابت کرنے کے لیے مختلف مواقع پر اپنے قبولِ ایمان کا ڈنڈھورا پیٹتے
رہتے تھے اور بلا ضرورت ہی آپ ﷺ کے سامنے اپنے سچا مومن ہونے کا اظہار و اعلان
کرتے رہتے تھے اور آپ ﷺ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرتے رہتے تھے۔

اس طرح کے لوگ ہر ماحول، ہر جگہ اور ہر معاشرے میں ہوتے ہیں جو اپنی جماعت
کے قائد اور لیڈر کے سامنے اپنی خدمات گنواتے اور اُس سے داد اور صلہ وصول کرنے کی تگ و
دو کرتے رہتے ہیں۔ موقع بے موقع سربراہ کی بے جا تعریف کرنا، اُس کے سامنے اُس کی

تعریفوں کے پل باندھنا اور اسے کوئی مافوق الفطرت شخصیت ثابت کرنا اُن کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے اور وہ جماعت کے ذمہ دار افراد کے روبرو ایسے مسائل بیان کرتے رہتے ہیں جن کے پورا ہونے سے اُن کے مالی مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔

رسولِ محترم ﷺ کے عہد مبارک کے یہ بدوی سردار بھی ایسی ہی طبیعت اور فطرت کے مالک تھے۔ اسلام اور صاحبِ اسلام کے لیے قربانی دینا، مال خرچ کرنا اور کوئی خدمت سرانجام دینا انہیں گوارا نہ تھا بلکہ وہ محض اسی بات پر فرحان و شاداں تھے اور آپ ﷺ کو یہ جتلاتے رہتے تھے کہ ہم بغیر کسی جنگ و جدل اور مقابلہ بازی کے از خود ایمان لے آئے ہیں اس لیے آپ کو ہمیشہ ہمارا ممنون احسان رہنا چاہیے اور دوسروں کی نسبت ہماری مالی امداد زیادہ کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے بدوی لوگوں کے ایمان کی حقیقت سے آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو آگاہ کرنے کے لیے سورۃ الحجرات کی یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (تفسیر قرطبی سورۃ الحجرات آیت: ۱۴) اور اُن کے دعوے کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱۴)

”دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے (اے رسول ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے اور لیکن تم کہو کہ ہم نے فرماں برداری قبول کی۔ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔“

بدوی کون تھے؟

اس آیت مقدسہ میں جن نام نہاد مسلمان بدویوں کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں بسنے والے تمام دیہاتی نہیں بلکہ قبیلہ غفار۔ مزینہ۔ جہینہ۔ اسلم اور اشجع سے تعلق رکھنے والے وہ منافقین ہیں جو بلا عذر حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور رسولِ مکرم ﷺ کی حدیبیہ سے واپسی پر حیلوں، بہانوں اور طرح طرح کی باتوں سے آپ ﷺ کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے تھے، یہ لوگ کلمہ شہادت کے اقراری تھے اور اسلام کے بنیادی ارکان پر بھی عمل پیرا تھے۔ مگر ابھی تک ایمان اُس کے قلوب و اذہان میں

پختہ اور راسخ نہیں ہوا تھا۔ یہ لوگ اسلام کے آسان احکام پر عمل کرنے کے لیے آمادہ تھے مگر مشکل قوانین پر عمل کرنا اُن کے لیے دشوار تھا اور وہ کسی قسم کی مالی یا جانی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

ہو ایوں کہ ۶ ہجری کے اواخر میں جب امام الرسل ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور اپنے خواب کی عملی تعبیر کا پروگرام بنایا تو آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں اس کا باقاعدہ اعلان کروایا تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کے ہمراہ عمرہ کے لیے جانا چاہتا ہو وہ مدینہ طیبہ پہنچ جائے۔ اس اعلان کے سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوق در جوق مدینہ النبی میں حاضر ہونا شروع ہو گئے مگر ان قبائل کے لوگوں نے جن کا ابھی ذکر ہوا ہے..... اس مبارک سفر میں رسول محترم ﷺ کے ساتھ جانے سے احتراز و گریز کیا۔ یہ لوگ حقیقتاً مسلمان نہیں تھے اور خود کو مومن ظاہر کر کے دنیاوی مفادات حاصل کر کے متمنی رہتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ قریش مکہ تو مکہ مکرمہ سے طویل ترین سفر کر کے یہاں مدینہ کے قریب آ کر رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کا اتنا نقصان کر گئے ہیں۔ ستر (۷۰) کبار صحابہ کو قتل کر گئے اور آپ ﷺ کو شدید زخمی کر گئے ہیں۔ اب مسلمانوں کی یہ قلیل جماعت جو صرف چودہ سو افراد پر مشتمل ہے، خود اپنے جانی دشمنوں کے گھر مکہ مکرمہ جا رہی ہے تو وہ انہیں کیسے زندہ واپس آنے دیں گے؟ وہ تو ان کی تکابوٹی کر دیں گے لہذا اس عمرے کے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ نہ جانے میں ہی عافیت اور خیریت ہے۔ اپنے اسی خیال و گمان کے مطابق وہ عمرہ کے لیے رسول محترم ﷺ کے ہمراہ نہ گئے اور حدیبیہ میں شرکت کی سعادت سے محروم رہے۔

جب نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو ان منافقوں نے رسول کریم ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر کئی قسم کے بہانے اور عذر پیش کیے اور دربار نبوی میں بار بار درخواست پیش کی کہ ہم تو فلاں مجبوری کے باعث آپ کی رفاقت کا شرف حاصل نہ کر سکے اور آپ کی ہمراہی کی سعادت سے محروم رہے۔ اب آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار فرمائیے کہ وہ ہماری اس خطا کو معاف فرمادے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں ان منافقین کا پردہ چاک فرماتے اور آپ ﷺ کو حقیقت

حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَ أَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِالسِّنْتِهِمْ ۖ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۖ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۖ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَ الْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا ۖ وَ زَيْنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَ السَّوءِ ۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ وَ مَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۖ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَ كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَخَانِمَ لِتَأْخُذُوا مَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ ۖ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۖ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُوْنَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سُدُّعُونَ إِلَى قَوْمٍ أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۚ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ إِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝﴾ (فتح: ۱۱: ۱۶۳)

”دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ آپ سے ضرور کہیں گے کہ ہمیں تو ہمارے مالوں اور گھر والوں نے مشغول کر دیا تھا (اس لیے ہم آپ کے ہمراہ عمرہ کے لیے نہ جاسکے) لہذا آپ ہمارے لیے (اللہ تعالیٰ سے) بخشش طلب فرمائیں۔ وہ اپنی زبانوں سے ایسی بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتی۔ آپ اُن سے فرمائیے کہ کون ہے جو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی اختیار رکھتا ہو اگر وہ تمہارے ساتھ نقصان کا ارادہ کرے یا تمہیں نفع بخشا چاہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ بلکہ تم نے تو گمان کیا تھا کہ (رسول اکرم ﷺ) اور اہل ایمان کبھی بھی اپنے گھر

دلوں کی طرف واپس نہ لوٹ سکیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں مزین کر دی گئی اور تم نے تو بہت برا گمان کر لیا تھا اور تم تو ہلاک ہونے والے لوگ ہو۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لایا تو بلاشبہ ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ وہ جسے چاہے معاف فرما دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔ (اے رفقاء رسول) جب تم غنیمتیں حاصل کرنے کے لیے (خیبر کی طرف) چلو گے تو جو لوگ (حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے وہ فوراً کہیں گے کہ ہمیں چھوڑ دو تا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ (خیبر کی طرف) چلیں۔ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کر دیں۔ (اے رسول ﷺ) آپ اُن سے فرمائیے کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاسکو گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی اسی طرح فرما چکا ہے۔ پھر وہ کہیں گے کہ ”تم ہم سے حسد کرتے ہو۔“ (ایسی کوئی بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ) یہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔ آپ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تمہیں ایک سخت جنگجو قوم کی طرف (مقابلے کے لیے) بلایا جائے گا، تم اُن سے لڑو گے یا وہ مطیع ہو جائیں گے۔ پھر اگر تم (اُس وقت) اطاعت کرو گے اور (اُس سخت جنگجو قوم سے لڑو گے) تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی جیسے پہلے کی تھی تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔“

سورۃ فتح کی ان آیات نے اُن بدویوں اور دیہاتی منافقوں کا رازِ فاش کر دیا جو رسول کریم ﷺ کے سامنے آکر اپنے ایمان و وفا کا اظہار کرتے تھے مگر درحقیقت ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے بارے میں اپنے رسول ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ یہ دو غلے لوگ آپ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں۔ آپ اُن سے فرمائیے کہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں پختہ نہیں ہوا۔ البتہ چونکہ تم بظاہر

ارکانِ اسلام پر عمل پیرا ہو اس لیے تمہیں یہ دعویٰ کرنے کا اختیار ہے کہ ”ہم مسلمان ہیں“ کیونکہ ظاہری طور پر ارکانِ اسلام پر عمل کرنے والے کو مسلمان کہا جاتا ہے قطع نظر اس کے کہ اس کے دل کی حالت کیا ہے؟۔

اب ایک بار پھر سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت اور اس کا ترجمہ پڑھیے تو ان شاء اللہ العزیز بات پوری طرح نکھر کر سامنے آجائے گی۔ فرمان الہی ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمَّا قُلٌّ لِّمَ تُوْمِنُوْا وَلَكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۖ وَ اِنْ تُطِيعُوْا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ لَا يَلْتَكُم مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴﴾ (الحجرات: ۱۴)

”دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے۔ (اے رسول ﷺ) آپ فرمادیجئے کہ تم ابھی تک ایمان نہیں لائے اور لیکن تم کہو کہ ہم فرماں بردار ہو گئے۔ اور ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں (پوری طرح) داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال کی جزا سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

ایمان کیا ہے؟:

سورۃ الحجرات کی اس آیت کریمہ میں مدینہ کے گرد و نواح میں رہائش پذیر دیہاتی منافقوں اور بدویوں سے کہا گیا ہے کہ تمہارا ”دعوائے ایمان“ درست نہیں ہے کیونکہ ابھی تک ایمان پوری طرح تمہارے قلوب و اذہان میں راسخ نہیں ہوا البتہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم ”مسلمان“ ہو گئے ہیں۔ ان دو اصطلاحی الفاظ میں کیا فرق ہے؟ اور اسلام و ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور مومن کون ہوتا ہے اور مسلمان کسے کہتے ہیں؟ اس آیت کی تفسیر میں ان امور کی وضاحت اشد ضروری ہے تو آئیے پہلے سمجھتے ہیں کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟۔

لفظِ ایمان ”امن“ سے مشتق ہے جس کا معنی سکون و امان اور اطمینان ہے۔ صحابی رسول جناب فضالہ بن عبید اللہؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَالْمُهَاجِرُ

مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ))

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن ودمہ)

”مومن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں

پُر امن ہوں۔ اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے۔“

آپ نے غور فرمایا کہ اس حدیث مبارکہ میں لفظ ”ایمان“ کے لغوی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے نبی محترم ﷺ نے اُس شخص کو مومن قرار دیا ہے جس سے لوگوں کے اموال، جانیں اور عزت و آبرو محفوظ و مامون ہوں اور عوام اُس کی طرف سے سکون و اطمینان محسوس کریں۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ”ایمان“ کا ایک معنی ”تصدیق“ بھی ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں برادرانِ یوسف کا جو کردار بیان کیا گیا ہے۔ اُس کا ایک حصہ یہ ہے کہ جب برادرانِ یوسف، سیدنا یوسف علیہ السلام کو جنگل کے بے آباد گہرے کنویں میں پھنک کر واپس آئے تو انہوں نے اپنے اور یوسف کے والد جناب یعقوب علیہ السلام کے سامنے روتے اور آنسو بہاتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ:

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ﴾ (۱۲/یوسف: ۱۷)

”اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہو۔“

اس آیت میں ”بِمُؤْمِنٍ“ کا معنی تصدیق و تائید کرنے والا ہے۔ تو قرآن حکیم کی آیت مبارکہ اور رسول محترم ﷺ کے فرمان سے لفظ ایمان کے لغوی معنی کی وضاحت ہوگئی کہ اس کا معنی ہے۔ تصدیق، اعتماد، یقین، اطمینان، اور سکون..... اور شرعی اصطلاح میں رسول مکرم، نبی معظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائے گئے تمام احکام، اصول، ارکان اور قوانین پر دل و جان سے یقین و اعتماد کرنے اور اُن کی تصدیق و تائید کرنے کا نام ”ایمان“ ہے اور تکمیل ایمان کی بنیادی شرط نیک اعمال ہیں۔ لہذا ہر مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمودات اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات و ارشادات پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی عقائد و ارکان کا زبان سے اقرار کرے۔ دل

سے تصدیق کرے اور اعضاء و جوارح سے زندگی بھر اُن پر پوری طرح عمل پیرا رہے۔
جمہور علماء کے نزدیک۔

(۱) اقرار باللسان (۲) صدیق بالجنان (۳) اور عمل بالارکان کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔ اس تشریح و تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ:

☆ ایسے خوش نصیب انسان جو اسلامی اعتقادات پر دل و جان سے اعتماد و یقین کرتے ہوئے اُن کا زبان سے اقرار کریں اور ارکان اسلام پر عمل کریں انہیں ”مومن“ کہا جاتا ہے۔

☆ وہ بد نصیب اشخاص جو اسلامی نظریات و اعتقادات کے سراسر منکر اور باغی ہوں انہیں شرعی اصطلاح میں ”کافر“ کہا جاتا ہے۔

☆ اور ایسے بد فطرت افراد جو زبانی طور پر اسلامی عقائد و افکار کو قبول کرنے کا اقرار و اظہار کریں مگر دلی طور پر اسلامی اعتقادات کی تصدیق و تائید نہ کریں تو ایسے بد طنیت لوگوں کو ”منافق“ کہا جاتا ہے۔

عبداللہ بن ابی کا نام آپ نے کئی بار سن اور پڑھ رکھا ہوگا۔ یہ مدینہ طیبہ کے منافقین کا سردار اور انتہائی شاطر انسان تھا، دنیاوی مفادات کی خاطر زبان سے اظہار ایمان اور اقرار اسلام بھی کرتا تھا۔ اور آپ ﷺ سے زبانی اعلان محبت بھی کرتا رہتا تھا۔ مگر اندر سے اسلام کا دشمن، دین کا مخالف اور مسلمانوں کا بد خواہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو جہنمی اور دوزخی قرار دیتے ہوئے اپنے رسول ﷺ کو اُن کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا سے بھی منع فرما دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿اَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰﴾ (توبہ: ۸۰)

”(اے رسول ﷺ برابر ہے کہ) آپ ان (منافقوں) کے لیے مغفرت طلب کریں یا ان کے لیے بخشش کا سوال نہ کریں۔ اگر آپ ان کے لیے ستر

(۷۰) بار بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کو ہر گز معاف نہیں کرے گا۔
اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں فرماتا۔“

ایمان اور اسلام:

شرعی امور پر گفتگو کرتے ہوئے عام طور پر ”ایمان اور اسلام“ کے الفاظ بکثرت استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس لیے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ ان الفاظ کے معانی اور مفہیم کی وضاحت کر دی جائے تاکہ عام لوگ کسی الجھن کا شکار نہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ”ایمان“ تصدیق کا نام ہے جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور زبان دل کی ترجمان ہے یعنی کسی چیز کی تصدیق و تائید ہمیشہ پہلے دل سے ہوتی ہے پھر زبان سے اظہار و اقرار اور اعتراف کیا جاتا ہے اور ”اسلام“ کا معنی اطاعت و فرماں برداری کرنا ہے اور فرماں برداری و اطاعت اعضائے جسمانی اور جوارح سے ہوتی ہے۔ لہذا اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کو دل کی گہرائیوں سے قبول کرنے، قلبی تصدیق کرنے اور زبان سے اس کا اظہار و اقرار کرنے کو ”ایمان“ کہا جاتا ہے اور اُن عقائد و افکار اور نظریات کے مطابق ظاہری اعمال و افعال کا نام ”اسلام“ ہے۔

اسلام اور ایمان کے الفاظ کے درمیان اس فرق و امتیاز کی تائید سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی اُس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جسے محدثین عظام کے ہاں ”حدیث جبریل“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ”الْإِسْلَامُ

أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ
الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ
اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ
وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ - قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ
وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ
وَشَرِّهِ - قَالَ صَدَقْتَ - قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ "أَنْ
تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ" قَالَ
فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ
قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا قَالَ "أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةُ رَبَّتَهَا - وَأَنْ تَرَى
الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ - قَالَ
ثُمَّ انْطَلَقَ - فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي - يَا عُمَرُ! أَتَدْرِي مَنْ
السَّائِلُ؟ قُلْتُ - اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ - قَالَ - فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ - أَتَاكُمْ
يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ -

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

”ہم رسولِ محترم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص
سامنے آیا جس کا لباس بالکل سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے کوئی
اثرات دکھائی نہیں دیتے تھے اور ہم میں کوئی اُسے پہچان بھی نہ سکا۔ وہ آتے ہی
نبی اکرم ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملا کر اور اپنے ہاتھوں کو آپ ﷺ کی
رانوں پر رکھ کر بیٹھ گیا اور آپ ﷺ سے استفسار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ اے
محمد ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں آگاہ فرمائیں کہ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ
نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تم شہادت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔
اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان
المبارک کے روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔“ اُس

سائل نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ سوال بھی کرتا ہے اور (جواب کی) تصدیق بھی کر رہا ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتلائیں (ایمان کیا ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ”اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی اور بری تقدیر پر یقین کرو۔ اُس نے کہا۔ آپ نے درست فرمایا ہے۔ پھر اُس نے دریافت کیا کہ احسان کی حقیقت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اُسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اُسے دیکھ نہیں سکے تو وہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے۔ پھر اُس نے سوال کیا کہ مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیں (کہ وہ کب آئے گی؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے قیامت کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اُس نے کہا مجھے اُس کی نشانیوں سے آگاہ فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (۱) جب لونڈی اپنے آقا کو جہنم دے گی۔ (۲) تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، برہنہ جسم، نہایت غریب، بکریوں کے چرواہے بڑے بڑے محلات پر فخر کریں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر وہ شخص چلا گیا تو میں کچھ دیر ٹھہرا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! کیا تمہیں علم ہے کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھلانے کے لیے آئے تھے۔“

اس حدیث مبارکہ میں ”اسلام“ اور ”ایمان“ کی حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ”ایمان“ کا تعلق دل کے افعال سے ہے اور اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے۔ اس امر کی تائید قرآنی آیات مبارکات سے بھی ہوتی ہے کہ جیسا کہ سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں بعض دیہاتی لوگ حاضر ہوئے جو زبان سے اقرارِ توحید و رسالت کرتے اور بظاہر ارکانِ اسلام پر عمل بھی کرتے تھے۔ انہوں نے

دوبار رسالت میں عرض کی کہ ”ہم ایمان لائے ہیں۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ابھی ایمان لانے کا دعویٰ نہ کرو کیونکہ ایمان تمہارے دلوں میں پوری طرح راسخ نہیں ہوا۔ بلکہ تم یوں کہو کہ ”ہم اسلام لے آئے ہیں۔“ آیت قرآنی اور ترجمہ دوبارہ پیش خدمت ہے۔

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱۴)

”دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم کہو کہ ہم اسلام آئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں (پوری طرح) داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال (کی جزا) میں کمی نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

مترادف الفاظ:

لفظِ اسلام اور ایمان کے مابین اس لغوی اور اصطلاحی فرق و امتیاز کے باوجود بسا اوقات یہ دونوں الفاظ مترادف اور ہم معنی بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور کئی مرتبہ لفظِ اسلام بول کر اس سے مراد ایمان اور ایمان کا لفظ بول کر اس سے مراد اسلام بھی لیا جاتا ہے ان دونوں الفاظ کو ایک ہی معنی میں استعمال کرنے کی مثال قرآن حکیم کے ستائیسویں پارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب اور اس سے محفوظ رہنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿فَاخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ السَّالِمِينَ ۝﴾ (۵۱/ الذاریات: ۳۵، ۳۶)

”پس جتنے اہل ایمان وہاں تھے انہیں ہم نے نکال لیا۔ پس ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔“

یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سیدنا لوط علیہ السلام کا گھر تھا۔ جس میں اُن کی دو بیٹیاں اور اُن پر ایمان

لانے والے لوگ تھے۔ اہل تفسیر کا بیان ہے کہ ان اہل ایمان کی کل تعداد تیرہ تھی اور ان میں جناب لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی۔ بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونے والوں میں سے تھی کیونکہ وہ جناب لوط علیہ السلام پر ایمان نہیں لائی تھی۔

معروف مفسر اور محقق جناب مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اسلام کے معنی ہیں اطاعت و انقیاد۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر سراطاعت خم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ اسی لیے پہلے اُن کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا اور پھر انہیں کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے، اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے اُن کے درمیان ہے۔ اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے اُن کے درمیان وہی فرق ہے جو حدیث جبرائیل سے ثابت ہے۔ الی آخرہ۔“

(تفسیر احسن البیان سورۃ ذاریات آیت: ۳۵، ۳۶)

لفظ اسلام اور ایمان کے مترادف اور ایک ہی معنی میں استعمال کرنے کی دوسری مثال کتاب الہی کے گیارہویں پارے میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل، فرعون کی طرف سے ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کے باعث از حد پریشان تھے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! جس طرح تیرے آنے سے پہلے ہم فرعون اور اُس کی قوم کی طرف سے تکالیف و مصائب کا شکار تھے۔ تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا وہی حال ہے اور ہماری پریشانیوں میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ جس کے جواب میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ”امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا لیکن اُس کے لیے ضروری ہے کہ اگر تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو تم اُسی

پر توکل کرو۔ اور اگر تم واقعی مسلمان ہو تو تمہیں صرف اُسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ قرآن کریم سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ بیان فرماتا ہے کہ:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ يُقَوْمُ إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ﴾ (یونس: ۸۴)

”اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اُسی پر توکل کرو، اگر تم مسلمان ہو۔“

اس آیت طیبہ میں بھی ایمان و اسلام کو ہم معنی اور مومن و مسلمان کو مترادف الفاظ کے طور پر استعمال فرمایا گیا ہے۔

احادیث مبارکات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ رسولِ محترم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بعض اوقات ”ایمان“ کا لفظ بول کر اس سے اسلام یعنی ظاہری اعمال مراد لیتے ہیں اور لفظ اسلام کو بمعنی ایمان بھی استعمال فرماتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کا بیان ہے کہ:

”عبدالقیس کا وفد دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا کہ یہ کون سی قوم کے لوگ ہیں یا پوچھا کہ یہ وفد کہاں سے آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ یہ ربیعہ خاندان کے لوگ ہیں (اور آپ کی زیارت و ملاقات کے لیے حاضر ہوئے ہیں) آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اس وفد (یا اس قوم) کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ ان کا آنا مبارک ہو۔ یہ لوگ شرمندہ اور ذلیل ہونے والے نہیں ہیں (بلکہ قابلِ احترام اور لائقِ تکریم ہیں)۔“

وفد عبدالقیس کے لوگوں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا قبیلہ مضر آباد ہے (جن سے ہمیں خطرہ ہے) اس لیے ہم صرف حرمت والے مہینوں میں آپ کے پاس حاضر ہو سکتے ہیں (کیونکہ ان دنوں کا وہ بھی احترام کرتے ہیں اور ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے) لہذا آپ ہمیں کوئی قطعی بات بتادیں جس سے ہم اپنے پچھلے لوگوں بھی آگاہ کر

سکیں۔ اور اس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے اپنے برتنوں کے بارے میں بھی پوچھا۔ تو آپ ﷺ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ”ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔“ پھر خود ہی ان سے سوال کیا کہ اَتَذَرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحْدَهُ؟ کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ اللہ اور اُس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ) ”شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمْسَ“ گواہی دینا اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال میں دینا..... الی آخرہ“

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان)

یہ فرمانِ رسول اس امر پر شاہدِ عدل ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے ایمان کا لفظ بول کر ارکانِ اسلام مراد لیے ہیں اور اس حدیث مبارکہ میں حج کا تذکرہ اس لیے نہیں آیا کہ جب یہ وفد مدینہ طیبہ آیا تھا۔ اُس وقت حج ابھی فرض نہیں ہوا تھا۔

اسلام اور ایمان کے متعلق اب تک کی گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- ① اسلامی عقائد پر دل و جان سے اعتماد و یقین کرنے اور اس کا زبان سے اظہار و اقرار کرنے کا نام ”ایمان“ ہے۔ اور نیک اعمال اس کا لازمی جزو ہیں۔
- ② ارکانِ خمسہ یعنی اقرارِ توحید و رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو لفظ ”اسلام“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔
- ③ بسا اوقات یہ دونوں الفاظ مترادف اور ہم معنی بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔

④ بعض مرتبہ ایمان کا لفظ بول کر مراد ”اسلام“ اور اسلام کے لفظ سے مراد ”ایمان“ لیا جاتا ہے۔

ایمان میں اضافہ :

سورۃ الحجرات کی یہ آیت مبارکہ جہاں ایمان و اسلام کی توضیح و تشریح کرتی ہے وہاں اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ بعض حالات و واقعات اور معاملات و معمولات انسان کے ایمان میں اضافہ اور کمی کا باعث اور سبب بنتے ہیں۔ یعنی بسا اوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن سے کسی شخص کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور بعض اعمال کسی شخص کے ایمان میں کمی کر دیتے ہیں۔

جمہور اہل علم اور محدثین کرام کے خیال میں انسان کے ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے کیونکہ کوئی انسان جتنا نیک، پرہیزگار اور اطاعت شعار ہوگا تو اُس کے ایمان، تقویٰ اور خلوص میں اتنا ہی اضافہ ہوگا اور اگر کوئی شخص نافرمان، بے نماز، بد عمل اور بد کردار ہوگا تو اُس کی بد اعمالیوں کے باعث اُس کے ایمان، تقویٰ اور اخلاص میں کمی اور نقص واقع ہوگا۔ علماء، صلحاء، اتقیا، شرفاء اور زعماء کی محافل میں بیٹھنے والا، جب ان بزرگوں سے قرآن مجید، حدیث رسول، صحابہ کرام اور اولیاء عظام کے ایمان افروز واقعات سنے گا تو اُس کے دل میں رقت، خشیت اور نرمی پیدا ہوگی۔ نیکیاں کرنے کا جذبہ بڑھے گا۔ گناہوں سے نفرت ہوگی اور اُس کے ایمان و عمل اور خلوص میں اضافہ ہوگا۔ اس کے برعکس برے لوگوں کی مجالس میں بیٹھنے، نافرمانوں کی محفل اختیار کرنے اور بد عملوں کی صحبت میں بیٹھنے والا، نیکیوں سے دور اور گناہوں کے قریب ہوگا جس سے اُس کے ایمان و ایقان اور صالحیت و پرہیزگاری میں کمی ہوگی تو گویا اُس کے ایمان میں نقص واقع ہو جائے گا۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ صالحین و ابرار کی صحبت اختیار کرے اور برے انسانوں کی محافل و مجالس سے دور رہنے کی کوشش کرے۔ فارسی کا مشہور شعر ہے۔

صحبت	صالح	ترا	صالح	کند
صحبت	طالح	ترا	طالح	کند

شاید اسی کا پنجابی ترجمہ ہے:

چنگیاں دے لڑگیاں میری جھولی وِچ پھل پئے
بُریاں دے لڑگیاں میرے اگلے وی ڈھل گئے

حالات و واقعات، اعمال و افعال، اور کردار و اطوار کے مطابق انسان کے ایمان میں کمی و بیشی کا مسئلہ متعدد قرآنی آیات میں بھی بیان فرما گیا ہے۔ اللہ رب العزت اپنی آخری اور مقدس کتاب کے نوویں پارے، سورت انفال میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾ (۸/ الانفال: ۲ تا ۴)

”مومن تو وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اُن پر اُس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ صرف اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ اُن کے لیے اُن کے رب کے ہاں درجات ہیں اور بخشش و باعزت رزق ہے۔“

قرآن مجید فرقان حمید کی یہ آیات اس امر پر شاہد ہیں کہ کسی انسان کا ایمان ایک ہی حالت پر نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری، اطاعت گزاری اور تلاوت قرآن مجید سے اُس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، دین حق سے روگردانی اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اس میں کمی واقعی ہوتی رہتی ہے۔ یہ آیات بینات اس امر کی بھی نشاندہی فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ”سچے مومن“ وہ ہیں جن میں یہ پانچ اوصاف و خصائص اور علامات و نشانات پائے جائیں۔

① اُن کے دل اللہ تعالیٰ کا ذکر یا حکم سن کر دہل جاتے ہیں اور وہ اُس کی نافرمانی کے تصور سے

کانپ اُٹھتے ہیں۔

② اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر اُن کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

③ وہ کاموں کی انجام دہی کے لیے ظاہری اسباب و ذرائع اختیار و استعمال کرنے کے باوجود بھروسہ اور توکل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر ہی کرتے ہیں۔

④ وہ نمازوں کو پورے حقوق و آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

⑤ وہ مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی عطاء سمجھتے ہوئے اُس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

ان پانچ خصوصیات کے حامل اہل ایمان کو رب العالمین کی طرف سے سدا امتیاز دی جا رہی ہے کہ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ یہی لوگ سچے مومن ہیں اور دربار الہی سے بشارت سنائی جا رہی ہے کہ ﴿لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ایسے خوش نصیبوں کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں بڑے بلند درجات ہیں۔ وَمَغْفِرَةٌ اور اُن سعادت مندوں کے لیے مغفرت اور بخشش کا اعلان ہے۔ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ اور اللہ تعالیٰ نے جنت کے باعزت اور بے مثال کھانے اُنہیں کے لیے تیار فرما رکھے ہیں۔ سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے کامل مومن بننے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔
دیگر قرآنی آیات:

کتاب الہی کے چھبیسویں پارے میں صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون، اطمینان اور راحت کے نزول کو اُن کے ایمان میں اضافے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۖ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾
(۴۸/۱۱۱: الفتح: ۴)

”وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین نازل فرمائی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ، ایمان میں اور زیادہ ہوں اور آسمانوں اور زمین کے لشکر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بڑی

”حکمت والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کے سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمانوں میں اضافے کی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔

قرآن مجید، فرقان حمید کے گیارہویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ایک طنزیہ سوال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو وہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اس سورت کے نزول سے تمہارے ایمان میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟ دشمنانِ دین کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہاں! جن لوگوں کے دلوں میں پہلے سے ہی ایمان موجود ہے تو قرآن حکیم کی ہر سورت کا نزول اُن کے ایمان میں اضافے، اعتقاد میں مضبوطی اور اعمال میں مزید ذوق و شوق کا سبب بنتا ہے اور جو لوگ نفاق جیسی روحانی بیماری کا شکار ہیں یہ قرآن عزیز اُن کے نفاق اور اسلام دشمنی میں اضافے کا باعث بنتا ہے اور وہ قرآنی آیات کو سن کر مزید کڑھتے، دانت پیستے اور کفِ افسوس ملتے ہیں۔ قرآنی آیات اور ترجمہ سماعت فرمائیے:

﴿وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيْمَانًا؟﴾

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٣٣﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي

قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿١٣٤﴾

(۹/التوبہ: ۱۳۳، ۱۳۵)

”اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو اُن (منافقوں) میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو (بطورِ استہزاء) کہتے ہیں کہ ”اس سورت نے تم میں سے کسی کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟“ (حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لائے ہیں تو اس سورت نے واقعاً اُن کے ایمان میں اضافہ کیا ہے اور وہ (قرآنی سورتوں کے نزول پر) خوش ہوتے ہیں اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے تو اس سورت نے اُن کی (پہلی) ناپاکی میں مزید ناپاکی کا اضافہ کر دیا اور انہیں اس حال میں موت آئی کہ وہ کافر تھے۔“

آخر میں سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت مبارکہ اور اُس کا ترجمہ ایک مرتبہ پھر سماعت فرمائیں تو ان شاء اللہ العزیز اسلام اور ایمان کے بارے میں بیان کردہ حقائق، معارف اور احکام ذہن نشین ہو جائیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱۴)

”دیہاتی لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ (اے رسول ﷺ) آپ فرمائیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم فرماں بردار ہو گئے ہیں۔ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں پوری طرح داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) کی اطاعت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (کی جزا) میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

اللہ رب العالمین کے حضور دست بستہ دعا ہے کہ مولائے کریم ہم سب کو سچا مومن اور پکا مسلمان بننے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اطاعتِ رسول کے فوائد و ثمرات

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
 ﴿وَ اِنْ تُطِيعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلْتَكُم مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْْئًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
 رَّحِيْمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱۴)

”اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) کی اطاعت کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (کی جزا) سے کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

تمام قسم کی تعریفات، تحمیدات اور تسبیحات کی مستحق ذات صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے جو ہم سب کا خالق و مالک اور رازق و حاکم ہے۔ جس نے بغیر ستونوں کے آسمان تخلیق فرمائے اور انسان کے استعمال کے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔ دُنیا میں روشنی پھیلانے کے لیے چاند اور سورج پیدا کیے اور آرام و سکون کے لیے رات کے اندھیروں کو تخلیق فرمایا۔ وہی ہر شے پر قادر و قدیر اور فعال لِّمَا يُرِيدُ ہے۔ عبادت کے لائق صرف وہی خالق ارض و سماء ہے۔ جس کا کوئی والد ہے نہ والدہ۔ بھائی ہے نہ بہن، بیٹا ہے نہ بیٹی، وہ ہر قسم کی شرکت سے مبرا اور ہر قسم کے عیوب سے منزہ ہے۔ وہ اپنی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور عبادات میں وحدہ لا شریک ہے ساری کائنات اُسی کی محتاج مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کی طرف سے لاتعداد، بے شمار اور اُن گنت درود و سلام نازل فرمائے سرور کونین، سید الثقلین، خواجہ بدر و حنین اور جد الحسن و الحسین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی، پیغمبر اور رسول بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ جو رب العالمین کی تمام مخلوقات میں سب سے افضل، اعلیٰ اور عظیم تر شان کے حامل ہیں، جو خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین اور سید الاولین و الآخرین ہیں۔ جن پر اللہ

کریم اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور تمام اہل ایمان کو درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی

اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی

اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و احسان اور لطف و کرم کی بدولت قرآن حکیم کی معروف و مشہور

سورۃ ”سورۃ الحجرات“ کی تفسیر و تشریح اور توضیح و تذکیر خطبات جمعہ میں بیان کی جا رہی ہے۔

اور گزشتہ خطبہ جمعہ کے بابرکت لمحات میں اس سورت مبارکہ کی آیت چودہ کے ابتدائی کلمات

کی تشریح و تعبیر عرض کی جا چکی ہے۔ جس میں مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں مقیم اعراب یعنی

دیہاتی اور بدوی لوگوں کے ظاہری طور پر ارکان اسلام پر عمل کرنے مگر ایمان کی حقیقت سے

ناواقفیت اور لاعلمی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام اور ایمان کا فرق

واضح کیا گیا تھا اور ایمان میں کمی و بیشی کے بارے میں کتاب و سنت کے دلائل بیان کیے گئے

تھے۔ اللہ کریم مقبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

خطبہ جمعہ کی ان مقدس گھڑیوں اور حسین ساعتوں میں اسی سورت الحجرات کی چودہ نمبر

کے آخری الفاظ کی تعبیر و تذکیر کے ضمن میں ان شاء اللہ العزیز ”اطاعت رسول ﷺ کے

فوائد“ بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ کیونکہ اس آیت کے آخری کلمات بینات یہ ہیں کہ:

﴿وَ اِنْ تُطِيعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ لَا يَلِيْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْْءٌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

رَحِيْمٌ ۝۱۵﴾

”اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) کی اطاعت کرو

گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (کی جزا) میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ

تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا از حد مہربان ہے۔“

یعنی جو لوگ اللہ رب العالمین اور رسول رحمتہ للعالمین کے مطیع، فرماں بردار اور وفادار

ہوں گے، انہیں اُن کے نیک اعمال کا پورا پورا بدلہ، صلہ اور جزا دی جائے گی اور اُن کی نیکیوں

کی جزا میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اُن کے اعمال کا کئی گنا بدلہ اور بہتر صلہ دیا جائے گا۔

اطاعتِ رسول کی اہمیت:

ہر انسان اس امر کا خواہش مند اور متمنی ہوتا ہے کہ میں کسی ایسے راستے کا انتخاب کروں جس پر چلنے کی وجہ سے میری زندگی پُر سکون اور اطمینان بخش ہو جائے۔ مجھے تمام سہولیات اور آسانیاں میسر آجائیں اور بغیر کسی غم و اندوہ اور حزن و ملال کے میری حیاتِ مستعار کے دن گزر جائیں..... اسی طرح مرنے کے بعد مجھے قبر اور برزخ میں بھی آرام و اطمینان حاصل ہو۔ میری قبر کو جنت کا باغ بنا دیا جائے..... مجھے عذابِ قبر سے بچا لیا جائے اور انتظارِ آخرت کے یہ ایام بھی بخیر و عافیت گزر جائیں اور پھر آخرت میں مجھے کامیابی اور کامرانی حاصل ہو جائے۔ میرا حساب کتاب آسان ہو جائے گا۔ سرور کائنات ﷺ کے دستِ مبارک سے ”جامِ کوثر“ نصیب ہو جائے۔ محسنِ انسانیت ﷺ کی شفاعت کی سعادت حاصل ہو جائے۔ پُلِ صراط سے باسانی گزر ہو جائے۔ امام الانبیاء ﷺ کے ”لواء الحمد“ اور عرشِ الہی کے سائے تلے جگہ مل جائے۔ اور آخر کار مجھے نعمتوں بھری جنت کا داخلہ نصیب ہو جائے گا۔

اس مقصد کے حصول کی خاطر ہر شخص کوئی نہ کوئی راہِ عمل اختیار کرتا اور اپنی پسند کے راستے کا انتخاب کرتا ہے مگر یاد رکھئے..... توجہ سے سنئے اور..... اس بات کو پہلے باندھ لیجئے کہ دُنیا، قبر اور آخرت کی کامیابی کا راز عقیدہٴ توحید کے ساتھ نبی اکرم، رسولِ معظم، رحمتِ مجسم، سرورِ عالم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری میں مضمر ہے۔ عقائد کی اصلاح اور آپ ﷺ کی اتباع ہی کامیابی کا ذریعہ، نجات کا سبب اور حصولِ جنت کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کی مقرر کردہ ”حدود و قیود“ کی پابندی..... اُسوۂ حسنہ پر عمل اور اطاعتِ رسول ہی کامرانی کا زینہ، حصولِ سعادت کا قرینہ اور برکات کا خزانہ ہے۔ آپ ﷺ کی قائم کردہ حدود سے آگے بڑھنا بھی تباہی کا سبب ہے اور پیچھے رہ جانا بھی ناکامی، بربادی اور ہلاکت ہے۔

آئیے! رسولِ اکرم ﷺ کے خادمِ خاص جناب انس رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ ایک حدیثِ پاک کا مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطًا إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
 تین افراد سیدنا علی، جناب عبداللہ بن عمرو اور جناب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم نبی
 اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے رسول
 مکرم ﷺ کی انفرادی عبادت کا حال دریافت فرمایا جب انہیں آپ ﷺ
 کی عبادت کی تفصیل سے آگاہ کیا گیا (کہ آپ ﷺ رات کو خاصا طویل قیام
 فرماتے، کثرت سے نفلی روزے رکھتے اور اکثر اوقات عبادت میں مصروف
 رہتے ہیں) تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ریاضت کے مقابلے میں اپنی
 عبادت کو حقیر اور کم گردانتے ہوئے کہا کہ: أَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ۔
 نبی اکرم ﷺ مغفور ہونے کے باوجود اتنی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت
 کرتے ہیں۔ پھر ہم گنہگاروں کو تو آپ ﷺ سے کہیں زیادہ عبادت الہی
 میں مشغول رہنا چاہیے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ فَإِنِّي أَصَلِّي
 اللَّيْلَ أَبَدًا۔ آج کے بعد میں ہمیشہ ساری رات نفل پڑھا کروں گا۔ دوسرے
 نے کہا: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ..... میں زندگی بھر روزانہ نفلی روزہ رکھوں گا۔ وَلَا
 أَفْطِرُ۔ اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ تیسرے نے عبادت کے لیے خلوت نشینی
 اختیار کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ
 أَبَدًا۔ میں ساری زندگی عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔
 (نہ بیوی بچے ہوں گے نہ فکر عیال ہوگی۔ اور نہ عبادت سے غافل ہوں گا۔)

رسول محترم ﷺ نے ان تینوں کی گفتگو کو سماعت فرمالیا۔ جب انہوں نے اپنی
 بات چیت ختم کی۔ عہد معاہدہ ہو گیا اور تینوں نے اپنے آپ کو عبادت خداوندی
 کے لیے وقف کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ۔ تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں مخاطب
 کر کے فرمایا۔ أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًا وَكَذَا۔ کیا تم نے یہ یہ باتیں کی

ہیں؟۔ اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوں۔ (لیکن میں نے تمہاری طرح کا کوئی فیصلہ نہیں کیا) لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَزْكَوُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ۔ میں نقلی روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں رات کو تہجد کی نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کی ہوئی ہیں۔ (لہذا تمہارا یہ فیصلہ میری سنت اور طریقے کے خلاف ہے اور یاد رکھو) فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي جو میرے طریقے اور میری سنت سے روگردانی کرے گا۔ وہ میری امت میں سے نہیں ہوگا۔“

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، الترغیب فی النکاح)

اس حدیث رسول سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ کوئی شخص چاہے کتنا نیک اور صالح کیوں نہ ہو۔ اگر اس کی نیکی اور عمل صالح طریقہ رسول ﷺ کے مطابق نہیں ہے تو رب العالمین کے ہاں مقبول و منظور نہیں ہے۔ کسی انسان کے.....

☆ ۱ کثرت سجدے سے ماتھے پر محراب پڑ جائے۔

☆ کثرت رکوعات سے کمر جھک جائے۔

☆ کثرت قیام سے بدن اکڑ جائے۔

☆ کثرت وظائف سے تسبیح ٹوٹ جائے۔

☆ کثرت جلوس سے ٹخنے متورم ہو جائیں۔

☆ کثرت قعود سے گھٹنا سوج جائے۔

☆ بیداری شب سے آنکھیں سرخ ہو جائیں۔

☆ چلے کاٹ کاٹ کے جسم سوکھ جائے۔

اگر اس کے سجدے، رکوع، وظائف، قیام، قعود اور اعمال و افعال سرور عالم ﷺ کی سنت کے مطابق نہیں ہیں تو ان کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں ہے۔

قرآن حکیم نے اہل ایمان کو واضح طور پر حکم دیا ہے کہ:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

(سورۃ حشر آیت: ۷)

”اور تمہیں رسول ﷺ جو عطا فرمائیں وہ لے لو۔ اور تمہیں جس سے منع کریں۔ اس سے باز آ جاؤ۔“

اس آیت کا اصل مقصود مسلمانوں کے دلوں میں اطاعت رسول کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور انہیں اتباع رسول کی ترغیب دینا ہے۔ کیونکہ اطاعت رسول کے بغیر شرعی احکام پر عمل ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام احکام، رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہی انسانوں تک پہنچائے ہیں۔ اطاعت مصطفیٰ درحقیقت اطاعت خدا ہے اور اطاعت خدا دراصل اتباع مصطفیٰ ﷺ ہی کا نام ہے۔ قرآن حکیم میں فرمان الہی ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰)

”جس نے (اللہ کے) رسول ﷺ کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی۔“

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات میں تو واضح فرق ہے مگر دونوں کی بات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرمان مصطفیٰ، فرمان خدا ہے اور فرمان خدا، فرمان مصطفیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳، ۴)

”اور وہ (نبی ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے۔ وہ تو وہی کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔“

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

”اُن (محمد ﷺ) کا فرمان درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ

فرمان اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے (محمد ﷺ) کے حلق سے ادا ہوتا ہے۔“

نام کے مسلمان:

حضرات! ان آیات مبارکات اور نبی محترم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں اگر آج

کے مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے۔ اہل ایمان کے کردار کو پرکھا جائے اور محبت مصطفیٰ ﷺ کے دعوے داروں کے اعمال کا محاسبہ کیا جائے تو آپ خود اندازہ فرمائیں کہ کیا ہم مسلمان کہلانے کے حق دار بھی ہیں؟ ہمارے معاشرے کے اکثر افراد کا حال تو یہ ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی آیات اور رسول مکرم ﷺ کے فرمودات پیش کیے جائیں تو وہ برادری کے رسوم و رواج..... آباؤ اجداد کے طریقہ کار اور بزرگوں کے معمولات کا بہانہ بنا کر قرآن و سنت پر عمل کرنے سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور بعض تو ایسے بدنصیب ہیں جو واضح طور پر بڑی جرأت سے یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ حدیث شریف تو ایسے ہی ہوگی مگر چونکہ یہ حدیث ہمارے امام صاحب، مفتی صاحب، بزرگ صاحب، حضرت صاحب، خطیب صاحب اور مقتدا صاحب کے فتوے، فرمان اور ارشاد کے مطابق نہیں۔ اس لیے ہم اس پر عمل کرنے اور اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ استغفر اللہ۔ العیاذ باللہ۔

آپ غور فرمائیں کہ یہ کیسا اسلام اور کیسی مسلمانی ہے؟۔ کلمہ پڑھیں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا اور اطاعت کریں غیر نبی کی۔ آپ سوچیں کہ کیا ہم نے کلمہ کسی امام کا پڑھا ہے..... کسی فقیہ یا مجتہد کا پڑھا ہے..... کسی عالم یا فاضل کا کلمہ پڑھا ہے..... کسی مولوی، پیر، فقیر، مفتی یا امتی کا کلمہ پڑھا ہے..... نہیں، ہرگز نہیں..... بلکہ ہم نے حضرات محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے۔ لہذا ہمارے لیے کسی امام، فقیہ، بزرگ، عالم، مفتی، پیر فقیر، مقتدا، رہنما، پیشوا کی اطاعت و فرماں برداری قطعاً ضروری نہیں ہے بلکہ ہمارے لیے ضروری ہے تو عرش والے خدا کی عبادت ضروری ہے اور مدینے والے مصطفیٰ کی اطاعت ضروری ہے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم بزرگوں کی گستاخی یا توہین کا درس دیتے ہیں..... نہیں..... ہرگز نہیں..... قطعاً نہیں..... بلکہ ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ ہر شخص کے حسب حال اس کی عزت، احترام، تعظیم اور تکریم ضروری کی جائے۔ مگر فرمانبرداری، اتباع اور اطاعت صرف اور صرف جناب محمد کریم ﷺ کا استحقاق ہے..... عبادت خدا کی..... اطاعت مصطفیٰ کی.....

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ..... ہمیں رب العالمین کی عبادت میں کسی غیر کی شرکت گوارا نہیں ہے..... اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی اطاعت میں بھی کسی غیر کی شرکت

برداشت نہیں ہے..... یہی اصل اسلام، حقیقی ایمان اور حکم قرآن ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ لَا تُبْطِلُوا
أَعْمَالَكُمْ ۝﴾ (۴۷/ محمد: ۳۳)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور (اس کے) رسول ﷺ کی
فرمانبرداری کرو۔ اور (نافرمانی کر کے) اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔“

بقول مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ مومن کا عقیدہ اور عمل تو ایسا ہونا چاہیے کہ:

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور پر
میری ہزار جان ہو قربان مصطفیٰ
رشتہ میرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے
چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامان مصطفیٰ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سرور گرامی ﷺ کا اطاعت گزار بننے کی سعادت نصیب فرمائے

آمین۔

حضرات! یاد رکھیے کوئی عمل بظاہر کتنا اچھا اور خوبصورت نظر کیوں نہ آئے۔ اسے سر
انجام دینے والوں کی تعداد بہت زیادہ کیوں نہ ہو اور اس پر عمل کرنے والوں میں نامور
شخصیات شامل کیوں نہ ہوں، لوگوں کی نگاہوں میں وہ عمل بڑا قابل قدر اور لائق تعریف کیوں
نہ ہو..... مگر امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے اور سنت کے مطابق نہیں ہے تو
دربار الہی میں اس عمل کی کوئی حیثیت اور افادیت نہیں ہے..... اس کے برعکس سنت مصطفیٰ اور
طریقہ رسول کے مطابق کیا گیا عمل اگرچہ بظاہر معمولی نظر آتا ہو..... مگر رب العزت کے ہاں
اُس کا اجر و ثواب بے حساب ہے۔ یہی بات سورۃ الحجرات کی اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی
گئی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان عالی شان ہے:

﴿وَ إِن تَطِيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ۝﴾

”اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) کی اطاعت

کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (کی جزا) سے کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ، احکام اسلام کی تلخیص اور قرآنی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے۔ کہ اللہ رب العالمین کی عبادت کی جائے اور رسول رحمۃ للعالمین ﷺ کی اطاعت و اتباع کی جائے۔ اسی میں دنیا کا بھلا اور اسی میں آخرت کی نجات ہے۔

اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہو تمامی کا گلے میں پہن لو کرتا محمد کی غلامی کا

① فلاحی و کامیابی اور نجات:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کے فوائد و ثمرات اور نتائج و برکات کا احاطہ تو انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ البتہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اسی کے فضل و کرم کی بدولت، اختصاراً اطاعت خدا اور اتباع مصطفیٰ کے دس اہم فوائد کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عبادت اور اپنے محبوب کی اطاعت کرنے کی ہمت اور توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

قرآن حکیم اور احادیث مبارکات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی نجات و فلاح اور کامیابی و کامرانی صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری سے حاصل ہوتی ہے اور حصول ہدایت کا آسان طریقہ بھی آپ ﷺ کی اتباع و اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥١﴾ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ٥٢﴾

(النور: ٥١-٥٢)

”ایمان والوں کی بات تو صرف اتنی ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو وہ

کہتے ہیں کہ ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا رہتا ہے۔ اور (اُس کی نافرمانی سے) بچتا رہتا ہے تو یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“

آپ اس آیت مبارکہ کے کلمات مبارکات اور اُن کے ترجمے پر غور فرمائیں تو آپ پر یہ حقیقت کھل آجائے گی کہ اللہ رب العالمین نے مومن و مسلمان کی نشانی اور علامت ہی یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم اور فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور بلا حیل و حجت اُس پر عمل کر کے اپنے ایمان دار ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ پھر مزید فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے محترم رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات و فرمودات کو سن کر ان کے مطابق عمل کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیاب و کامران قرار دیا ہے۔ اور انہیں فلاح و نجات کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ فرمائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ خوشی اور غمی..... غم اور یُسّر..... جنگ اور امن..... سفر اور حضر..... الغرض ہر وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے تھے اور کسی لمحے بھی اطاعت خدا اور اتباع مصطفیٰ سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ ایمان کی تازگی اور نصیحت و موعظت کیلئے صرف ایک واقعہ عرض کیے دیتا ہوں۔ صحابی رسول سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”جب نبی اکرم ﷺ (مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ اپنے نہال یا اپنے انصاری ماموؤں کے ہاں اقامت پذیر ہوئے۔ اور آپ ﷺ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت) سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ مگر آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف کو مقرر کر دیا جائے۔ (چنانچہ آپ ﷺ کو جب خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا) تو آپ ﷺ نے بیت اللہ کی

طرف رخ کر کے جو پہلی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی امامت و اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔ آپ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والوں میں سے ایک صحابی کا گزر دوسری مسجد کے قریب سے ہوا تو اُس نے دیکھا کہ اس مسجد کے نمازی رکوع کی حالت میں ہیں اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس نے پیچھے کھڑے ہو کر آواز دی کہ: أَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَبْلَ مَكَّةَ۔ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ کر آیا ہوں۔ (اس صحابی کی آواز سن کر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوران نماز اُسی حالت میں بیت اللہ کی طرف گھوم گئے اور باقی نماز بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ادا کی۔ سبحان اللہ۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان باب الصلاة من الایمان)

آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ اطاعت رسول ملاحظہ فرمائیں کہ امام سمیت نمازیوں میں سے کسی نے نہیں سوچا کہ یہ نماز اسی طرح مکمل کر لیتے ہیں۔ بعد میں تحقیق کریں گے۔ سوچیں گے اور معلومات حاصل کریں گے کہ کیا واقعی ایسا ہوا ہے، اگر ہوا ہے تو کیوں ہوا ہے؟ پھر اگلی نماز بیت اللہ کی طرف رخ کر کے پڑھ لیں گے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جو نہی اعلان کرنے والے کی آواز اُن کے کانوں سے ٹکرائی کہ رسول اکرم ﷺ نے نماز بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھی ہے تو مسجد کے تمام نمازی امام سمیت دوران نماز ہی قبلہ کی طرف پھر گئے اور اطاعت رسول ﷺ کا حق ادا کر دیا۔

آپ ﷺ کے مشہور صحابی جناب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ: ”تحويل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد اگلے دن لوگ مسجد قباء میں فجر کی نماز باجماعت ادا کر رہے تھے (اور ابھی تک یہاں تبدیلی قبلہ کی اطلاع نہیں پہنچی تھی) کہ دوران نماز ہی ایک شخص نے پیچھے سے آکر آواز دی کہ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَدْ أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ

الْقِبْلَةَ۔ نبی کریم ﷺ پر کل قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی ہے اور آپ ﷺ کو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے آپ لوگ بھی اپنا رخ کعبہ اللہ کی طرف کر لیں۔ اصحاب رسول اُس وقت شام (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے مگر رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اُسی وقت تمام نمازی کعبہ اللہ کی طرف پھر گئے۔“

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

اگر ہم بھی صحابہ کرام کی طرح دُنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران ہونا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اصحاب رسول ہی کی طرح اللہ تعالیٰ اور اُس کے آخری رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی غیر مشروط اطاعت و فرماں برداری کرنا ہوگی۔ قرآن مجید فرقان حمید اعلان فرما رہا ہے کہ:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۷۱)

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے تو تحقیق اُس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔“

② ہدایت کا حصول:

حضرات! یاد رکھئے۔ ہدایت کا اصل منبع، راہنمائی کا حقیقی مرکز اور پیشوائی کا بنیادی مصدر صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اُس کے مقدس رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری ہے۔ اللہ رب العالمین اور رسول رحمۃ للعالمین کے مقرر کردہ جادۂ حق کے علاوہ جو راستہ اپنایا جائے وہ ضلالت و گمراہی اور فساد و انتشار کا سبب تو بن سکتا ہے، رُشد و ہدایت کا باعث نہیں بن سکتا۔ قرآن مجید اس امر کی صراحت فرماتا ہے کہ:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (۲۴/ النور: ۵۴)

”(اے رسول ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم ﷺ کی فرماں برداری کرو۔ پس اگر تم (رسول مکرم ﷺ کی اطاعت

سے) روگرانی کرو گے تو اُس کے ذمے تو وہی کچھ ہے جس کا اُسے بوجھ اٹھوایا یعنی پابند کیا گیا ہے (اور وہ صرف تبلیغ ہے) اور تمہارے ذمے بھی وہی کچھ ہے جس کا تمہیں بوجھ اٹھوایا یعنی مکلف بنایا گیا ہے (اور وہ اطاعت و فرماں برداری ہے) اور اگر تم اُس رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری تو صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں رسول محترم ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت کی ذمہ داریوں اور فرائض کو الگ الگ بیان فرما دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اس امر کے پابند اور مکلف ہیں کہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہونے والے احکام و آیات کو اُمت تک پہنچائیں، اسلام کی تبلیغ کریں اور اپنی تمام صلاحیتیں قرآن و حدیث کی اشاعت و ترویج کے لیے بروئے کار لائیں اور آپ ﷺ نے یہ فریضہ کما حقہ سرانجام دے دیا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فریضہ تبلیغ کی پوری طرح ادائیگی پر گواہ بنایا اور اُن سے فرمایا۔ وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟ اے میرے رفقاء! تم سے میری تبلیغی ذمہ داریوں کے بارے میں دریافت کیا جائے گا تو مجھے بتاؤ کہ تم میرے فرائض کی ادائیگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے سامعین سے پوچھا کہ مجھے بتلاؤ! هَلْ بَلَغْتُ؟ کیا میں نے تبلیغ دین کا فریضہ پوری طرح سرانجام دیا ہے یا نہیں؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیک زبان اور باواز بلند جواب دیا کہ نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ وَأَدَيْتَ وَنَصَحْتَ۔ ہم دل و جان سے گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور اپنا فرض پورا کر دیا اور نصیحت کا فریضہ کما حقہ سرانجام دے دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس اعلان حق کے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ جن لوگوں کی طرف تو نے

مجھے رسول بنا کر بھیجا تھا وہ گواہی دے رہے، تسلیم کر رہے، اور اعلان کر رہے ہیں کہ میں نے اپنی رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ الفاظ آپ ﷺ نے اپنی زبانِ نبوت سے تین بار دہرائے اور پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبِ۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں اُن کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ پیغام ضرور پہنچائیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منی۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ)

اس حدیث مبارکہ سے اس امر کی وضاحت اور صراحت ہو گئی کہ رسولِ معظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی تبلیغی ذمہ داریوں اور دعوتی فرائض کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ کیا ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کی ہے یا نہیں؟۔ ہماری اصل ذمہ داری آپ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور فرماں برداری ہے، اگر ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے تو یقیناً ہم دُنیا اور آخرت میں سرخرو اور کامیاب ہوں گے اور ہدایت ہمارا مقدر ہوگی اور اگر خدا نخواستہ ہم نے اطاعتِ رسول کا حق ادا نہ کیا تو کوئی ہمیں دُنیا اور آخرت کی ذلت اور رُسوائی سے بچانہ سکے گا اور ہم ضلالت و گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔ اللہ رب العالمین ہمیں اپنی عبادت اور اپنے پیارے رسول ﷺ کی اطاعت کر کے ہدایت حاصل کرنے اور ضلالت سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

③ بہترین جزا:

امام الرسل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور پیروی کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسے سعادت مند اور نیک بخت لوگوں کو اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال سے بہتر اور کئی گنا زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ کتاب الہی کے چھ بیسویں پارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَإِنْ تَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝﴾ (النَّحْل: ۳۸)

”اویا اگر تم (آپ ﷺ کی) اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر عطا

فرمائے گا اور اگر تم نے (آپ ﷺ کی اطاعت سے) منہ پھریا جیسا کہ پہلے لوگوں نے پھیر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔“

یہ آیت مبارکہ واشکاف الفاظ میں اعلان فرما رہی ہے کہ بہترین اجر، کئی گنا ثواب اور بہتر جزا صرف انہیں افراد و اشخاص کو حاصل ہوگی جو جناب رسول محترم ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کریں گے اور جو بد نصیب آپ ﷺ کی اتباع و اطاعت سے روگردانی کریں گے، انہیں رب العزت دردناک عذاب سے دوچار کرے گا اور جنہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم میں مبتلا کر دے تو اُن کا کوئی مددگار، ہمدرد اور معاون نہیں ہوگا۔ کتاب الہی کے اٹھارہویں پارے میں اسی بات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾

(النور: ۳۸)

”تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اُن کے اعمال سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اپنے فضل سے اور زیادہ عنایت فرمائے۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمت محمدیہ پر کیے جانے والے احسانات و انعامات میں سے ایک اہم انعام و احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کو تھوڑے عمل پر زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ خالق کائنات کی طرف سے قرآن حکیم میں ایک عام اصول بیان فرما دیا گیا ہے کہ:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝﴾ (الانعام: ۱۶۰)

”جو شخص نیک کام کرے گا تو اُس کے لیے اُس کا دس گنا ثواب ہے اور جو شخص ایک بُرائی لائے گا تو اُسے صرف اُس کے مثل ہی سزا دی جائے گی اور وہ (انسان) ظلم نہیں کیے جائیں گے۔“

جب رسول اکرم ﷺ ”عمرة الحديبية“ کے لیے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو کچھ بدوی قبائل کے دیہاتی لوگ بہانہ بنا کر پیچھے رہ گئے اور آپ ﷺ کے ہمراہ شریک سفر نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ جب آپ اپنے

مخلص رفقاء یعنی اصحابِ حدیبیہ کے ہمراہ خیبر فتح کرنے کے لیے روانہ ہوں گے تو یہ دیہاتی لوگ مالِ غنیمت کے لالچ میں آپ کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کریں گے اور غزوہ خیبر میں شمولیت پر اصرار کریں گے، تو اے رسول ﷺ آپ انہیں ہرگز اپنے ساتھ نہ لے جائیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خیبر کے اموال غنیمت کا وعدہ صرف ان مخلصین سے فرمایا ہے جو حدیبیہ کی صلح کے وقت وہاں موجود تھے اور جو صلح حدیبیہ میں شریک نہیں تھے وہ خیبر کی غنیمتوں کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کے ساتھ شریک سفر نہیں تھے۔

البتہ آپ ان دیہاتیوں کو مطلع فرمادیجئے کہ عنقریب انہیں ایک طاقت ور، زبردست اور جنگ جو قوم کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے دعوت دی جائے گی اور اگر تم جہاد و قتال کی اس دعوت پر لبیک کہو گے۔ اُس زبردست قوم سے لڑائی کرو گے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے گھروں سے نکلو گے اور اُس دشمنِ اسلام قوم کو شکست سے دو چار کرو گے اور اطاعتِ رسول ﷺ کا پورا پورا حق ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں مالِ غنیمت سے نوازے گا اور آخرت میں اجر و ثواب عطاء فرمائے گا اور اگر حدیبیہ کے سفر کی طرح اب بھی تم جہاد سے جی جداؤ گے، اطاعتِ رسول ﷺ کا عملی اظہار نہیں کرو گے اور رسولِ اکرم ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب کرو گے تو تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

قرآن مجید کی سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِلّٰهِ الْخَلْفَيْنِ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولٰٓئِیْ بِاَیْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسَلِّمُوْنَ ۚ فَاِنْ طٰطِعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝۱۶﴾ (فتح: ۱۶)

”اے نبی ﷺ، آپ ان دیہاتیوں سے جو (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے۔ فرمادیجئے کہ تمہیں ایک سخت جنگ جو قوم (سے لڑائی) کی طرف بلایا جائے گا۔ (یا تو) تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر اگر تم (رسولِ محترم ﷺ کی) اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ تم نے پہلے روگردانی کی تھی تو وہ تمہیں نہایت

دردناک عذاب میں مبتلا فرما دے گا۔“

یہ آیت طیبہ صریح الفاظ میں ہمیں آگاہ فرما رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر حسن، بہتر بدلہ اور اعمال سے گئی گناہ زیادہ ثواب لینے کا ایک ہی طریقہ اور سلیقہ ہے اور وہ ہے۔ نبی اکرم، رسول معظم، رحمت مجسم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ”اتباع، اطاعت اور فرماں برداری“ اگر کوئی شخص اطاعت رسول کرے گا تو وہ اجر عظیم کا مستحق قرار پائے گا اور اگر کسی بد نصیب نے اپنی زندگی آپ ﷺ کی نافرمانی، بغاوت اور روگردانی میں گزار دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے شدید ترین اور دردناک عذاب سے کسی صورت محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

④ رحمتِ الہی کا نزول:

کسی انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ”رحمت“ رب العالمین کی بہت بڑی نعمت ہے۔ متعدد قرآنی آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو جائے وہاں سے بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں اور کامل شفاء حاصل ہو جاتی ہے..... رحمتِ الہی کی بدولت گناہ معاف ہو جاتے اور خطائیں مٹا دی جاتی ہیں..... رحمتِ خداوندی کے سبب مال و دولت میں برکت و وسعت ہوتی اور غربت و تنگ دستی کا خاتمہ ہو جاتا ہے..... اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو جائے تو نیک اولاد عطا ہو جاتی اور مایوسیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے..... الغرض انسان ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے اور اُسے ہر وقت رب العالمین سے اُس کی رحمت کا سوال کرنے اور رحمت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے..... مگر ایک عمل اور ایک کام ایسا ہے کہ اگر وہ کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بغیر مانگے ہی حاصل ہو جاتی ہے اور ایسے شخص پر رحمتِ الہی کا مسلسل نزول ہوتا رہتا ہے وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازوں کو کھولتا، بندے کو رحمتِ الہی کا مستحق بناتا اور جس کی بدولت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، وہ ”نبی اکرم، رسول مکرم، جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع، اطاعت اور فرماں برداری ہے۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۳۲)

”اور (اے ایمان والو) اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرو، تاکہ تم

پر (اللہ تعالیٰ کی) رحمت (نازل) کی جائے۔“

یہ آیت کریمہ اہل ایمان کو دعوت دے رہی ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کے مستحق بننا چاہتے ہو تو سرور کونین ﷺ کے اطاعت گزار و فرماں بردار بن جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں ڈھانپ لے گی اور رحمتِ الہی کے باعث تمہاری دنیا اور آخرت بہتر ہو جائے گی۔ قرآن مجید کی سورتِ توبہ میں مخلص مومنین و مومنات کے اوصافِ حمیدہ اور خصائص و خصائل کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کی اس خاص صفت ”اطاعتِ رسول“ کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اس کے بدلے میں انہیں اللہ رب العزت کی رحمت کا مستحق قرار دیا گیا ہے فرمانِ الہی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٥١﴾
(٩/التوبة: ٤١)

”اور ایماندار مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں، وہ نیکی کے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ”وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت“ کرنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ”رحمت“ فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کو رسولِ اکرم ﷺ کا اطاعت گزار بن کر اپنی بے پایاں رحمتوں کا مستحق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

⑤ محبوبِ الہی اور گناہوں کی معافی:

نبی محترم ﷺ کی اطاعت، اتباع اور فرماں برداری کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی بدولت بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور اللہ کریم ایسے خوش بخت انسان کے سارے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ قرآن حکیم کے

تیرے پارے میں فرمان الہی ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَ يُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (۳/ آل عمران: ۳۱)

”(اے رسول ﷺ) آپ فرمادیجئے کہ (اے لوگو) اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا، از حد مہربان ہے۔“

اس بابرکت آیت میں خالق ارض و سماء نے حب الہی اور حب رسول ﷺ کا معیار بیان فرمادیا ہے اور اس امر کی صراحت اور وضاحت فرمادی ہے کہ اگر کوئی شخص امام الرسل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا مطیع اور فرماں بردار ہے تو وہ دعویٰ محبت میں صادق اور سچا ہے اور اگر کوئی متبع رسول نہیں ہے تو ایسا شخص اپنے دعوے میں جھوٹا اور اپنے مقصد کے حصول میں ناکام و نامراد ہے۔

دوسری اہم بات جو اس آیت طیبہ میں بیان فرمائی گئی، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی ”مُحِبُّ الہی“ کے مقام سے ترقی کر کے ”مُحِبُّوب الہی“ کی منزل حاصل کرنے کا خواہش مند ہے تو اُس کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے ”اتباع رسول ﷺ“ ارشاد ہوتا ہے کہ اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے، رب السماوات والارض سے اُلفت و عقیدت رکھنے والے اور ذات باری تعالیٰ سے پیار کرنے والے ہو..... اور ہاں..... اگر تم نے میرے رسول ﷺ کی کامل اتباع کی اور آپ کی فرماں برداری کا پورا حق ادا کیا تو میں اعلان کرتا ہوں کہ اپنے حبیب کے فرماں برداروں کو میں اپنا ”مُحِبُّوب“ بنالوں گا۔ اور جو میرا محبوب بن جائے گا پھر اُس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا بلکہ رسول اکرم ﷺ کے حقیقی فرماں برداروں اور وفا شعاروں کے تمام گناہوں پر معافی کا قلم پھیر کر انہیں خطاؤں اور غلطیوں سے پاک اور صاف کر دیا جائے گا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت اور منقبت اور رفعت عطا فرمائی، اُس کی واحد وجہ یہی تھی کہ وہ اول و آخر اور ظاہر و باطن میں رسول مکرم ﷺ کی اطاعت و

اتباع کو ہی اہمیت دیتے اور اُسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ مشہور تابعی امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

”ہم صحابی رسول جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سفر کر رہے تھے کہ ایک مقام پر عبداللہ رضی اللہ عنہ اصل راستے سے ذرا ہٹ گئے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد قافلے میں واپس تشریف لائے تو ہم نے عرض کی لِمَ فَعَلْتَ ذَلِكَ؟ آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذَلِكَ فَفَعَلْتُ مِثْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے گزرے تھے تو آپ نے اس جگہ اسی طرح کیا تھا۔ لہذا میں نے یہ عمل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء، اتباع اور فرماں برداری میں کیا ہے۔“ (الترغیب والترہیب جلد اول)

اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری اور اتباع و پیروی کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

⑤ جنت میں داخلہ:

دُنیا میں ہر صاحب ایمان کی یہ خواہش، کوشش اور آرزو ہوتی ہے..... اور ہونی چاہیے..... کہ میں ایسے اعمال و افعال کروں، ایسا کردار اپناؤں اور ایسی نیکیاں کروں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ حشر کے دن مجھ پر رحمت فرمائے اور مجھے جنت کا داخلہ نصیب ہو جائے۔ بلکہ بدکردار، بد افعال، بد عقیدہ اور بری حرکات کا مرتکب بھی یہ تمنا رکھتا ہے کہ مجھے بھی معاف کر کے جنت کا مستحق قرار دے دیا جائے۔ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم کی متعدد آیات مبارکات میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص دُخولِ جنت کا خواہش مند، جہنم کے عذاب سے نجات کا متمنی اور حشر کے دن کامیابی کا آرزو مند ہے تو اُسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور فرماں برداری کرنا ہوگی، کیونکہ اطاعتِ مصطفیٰ کے بغیر جنت کا دُخول و حصول ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا ۖ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٣﴾ (النساء: ۱۳)

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) کی اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

قرآن عزیز کی سورۃ فتح میں اسی بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وََمَنْ يَتَوَلَّ بَعْدَ ذَلِكَ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ (فتح: ۱۷)

”اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) کی اطاعت کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا کہ اُن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور جو کوئی (آپ ﷺ کی اطاعت سے) روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔“

یہ آیت کریمہ واشگاف الفاظ میں اعلان فرما رہی ہے کہ آخرت کے عذاب سے چھٹکارے، جہنم سے آزادی اور دردناک عذاب سے نجات کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ”اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت“ اگر کوئی بد نصیب آپ ﷺ کی نافرمانی کرتا رہے اور اُسے توبہ کے بغیر نافرمانی کی حالت میں ہی موت آجائے تو وہ کسی صورت بھی عذاب الیم سے نجات حاصل نہیں کر سکتا اور جنت کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ رسول کریم ﷺ نے تو اپنی نافرمانی کو داخلہ جنت سے انکار کے مترادف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول عظیم ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى۔ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ أَبَى؟ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى))

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ)

”میری ساری اُمت جنت میں داخل ہوگی سوائے اُن کے جنہوں نے (جنت جانے سے) انکار کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ

(جنت میں جانے سے) انکار کون کرے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے تو تحقیق اُس نے خود ہی جنت میں داخلے سے انکار کر دیا۔“

اس حدیث نبوی ﷺ سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ دخول جنت کے لیے اطاعتِ رسول لازمی اور ضروری چیز ہے اور پیرویِ مصطفیٰ کے بغیر جنت کا دخول ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنے محبوب ﷺ کی اطاعت و اتباع کر کے جنت کا مستحق بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

⑦ جنت میں رفاقتِ انبیاء:

حضرات! اطاعتِ مصطفیٰ اور اتباعِ رسول کا ایک اور اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے خوش نصیبوں، نیک بختوں اور سعادت مندوں کو نہ صرف جنت میں داخل فرمائے گا بلکہ اپنے محبوب ﷺ کے اطاعت گزاروں کو جنت میں صلحاء، شہداء، صدقاء اور انبیاء کی رفاقت و معیت اور قربت و صحبت عطا فرمائے گا۔ کتابِ الہی کے پانچویں پارے میں فرمانِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝﴾
(النساء: ۶۹)

”اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور (اُس کے) رسول ﷺ کی اطاعت کرے تو یہ لوگ (حشر کے دن) اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام سے اور صدیقوں سے اور شہیدوں سے اور صالحین سے اور یہ ساتھی تو بہت ہی اچھے ہیں۔“

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، رسولِ اکرم ﷺ کے فرماں برداروں کے لیے اس قرآنی خوشخبری کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:

”ایک صحابی (جناب ثوبان رضی اللہ عنہ) دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے تو اُن کا چہرہ اُترا ہوا، رنگ اُڑا ہوا اور طبیعت پریشان تھی۔ آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا۔

کیوں پریشان ہو؟ تو انہوں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی جسمانی تکلیف نہیں بلکہ روحانی پریشانی ہے۔ ارشاد ہوا، وہ کیا ہے؟ تو جناب ثوبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! إِنَّكَ لَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَمِنْ أَهْلِي وَمِنْ وَلَدِي۔ مجھے آپ کے ساتھ اپنی جان، اہل و عیال اور اولاد سے بھی زیادہ محبت و اُلفت ہے اور میری آپ سے عقیدت و مودت کی کیفیت اور حالت یہ ہے کہ میں اپنے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ خوش و خرم بیٹھا ہوتا ہوں کہ اچانک آپ کی یاد ستاتی ہے تو فوراً بھاگ کر آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو جاتا ہوں اور آپ کے رُخِ اقدس کی زیارت کر کے دل کو مطمئن اور مسرور کر لیتا ہوں۔ حسبِ معمول میں آج بھی اپنی قیام گاہ پر اہل و عیال کے ساتھ مصروف گفتگو تھا کہ مجھے اچانک خیال آیا کہ دُنیا میں تو آپ کے رُخِ مبارک کی زیارت سے دل کو خوش اور مطمئن کر لیتا ہوں لیکن اس جہان سے رُخصت ہو جانے کے بعد۔ إِنَّكَ إِذَا دَخَلْتَ الْجَنَّةَ رُفِعَتْ مَعَ النَّبِيِّينَ وَإِنْ دَخَلْتَ الْجَنَّةَ خَشِيتُ أَنْ لَا أَرَكَ۔ بلاشبہ آپ تو جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بلند و بالا اور رفیع الشان درجے میں ہوں گے اور اگر میں رحمتِ الہی کی بدولت جنت میں داخل ہو بھی گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون نہ پہنچا سکوں گا۔ اور اگر خدا نخواستہ مجھے آپ کی زیارت نصیب نہ ہوئی تو مجھے جنت میں بھی قرار نہیں آئے گا۔ رسولِ رحمت ﷺ اپنے محبِّ صادق جناب ثوبان رضی اللہ عنہ کے یہ حسین جذبات اور نرالی الفاظ سن کر ابھی خاموش ہی تھے اور کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ جناب جبریل علیہ السلام یہ مژدہ جاں فزا اور بشارتِ عظمیٰ لے کر تشریف لائے کہ اے محبوبِ خدا سے محبت اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والو! خوش ہو جاؤ کہ رب العالمین تمہیں جنت میں تمہارے اور اپنے محبوب کی جدائی کے صدمے سے دو چار نہیں کرے گا بلکہ وہ تمہیں جنت الفردوس میں سرور

کوئین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی رفاقت، صحبت اور معیت نصیب فرمائے گا۔“

(تفسیر قرطبی، جز ۵، تفسیر ابن کثیر جلد اول سورۃ نساء آیت: ۶۹)

اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ پر خصوصی فضل و کرم فرماتے ہوئے اس بشارت عظمیٰ کو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص کرنے کی بجائے قیامت تک آنے والے اطاعت گزار اہل ایمان کے لیے عام فرمادیا کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار اور جناب محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرماں بردار ہوگا اُس کے اعمال، افعال اور کردار کی مناسبت سے انبیاء، اصداقاء، شہداء اور صلحاء کا ساتھ نصیب فرمایا جائے گا۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۖ﴾
(۴/النساء: ۶۹)

”اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور (اُس کے) رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ انبیاء کرام سے صدیقوں سے، شہیدوں اور نیک لوگوں سے اور یہ ساتھی تو بہت ہی اچھے ہیں۔“

یعنی اگر آج کا کوئی مسلمان بھی رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کامل اتباع اور پوری فرماں برداری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے بھی جنت میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا قرب، دیگر انبیاء کی صحبت، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفاقت، شہیدوں کا ساتھ اور صالحین و ابرار کی معیت نصیب فرمائے گا۔ رسول محترم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جتنی خوشی اس فرمان رسول کو سن کر ہوئی، اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی، کیونکہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی رفاقت کے خواہش مند تھے۔“ (تفسیر احسن البیان، سورۃ نساء آیت: ۶۹)

اگر کوئی مومن و مسلمان جنت میں رسول مکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی معیت اور ہمسائیگی کا طلب گار ہے تو اُسے چاہیے کہ زندگی بھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کرے، آپ کے نقش قدم پر چلے،

آپ کی اتباع کو لازم پکڑے اور آپ ﷺ کی سنتوں سے محبت کرے تو رب العالمین اُسے جنت میں رحمت للعالمین کا ساتھ نصیب فرما دے گا۔ آپ ﷺ کے خادم جناب انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ))

(جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی من دعا الی ہدی.....)

”جس نے میری سنت سے محبت کی تو تحقیق اُس نے میرے ساتھ محبت کا حق ادا کر دیا اور جو شخص میرے ساتھ محبت کرے تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔“

⑧ اختلافات کا خاتمہ:

حضرات! یاد رکھئے اُمت کے اختلافات، تنازعات اور فسادات کے خاتمے کا نسخہ کیا بھی ”اطاعت رسول“ ﷺ ہی ہے۔ آج اُمت مسلمہ جس انتشار، خلفشار اور افتراق کا شکار ہے، اس کا واحد اور پائیدار حل آپ ﷺ کی اتباع اور فرماں برداری ہے، اگر ساری اُمت محمدیہ دامنِ مصطفیٰ سے وابستہ ہو جائے اور اطاعتِ رسول کو اپنا شعار بنالے تو اختلاف و افتراق ختم ہوسکتا اور اُمت کو ایک لڑی میں پرویا جاسکتا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج اُمت مختلف فرقوں، حصوں اور خانوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ قوم کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور اُمت واحدہ کئی ٹکڑوں میں بٹ چکی ہے۔ اتحادِ اُمت کا اصول، ضابطہ اور فارمولا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ ج فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ ذَلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝٤٩﴾ (النساء: ۵۹)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور (اُس کے) رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور اپنے میں سے صاحبِ امر یعنی اپنے امیر کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم کسی چیز میں باہم اختلاف کرو تو اُسے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ تمہارا یہ کام انجام کے

اعتبار سے بہتر اور بہت اچھا ہے۔“

دورِ حاضر کے نام ور محقق، مصنف اور مفسر مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کی بڑی عمدہ تفسیر فرمائی ہے۔ لہذا اُسے یہاں حرف بحرف نقل کیا جاتا ہے۔

”أُولُو الْأَمْرِ (اپنے میں سے اختیار والے) سے مراد بعض کے نزدیک اُمراء و حکام اور بعض کے نزدیک علماء و فقہاء ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت تو اللہ ہی کی ہے کیونکہ ﴿إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (۷/ الاعراف: ۴۵) ”خبردار مخلوق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی اُسی کا ہے۔“ ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ط﴾ (۱۲/ یوسف: ۴۰) ”حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔“ لیکن چونکہ رسول خالص منشاء الہی ہی کا مظہر اور اُس کی مرضیات کا نمائندہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب الاطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ج﴾ (۴/ النساء: ۸۰) ”جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔“ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث بھی اسی طرح دین کا ماخذ ہے جس طرح قرآن کریم۔ تاہم اُمراء و حکام کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ یا تو اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں۔ یا اُمت کے اجتماعی مصالح کا انتظام اور نگہداشت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُمراء و حکام کی اطاعت اگرچہ ضروری ہے لیکن وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ مشروط ہے اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ، اسی لیے۔ أَطِيعُوا اللَّهَ۔ کے بعد أَطِيعُوا الرَّسُولَ۔ تو کہا، کیونکہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل اور واجب ہیں لیکن أَطِيعُوا أُولَى الْأَمْرِ۔ (اولی الامر کی اطاعت کرو) نہیں کہا۔ کیونکہ اولی الامر کی اطاعت مستقل نہیں ہے اور حدیث میں بھی کہا گیا ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ وقال الالبانی

حدیث صحیح مشکوٰۃ رقم: ۳۶۹۶ فی لفظ لمسلم لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ، کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیۃ حدیث نمبر ۱۸۴۰۔ اور اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب نمبر ۴) السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً ”معصیت میں اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے۔“۔ یہی حال علماء و فقہاء کا بھی ہے۔ (اگر اولوالامر میں اُن کو بھی شامل کیا جائے) یعنی اُن کی اطاعت اس لیے کرنی ہوگی کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کے احکام و فرمودات بیان کرتے ہیں اور اُس کے دین کی طرف ارشاد و ہدایت اور راہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء و فقہاء بھی دینی اُمور و معاملات میں حکام کی طرح یقیناً مرجع عوام ہیں۔ لیکن اُن کی اطاعت بھی صرف اُس وقت تک کی جائے گی جب تک کہ عوام کو صرف اللہ اور اُس کے رسول کی بات بتلائیں، لیکن اگر وہ اس سے انحراف کریں تو عوام کے لیے اُن کی اطاعت بھی ضروری نہیں۔ بلکہ انحراف کی صورت میں جانتے بوجھتے ان کی اطاعت کرنا سخت معصیت اور گناہ ہے۔

اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد قرآن کریم اور الرسول سے مراد اب حدیث رسول ہے۔ یہ تنازعات کو ختم کرنے کے لیے ایک بہترین اصول بتلادیا گیا ہے۔ اس اصول سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی تیسری شخصیت کی اطاعت واجب نہیں۔ جس طرح کہ تقلید شخصی یا تقلید معین کے قائلین نے ایک تیسری اطاعت کو بھی واجب قرار دے رکھا ہے۔ اور اسی تیسری اطاعت نے جو قرآن کی اس آیت کے صریح مخالف ہے، مسلمانوں کو اُمت متحدہ کی بجائے اُمت منتشرہ بنا رکھا ہے اور اُن کے اتحاد کو تقریباً ناممکن بنا دیا ہے۔“

(تفسیر احسن البیان سورۃ نساء آیت: ۵۹)

اس تشریح و توضیح سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ اُمت کو متحد، متفق، یک جان اور ایک کرنے

اور رکھنے کا یہی طریقہ اور اصول ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے تمام افراد و اشخاص اللہ تعالیٰ اور اُس کے آخری رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے اطاعت گزار و فرماں بردار بن جائیں اور فرقوں، گروہوں، جماعتوں اور گروپوں میں تقسیم ہونے کی بجائے ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک کعبہ اور ایک دین کے نکتہٴ واحدہ پر متفق و متحد ہو جائیں۔

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم نے بھی یہی فرمایا ہے کہ۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

⑨ باعثِ خیر و برکت اور بھلائی:

حضرات! یاد رکھئے، ذہن نشین فرمائیے اور یقین کیجئے کہ امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت و اتباع میں سراپا خیر و برکت اور بھلائی ہی بھلائی ہے۔ جو شخص آپ ﷺ کے حکم کی بجا آوری کرتا ہے تو اطاعتِ رسول کے باعث اللہ تعالیٰ اُس پر رحمتوں، برکتوں اور سعادتوں کا نزول فرماتا ہے اور اُسے کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا نہیں فرماتا۔ صرف ایک حدیث مبارکہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی صحابیہ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

”میرے خاوند ابو عمرو بن حفص نے جب مجھے تیسری طلاق دے کر اپنی زوجیت سے فارغ کر دیا تو میں بعد از تکمیلِ عدت رسول مکرم ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور ابو جہم رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ ارشاد فرمائیے، میرے لیے کیا حکم ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكَ لَا مَالَ لَكَ إِنَّكِ حَنِ اسَامَةَ بْنِ

زید فکرِ ہتھہ ثَمَّ قَالَ إِنَّكَ حَيُّ أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ۔ ابو جہم تو ایسا آدمی ہے جو اپنے کندھے سے ڈنڈا نہیں اُتارتا یعنی سخت مزاج آدمی ہے اور معاویہ تو مفلوک الحاک آدمی ہے یعنی اُس کے پاس کوئی مال وغیرہ نہیں ہے۔ تم ایسا کرو کہ اُسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اُسامہ بن زید کو ناپسند کرتی تھی لیکن آپ ﷺ نے مجھے دوبارہ حکم دیا کہ تم اُسامہ بن زید سے ہی نکاح کرو (دوسری روایت میں ہے کہ میں نے آپ ﷺ کی بات سن کر ازراہ تعجب اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ہیں۔ اُسامہ، اُسامہ؟ یعنی میں اُسامہ سے نکاح کر لوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طَاعَةُ اللَّهِ وَطَاعَةُ رَسُولِهِ خَيْرٌ لَّكَ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہی تمہارے لیے خیر و بھلائی ہے۔ چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل اور اطاعت کرتے ہوئے میں نے اُسامہ بن زید کے ساتھ نکاح کر لیا تو۔ فَجَعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا وَاعْتَبَطْتُ بِهِ۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں اتنی خیر و برکت عطاء فرمائی کہ دوسری عورتیں مجھ پر رشک کیا کرتی تھیں۔“

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائن لانفقت لہا)

اس واقعہ سے دو چیزیں روز روشن کی طرح واضح ہو گئیں۔ ایک یہ کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری میں خیر ہی خیر، برکت ہی برکت اور بھلائی ہی بھلائی ہے اور دوسری یہ کہ آپ ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ہر فرمان، حکم اور ارشاد وحی الہی ہوتا ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳-۴)

”وہ رسول ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا، وہ تو وہی کہتا ہے جو اُس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔“

⑩ جزا میں کمی نہ ہوگی:

امام المرسلین جناب محمد کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا ایک ہم فائدہ یہ ہوگا کہ جو اعمال آپ ﷺ کے ارشادات و فرمودات کے مطابق کیے جائیں گے ان کے اجر، جزا اور صلے میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی بلکہ سنت رسول کی پیروی میں کیے جانے والے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہی بات سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (۴۹/ الحجرات: ۱۳)

”اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تو وہ اعمال کی جزا میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا از حد مہربان ہے۔“

بتوفیق اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات کے ان کلمات طیبات کی تشریح و توضیح میں رسول اکرم ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کے دس اہم فوائد و ثمرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو اپنی زندگی کے جمیع معاملات میں آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کرنے کی توفیق و سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

حقیقی مومن کی پہچان

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
 ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا
 بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ ۝﴾
 (۴۹/الحجرات: ۱۵)

”یقیناً (حقیقی) مومن تو وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (جناب محمد مصطفیٰ ﷺ) پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے مومن ہیں۔“

تمام تعریفات و تحمیدات کے لائق صرف اور صرف خالق ارض و سماء اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جو ہر جاندار کو اس کی ضرورت اور اپنی حکمت کے مطابق روزی عطا فرماتا ہے اور خالق کائنات ہونے کی حیثیت سے ساری کائنات کی تمام حاجات و ضروریات پوری کرنے کا اکیلا ہی ذمہ دار ہے۔

اللہ رب العزت لا تعداد، بے شمار، ان گنت اور بے حساب درود و سلام نازل فرمائے رحمت کائنات، سرور کائنات اور نبی کائنات جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ہستی مبارکہ پر جنہیں رب العالمین نے اپنی تمام مخلوقات میں سب سے افضل، اعلیٰ، اشرف اور اکمل پیدا فرمایا ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں اور اہل ایمان کو آپ ﷺ پر درود پڑھنے اور آپ کی ہر بات کو قبول و تسلیم کا حکم فرمایا ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ
 إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ

إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

سورۃ الحجرات کی اس آیت مبارکہ میں حقیقی مومن اور اصلی ایماندار کی چند علامات اور نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں اور ان صفات سے متصف شخص کو ہی سچا مومن قرار دیا گیا ہے۔ آج عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہم مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے، ہمارے نام مسلمانوں والے ہیں، ہمارے باپ دادا ایماندار تھے اور ہم ایک مسلم ملک کے باشندے ہیں۔ لہذا ہمارے ایماندار ہونے میں تو کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور..... ہاں..... اگر ہم مومن و مسلمان نہیں ہیں اور ہمارا ایمان معتبر نہیں ہے تو پھر پتہ نہیں ”ایمان“ کس چیز کا نام ہے؟ اور مومن و مسلمان کسے کہتے ہیں؟

ان شکوک و شبہات کے ازالے اور ایمان کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے سورۃ الحجرات کی اس آیت کی تفسیر کا جاننا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بابرکت آیت میں مومن بندوں کی پانچ علامات اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں، جو یہ ہیں:

- ① صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین و اعتماد۔
 - ② خلوصِ دل سے رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان۔
 - ③ عقیدہ و ایمان کا ہر قسم کے شک اور ریب سے پاک ہونا۔
 - ④ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا۔
 - ⑤ فی سبیل اللہ جانی جہاد کرنا۔
- ایمان کا معنی و مفہوم:

دینی مسائل اور احکام پر گفتگو کرتے ہوئے بار بار ایمان کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں بھی اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ذہن نشین کر لیا جائے۔

لفظ ”ایمان“ امن سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی امن و سکون اور اطمینان ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ))

(سنن ابن ماجہ، کتاب اللقن، باب حرمة المؤمن ووالہ)

”مومن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں پر امن ہوں۔“

ایمان کا معنی تصدیق و تائید بھی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ جب بردار بن یوسف سیدنا یوسف علیہ السلام کو اندھیرے کنویں میں پھینک کر سرشام سیدنا یعقوب علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو انہیں یوسف کو بھیڑیے کے کھا جانے کی من گھڑت اور جھوٹی داستان سناتے ہوئے آخر میں کہا کہ:

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝﴾ (یوسف: ۱۷)

”اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں؟“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ اور قرآن عزیز کی آیت کریمہ سے واضح ہو گیا کہ ”ایمان“ کا لغوی معنی تصدیق، اعتماد، یقین اور امن و سکون ہے۔ جبکہ شرعی اصطلاح میں ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ:

”اس امر پر پورا یقین و اعتماد کیا جائے اور دل و جان سے تصدیق و تائید کی جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے جو احکام، اصول اور ارکان نازل فرمائے وہ سب برحق ہیں اور نیک اعمال، ایمان کی بنیادی شرط ہیں۔“

لہذا ہر صاحب ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات اور احکام و ارکان پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے تمام اسلامی عقائد و ارکان کا زبانی اقرار کرے۔ دل سے تصدیق و تائید کرے۔ اور اعضاء و جوارح سے اُس کے مطابق نیک اعمال کرے۔ اگر کوئی شخص صرف زبانی اقرار کرے مگر دل سے تصدیق نہ کرے تو وہ ”مومن“ کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ اور اگر کوئی دل سے تائید و تصدیق تو کرے مگر زبان سے اظہار و اعلان نہ کرے تو ایسے شخص کو بھی اہل ایمان میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر کوئی زبان سے اقرار و اعتراف بھی کرے، دل سے تصدیق و تائید بھی کرے مگر احکام اسلام پر عمل

نہ کرے تو ایسے شخص کو بھی مومن کامل نہیں کہا جائے گا۔ گویا جمہور علماء کے نزدیک عقائد و ارکانِ اسلام کے بارے میں تین امور کے مجموعے کا نام ”ایمان“ ہے۔

(۱) اقرار باللسان (۲) تصدیق بالجنان (۳) عمل بالارکان۔

اس مختصر وضاحت کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت کے الفاظ اور ترجمہ پر غور کریں تو ان شاء اللہ العزیز حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی۔ ارشاد الہی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝﴾

”یقیناً حقیقی مومن تو وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان

لائے۔ پھر انہوں نے شک نہیں کیا۔ اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے

ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔“

اسلام کے بنیادی عقائد:

اسلام کے بنیادی عقائد کی تعداد چھ ہے جن پر دل و جان سے ایمان لانا ضروری اور لازمی ہے۔ ان بنیادی عقائد میں سے پانچ عقائد کا تذکرہ سورۃ بقرہ آیت ۱۷۷ میں کیا گیا ہے اور اس آیت مبارکہ کو ”آیت البر“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ

وَالنَّبِيِّينَ ۚ﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

”اور لیکن نیکی تو اس شخص کی (قبول) ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آخرت

کے دن پر یقین کرے اور فرشتوں، کتابوں اور نبیوں کو برحق تسلیم کرے۔“

اس بابرکت آیت میں اسلام کے جن بنیادی عقائد کی نشان دہی کی گئی ہے، وہ یہ ہیں:

① اللہ تعالیٰ پر ایمان۔

② آخرت پر ایمان۔

③ فرشتوں پر ایمان۔

④ الہامی کتابوں پر ایمان۔

⑤ انبیاء کرام پر ایمان۔

اسلام کا چھٹا بنیادی عقیدہ ”تقدیر پر ایمان“ ہے جس کا تذکرہ ”حدیث جبریل“ میں کیا گیا ہے۔ کہ آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں سیدنا جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی آپ ﷺ سے متعدد سوالات کیے اور آپ ﷺ کے درست جوابات کی تصدیق فرمائی۔ اُن سوالات میں سے ایک سوال ”ایمان“ کے بارے میں بھی تھا۔ چنانچہ حدیث میں کہ جناب جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ:

((فَاخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

”آپ مجھے ایمان کے بارے میں خبر دیں کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی اور بُری تقدیر پر یقین کرو۔“

اسلام کے ان چھ بنیادی عقائد و نظریات میں سے پہلے دو عقیدوں کا تذکرہ سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت میں بھی کیا گیا ہے کہ:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

”حقیقی مومن تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔“

لہذا ہم اسلام کے ان دو بنیادی عقائد کی مختصر وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ تشریح و توضیح کا کوئی پہلو تشنہ اور نا مکمل نہ رہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مقبول فرمائے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان (عقیدہ توحید)

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ ہر مومن اس امر پر کامل یقین رکھے کہ ذات الہی موجود ہے اور وہ اپنی ذات، صفات، اختیارات اور عبادات میں اکیلا، تنہا اور وحدہ لا شریک ہے۔ اللہ رب العالمین کے بارے میں اسی یقین و اعتماد کا نام ”عقیدہ توحید“ ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ذات میں ایک ماننے کا مطلب ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اُس ذات

کبیر یا کی بیوی ہے نہ اولاد..... ماں ہے نہ باپ..... اُس کا کوئی بھائی ہے نہ بہن..... وہ کسی ذات کا جزء اور حصہ نہیں اور کوئی دوسرا بھی اُس کی ذات کا حصہ اور جزء نہیں ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ اخلاص یہی اعلان کر رہی ہے کہ:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْهُ وَ لَمْ يُولَدْ ۝ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝﴾ (اخلاص)

”(اے رسول ﷺ) آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز ہے۔ (یعنی سب اُس کے محتاج مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے) اس کی کوئی اولاد نہیں اور وہ بھی کسی کی اولاد نہیں ہے اور کوئی اُس کا ہم سر بھی نہیں ہے۔“

اللہ تعالیٰ کو اُس کی صفات میں ایک، بے مثال اور لاشریک ماننے کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان یہ پختہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اور رسول اکرم ﷺ نے احادیث میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء مبارکات اور صفات علیا بیان فرمائی ہیں، اُن میں رب العزت کا کوئی شریک اور حصہ دار نہیں ہے جس طرح اُس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں ہے، اس طرح اُس کی صفات جیسی کسی کی صفات نہیں ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ حشر میں ذات الہی کی چند صفات جلیلہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۝ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۝ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْبَصُورُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۝ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (الحشر: ۲۲، ۲۳)

”اللہ تعالیٰ تو وہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ وہ غیب اور حاضر کو جاننے والا ہے۔ وہ رحمان (اور) رحیم ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، وہ نہایت پاک، سلامتی والا، امن عطاء فرمانے والا،

نگہبان، نہایت غالب، زبردست، بڑائی والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن چیزوں سے پاک ہے جنہیں وہ لوگ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی اللہ تعالیٰ خالق، موجد (اور) صورت گر ہے۔ اُس کے اچھے نام ہیں، آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اُس کی تسبیح بیان کرتی ہے، وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلیلہ اتنی زیادہ ہیں کہ اُن کا شمار ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ لَآتِ بِهَدًى مِّنْ لَّدُنِّي وَلَوْ كُنْتُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (۱۸/ الکہف: ۱۰۹)

”(اے نبی کریم ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات یعنی صفات لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائیں تو وہ سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن تیرے رب کے کلمات (اوصاف) ختم نہیں ہوں گے۔ بلکہ اگر ہم اتنی ہی روشنائی مزید لے آئیں تو (صفاتِ الہی لکھنے کے لیے) وہ بھی کفایت نہیں کرے گی۔“

اور سورۃ لقمان میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿وَلَوْ أَنَّ مَاءَ فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (۳۱/ لقمان: ۲۷)

”اور اگر روئے زمین کے تمام درخت قلمیں اور سمندر روشنائی بن جائیں جسے مزید سات سمندر روشنائی مہیا کریں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات (یعنی اُس کی صفات) ختم نہیں ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔“

مختصر یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان لانے اور اُس کو ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کی تمام صفات پر اُسی طرح ایمان لایا جائے جس طرح وہ قرآن مجید اور احادیث رسول میں بیان کی گئی ہیں۔ صفاتِ الہی کی نہ تو کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے اور نہ کسی کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾ (٤٢/الشورى: ١١)

”اُس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ ہر ایک کی سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

عقیدے کی اصلاح کے لیے یہ بات بھی ذہن نشین فرمائیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے چند صفاتی الفاظ انسانوں کے لیے بھی استعمال کیے گئے ہیں مثلاً قرآن حکیم میں انسان کو..... سَمِيعٌ..... سننے والا..... بَصِيرٌ..... دیکھنے والا..... حَفِیْظٌ..... حفاظت کرنے والا..... عَلِیْمٌ..... علم والا..... رَعُوْفٌ..... شفقت کرنے والا..... رَحِیْمٌ..... مہربانی کرنے والا وغیرہ کہا گیا ہے۔ یہ محض لفظی اشتراک ہے ورنہ اللہ رب العالمین کی صفات جلیلہ کے سامنے انسانی اوصاف کی کوئی حیثیت نہیں ہے جیسا کہ انسان سننے والا ہے، تو انسان کا سننا ایک حد تک ہی ممکن ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے سننے کی صفت لامحدود ہے۔ وہ ہر ایک کی، ہر جگہ سے، ہر وقت اور ہر زبان میں کی گئی دعاؤں، سرگوشیوں، فریادوں اور تسبیحات کو سنتا اور اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق ہر ایک کے متعلق الگ الگ فیصلے صادر فرماتا ہے۔ علیٰ هذا القیاس۔

عبادات اور اختیارات:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے مفہوم میں یہ امر بھی شامل ہے کہ ہر قسم کی عبادات کو صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کے لیے خاص کیا جائے اور کسی دوسرے کو اُس کی عبادات میں شریک نہ کیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ ساری کائنات کا خالق و مالک اور متصرف و مدبر..... موت و حیات کا مالک..... حکم چلانے والا..... بیماری اور شفا دینے والا..... مرادیں پوری کرنے والا..... اولاد عطا فرمانے والا..... حاجت روا..... مشکل کشا..... رزق دینے والا اور اس میں وسعت و تنگی کرنے والا..... بارش برسانے والا..... ہواؤں کو چلانے والا..... سورج اور چاند کو طلوع و غروب کرنے والا..... بگڑی بنانے والا..... دستگیری کرنے والا..... خزانے بخشنے والا..... اور مختارِ کل صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہی ہے، ان معاملات اور دیگر اختیارات میں کوئی اُس کا شریک و سہم اور معاون و مشیر نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہی تمام اختیارات کا مالک اور مقتدر و حاکم ہے۔

لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کی زبانی..... فعلی..... مالی..... اور قلبی عبادات کا مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو جانے اور تمام عبادات اُسی کے لیے بجالائے، اللہ رب العالمین نے رسولِ رحمۃ للعالمین ﷺ کو حکم فرمایا کہ:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۖ﴾ (۶/ الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

”(اے رسول ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمان برداری کرنے والا ہوں۔“

مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے“ کے مفہوم اور تقاضوں کو بڑے خوب صورت اور دل نشیں الفاظ اور انداز میں سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے کہ:

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق
اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو تو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

اُسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم
اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو، گر ڈرو تم
اُسی کی طلب میں مرو، گر مرو تم

مُبَرَّأ ہے شرکت سے اُس کی خدائی
نہیں ”اُس کے آگے کی کی بڑائی

سورة الحجرات کی زیر خطبہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سچے اور حقیقی مومن کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝﴾

”یقیناً حقیقی مومن تو وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، پھر انہوں نے شک نہیں کیا۔ اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔“

رسالتِ محمدی کے پر ایمان:

سورة الحجرات کی اس آیت مبارکہ میں حقیقی مومن کی دوسری علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ نبی اکرم، رسولِ معظم، رحمتِ جسمِ جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ایمان لانے والا، آپ کی رسالت، نبوت اور ختم نبوت پر یقین رکھنے والا اور آپ ﷺ کا مطیع اور فرماں بردار ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر مومن کامل کے لیے نہ صرف رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں کی تصدیق و تائید کرنا لازمی ہے۔ اور اسی کا نام ”عقیدہ رسالت“ ہے۔

عقیدہ رسالت کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ ہر مسلمان اس امر پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رُشد و راہنمائی اور ہدایت و اصلاح کے لیے مختلف زمانوں میں انسانوں سے ہی برگزیدہ ہستیوں کا انتخاب فرمایا اور انہیں منصب نبوت اور کلاہ رسالت سے سرفراز فرمایا۔ تمام انبیاء کرام بشر اور انسان تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی انسانوں سے افضل، اعلیٰ اور برتر بنایا ہے اور انہیں بڑی شان و عظمت اور احترام و تعظیم سے نوازا ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث فرمائے جانے والے انبیاء کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ یا تین سو پندرہ ہے جیسا کہ جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

((اِنَّهُمْ مِائَةُ اَلْفٍ وَاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا الرُّسُلُ مِنْهُمْ ثَلَاثُمِائَةٌ وَّثَلَاثَةُ عَشَرَ)) (فتح الباری، کتاب احادیث الانبیاء)

”انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔“

مسند احمد کی ایک روایت میں رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ ذکر کی گئی ہے۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کرام کی تعداد دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مِائَةُ اَلْفٍ وَاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا الرُّسُلُ مِنْ ذَالِكِ مِائَةٌ وَّخَمْسَةَ عَشَرَ جَمًّا غَفِيرًا))

(بلوغ الامانی فی اسرار الفتح الربانی، کتاب احادیث الانبیاء)

”انبیاء کرام، ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ جو بہت بڑی تعداد ہے۔“

نبی کا لغوی معنی ”خبر دینے والا“ اور رسول کا معنی قاصد اور پیامبر ہے۔ چونکہ انبیاء و رسول انسانوں کو احکام الہی کی خبر دیتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے پیغامات سناتے ہیں اس لیے انہیں ”نبی و رسول“ کہا جاتا ہے مگر نبی اور رسول میں فرق یہ ہے کہ رسول صاحب کتاب و شریعت ہوتا ہے جبکہ نبی کے لیے صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ کسی رسول کا تابع اور اس کی شریعت کا پابند ہوتا ہے اور بذریعہ وحی انہیں احکام کی تبلیغ کرتا ہے۔

ہمارے لیے تمام انبیاء و رسول پر ایمان لانا لازم ہے یعنی ہمارا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن ہستیوں کو رسالت و نبوت کا عظیم الشان منصب عطا فرمایا گیا وہ سب اللہ تعالیٰ کے سچے اور برگزیدہ نبی اور رسول ہیں۔

﴿لَا نَفَرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ﴾ (البقرہ: ۲۸۵)

”ہم اس رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔“

بلکہ تمام انبیاء و رسول کو برحق مانتے، اُن پر ایمان لاتے اور دل و جان سے تسلیم کرتے

ہیں۔

فضائلِ مصطفیٰ ﷺ:

رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان لانے، یقین کرنے اور آپ ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ اس امر کا بھی اعتراف، اقرار اور اظہار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء، رسولوں اور پیغمبروں میں سب سے افضل، اعلیٰ، بہتر، برتر، عظیم تر بنایا ہے تو ہمارے آقا و مولا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو بنایا ہے۔ آپ سید الکونین، رسول الثقلین اور امام القبلتین ہیں۔ آپ ﷺ سید ولد آدم، امام الانبیاء، خاتم الانبیاء اور شافع روز جزا ہیں۔ آپ ﷺ رہبر کامل، سرور عالم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین اور شفیع المذنبین ہیں اور آپ ہی کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ:

﴿الَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ ۖ وَذَرَكَ ۖ الَّذِي ۖ انْقَضَ

ظَهْرَكَ ۖ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۖ﴾ (۹۳/ الانشراح: ۴ تا ۱)

”(اے رسول ﷺ!) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا (یعنی ہم نے آپ کا سینہ مبارک فراخ فرما دیا ہے) اور ہم نے آپ کا بوجھ اتار دیا ہے۔ وہ بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی اور ہم نے آپ کا ذکر خیر بلند و بالا فرما دیا ہے۔“

حقیقت یہ ہے خالق ارض و سماء اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ”ذکر خیر“ کو اتنا

ارفع اور اعلیٰ کر دیا ہے کہ:

☆ ہواؤں اور فضاؤں میں	☆ عرب اور عجم میں
☆ شمال اور جنوب میں	☆ مشرق اور مغرب میں
☆ زمین اور آسمان میں	☆ اپنوں اور بیگانوں میں

ہر وقت، ہر جگہ اور ہر ایک کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اگر سب سے زیادہ ذکر خیر ہوتا رہا۔ ہو رہا اور ہوتا رہے گا تو وہ سید البشر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے بع ہر اک مقام سے ہے اونچا مقام اُن کا صادق ہیں وہ امیں ہیں احمد ہے نام اُن کا رحمت ہیں وہ سراپا ہے فیض عام اُن کا عالی ہے مرتبے میں ادنیٰ غلام اُن کا

اسلام بن کے پہنچا گھر گھر پیام اُن کا کہلائیں وہ حدیثیں جو ہے کلام اُن کا
 کلمہ پڑھے مسلمان ہر صبح و شام اُن کا سب مشکلوں کا حل ہے دینی نظام اُن کا
 دائم رہے گا قائم بے مثل کام اُن کا
 لہذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے بلکہ حقیقی مومن کی نشانی ہے کہ وہ اس امر پر ایمان
 لائے کہ ہمارے آقا و مولا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ۔

- ☆ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ، پسندیدہ اور محبوب بندے اور رسول ہیں۔
- ☆ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے۔
- ☆ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔
- ☆ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان اور بے مثال معجزات عطا فرمائے ہیں۔
- ☆ آپ ﷺ کی محبت ایمان کا لازمی حصہ بلکہ عین ایمان ہے۔
- ☆ آپ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری ہر مسلمان پر لازم ہے۔
- ☆ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص امتیازات و خصوصیات سے نوازا ہے۔
- ☆ آپ ﷺ ہی رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ہیں۔
- ☆ آپ ﷺ ہی ساقی کوثر اور شافع محشر ہیں۔
- ☆ آپ ﷺ ہی کی اجازت اور حکم سے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔
- ☆ آپ ﷺ ہی شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ کریں گے۔
- ☆ آپ ﷺ ہی مقام محمود پر فائز ہوں گے۔
- ☆ آپ ﷺ پر ہی اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔

.....اور.....

- ☆ اہل ایمان کو آپ ﷺ پر درود پڑھنے اور آپ کی ہر بات تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے:
- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
 إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔
- اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى

إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

شک میں مبتلا نہ ہو:

سورة الحجرات کی اس آیت طیبہ میں حقیقی مومن کی تیسری نشانی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول جناب محمد مصطفیٰ کے تمام فرمودات، ارشادات اور احکام کے بارے میں کسی قسم کے شک و شبہ کا شکار نہ ہو بلکہ قرآن و حدیث پر کامل اعتماد اور پورا یقین کرے اور تشکیک و ریب سے پاک زندگی بسر کرے۔

شک کی بنیاد، اکثر جہالت، لاعلمی یا کم علمی ہوتی ہے اس لیے کسی صاحب ایمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات، قدرت، حکمت، فیصلوں یا اُس کے احکام کے بارے میں کسی قسم کے شکوک و شبہات کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنِّي اللَّهُ شَكَفُ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط﴾ (۱۳/ ابراہیم: ۱۰)

”کیا اُس اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کرتے ہو جس نے آسمانوں اور زمین کو

پیدا فرمایا ہے۔“

واضح رہے کہ ہر دور اور ہر زمانے کے مشرکین اس بات کے ضرور قائل رہے ہیں کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نظریے کو بنیاد بنا کر اس آیت طیبہ میں مشرکوں سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ جب تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ بات تسلیم کرنے میں کون سی چیز رکاوٹ ہے کہ تمام اختیارات و تصرفات کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے احکام میں شک کرنے والوں اور حیلوں بہانوں کے ذریعے نافرمانی کا ارتکاب کرنے والوں کو ”منافق“ قرار دیا اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ ایسے لوگ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان ہی نہیں لائے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا دعویٰ بھی کرے اور اطاعت و اتباع سے روگردانی بھی کرے۔

۹ ہجری میں جب رسول اکرم ﷺ نے غزوہ تبوک کی تیاری کا حکم فرمایا تو موسم شدید گرم تھا، باغات کے پھل پکے ہوئے اور فصلات کی کٹائی بالکل قریب تھی۔ اور سفر بھی طویل

اور کٹھن تھا۔ ان حالات میں مخلص مومنین تو آپ ﷺ کا حکم سنتے ہی حسب استطاعت تیار یوں میں مصروف و مشغول ہو گئے مگر منافقین مدینہ سفر تبوک سے پیچھے رہنے کے بہانے تلاش کرنے لگے اور آپ ﷺ کے سامنے اپنی مجبوریوں اور معذرو یوں کا اظہار کر کے رخصت کی درخواستیں پیش کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں قرآن مجید کی اس آیت کو نازل فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝ ﴾ (۹/التوبة: ۲۵)

”(اے رسول ﷺ) آپ سے رخصت تو صرف وہی لوگ مانگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس وہ اپنے شک میں پڑے ترّد کر رہے ہیں۔“

سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت کریمہ بھی اعلان کر رہی ہے کہ احکام اسلام کے بارے میں شکوت و شبہات کا اظہار کرنا دراصل ایمان کی دولت و نعمت سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے۔ حقیقی ایماندار اور سچا مومن وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے اور رسول محترم ﷺ کی رسالت و نبوت کا اقرار کرنے کے بعد کسی قسم کے شکوک و شبہات میں مبتلا نہ ہو بلکہ احکام الہی اور فرمودات رسول پر پوری طرح عمل پیرا ہو۔

سچے اور حقیقی مومن کون ہوتے ہیں اور اُن کی علامات اور نشانیاں کیا ہیں؟ اس بارے میں ایک اور مقام سے قرآنی آیات اور ترجمہ پڑھیے تو پھر اگلی بات شروع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ ﴾ (۸/الانفال: ۲۲-۲۴)

”مومن تو درحقیقت وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے

تو اُن کے دل ڈرجاتے ہیں اور جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اُن کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر ہی توکل کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس بلند درجات ہیں۔ اور مغفرت اور باعزت رزق ہے۔“

حضرات! ہم میں سے ہر شخص کو اپنی اپنی جگہ پر سوچنا، غور کرنا اور فکر کرنا چاہیے کہ کیا سچے مومن کی یہ علامات ہمارے اندر موجود ہیں۔ اگر ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اُس نے ہمیں سچا، سچا اور پکا مومن بننے کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔ اور اگر یہ خوبیاں ہمارے اندر نہیں ہیں..... اور میرا خیال ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ ان اوصاف سے خالی اور ان علامات سے فارغ ہیں..... تو پھر ہمیں ان نشانیوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ کریم ہمیں سچے ایمانداروں کی یہ خوبیاں اپنانے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

سورۃ الحجرات اور سورۃ الانفال کی ان آیات کی روشنی میں حقیقی مومن اور سچے مسلمان کی جو علامات سامنے آئی ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی توحید پر کامل ایمان۔

(۲) نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت اور اطاعت کا اعتراف و اقرار اور عملی اظہار۔

(۳) اسلامی عقائد، ارکان اور احکام کے بارے میں کسی قسم کے شک و شبہ میں مبتلا نہ ہونا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اُس سے ڈرنا اور اُس کی نافرمانی سے خوف کھانا۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت سن کر ایمان میں اضافہ ہونا۔

(۶) تمام اسباب و ذرائع اور وسائل اختیار و استعمال کرنے کے باوجود اصل بھروسہ اور

توکل اللہ تعالیٰ پر کرنا۔

(۷) نمازوں کو پورے آداب اور حقوق کے ساتھ بروقت ساتھ ادا کرنا۔

(۸) اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرنا یعنی زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۹) اپنے مال کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

(۱۰) اپنی جانوں کے ساتھ راہِ اللہ جہاد کرنا۔

جہاد کا مفہوم اور فضیلت:

سورة الحجرات کی زیر خطبہ آیت کریمہ میں حقیقی مومنوں اور پکے ایمانداروں کی ایک نشانی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

جہاد کا لفظ ”جہد“ سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی کوشش، محنت، مشقت اور طاقت ہے۔ اصطلاح شریعت میں دین کی سر بلندی، اعلاء کلمۃ اللہ، اسلامی سلطنت کی حفاظت، خیر کے غلبے، شر کو مٹانے اور نفس کو شیطانی محرکات سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کی جانے والی ہر کوشش کا نام ”جہاد“ ہے۔ عرف عام میں حق کی حفاظت اور دفاع کے لیے غیر مسلموں کے خلاف کی جانے والی مسلح جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سینکڑوں آیات اور آپ ﷺ کے متعدد ارشادات میں جہاد کے فضائل و مسائل، احکام و آداب اور قواعد و ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور جذبہ جہاد سے سرشاری اور جہاد کی تیاری کو ایمان کی علامت اور نشانی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۖ
ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾ (۳۷/ الصافات: ۱۰، ۱۱)

”اے ایمان والو! کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی تجارت کی طرف کروں؟ جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ (اور وہ یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“

آپ نے غور فرمایا کہ اس آیت طیبہ میں بھی سورة الحجرات کی طرح ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے ساتھ ہی مالی اور جانی جہاد کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس سے جہاد کی اہمیت، حیثیت اور فضیلت واضح ہو جاتی ہے۔

جو سعادت مند اور خوش نصیب لوگ اپنے مالوں اور جانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں اور اسلام کی حفاظت اور دفاع کے لیے میدان جہاد میں کود جاتے ہیں، اُن کے لیے ”جنت“ کا وعدہ کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے فرمایا کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآنَ لَهُمُ الْجَنَّةُ ۖ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ ۖ وَالْإِنْجِيلِ ۖ وَالْقُرْآنِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾ (۹/التوبة: ۱۱۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے اُن کی جانوں اور اُن کے مالوں کو اُن کے لیے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ وہ مومن اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں تو وہ (کافروں کو) قتل کرتے ہیں اور قتل (شہید) کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ تورات، انجیل اور قرآن مجید میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہذا تم خوش ہو جاؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

جہاد، اللہ تعالیٰ کا قرب، اُس کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ اور افضل ترین عبادت ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ نیت خالص ہو اور جہاد کا مقصد محض ملکی سرحدوں کی توسیع نہ ہو۔ مجاہد کے قلب و ذہن میں ریا کاری، دکھلاوے اور نمود و نمائش کا شائبہ تک نہ ہو اور وہ جہاد کسی مخلص مسلمان اور اسلامی حدود و قیود کی پابندی کرنے والے حاکم یا اُس کے مقرر کردہ نمائندے کی زیر کمان کیا جائے اور اس جہادی عمل میں حصول غنائم کا لالچ، کسی قسم کی عصبیت اور قومی حمیت کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

مشہور صحابی سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”ایک دینہاتی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُذَكَرَ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيَرَىٰ مَكَانَهُ.....“

وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ شُجَاعَةً وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً..... الرَّجُلُ يُقَاتِلُ غَضَبًا..... أَيُّ ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ ایک شخص مالِ غنیمت کی خاطر لڑتا ہے۔ دوسرا آدمی اپنے نام کو زندہ رکھنے کے لیے لڑتا ہے۔ تیسرا شخص اپنی حیثیت جتانے کے لیے قتال کرتا ہے..... اور کوئی آدمی اپنی شجاعت و بہادری کے اظہار کے لیے لڑتا ہے..... اور کوئی اپنی برادری اور قوم کی حمیت اور حمایت میں لڑتا ہے..... اور کوئی شخص ریاکاری اور نمود و نمائش کی خاطر۔ اور کوئی شخص اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے لڑائی کرتا ہے۔ تو فرمائیے، ان میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ جو صرف اس لیے لڑتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔“

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله تعالى)

ہر مسلمان اور مومن کو ہر وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کمر بستہ، تیار اور مستعد رہنا چاہیے کہ جو نہی میدان جہاد میں اُس کی ضرورت پڑے وہ فوراً جہاد پر روانہ ہو جائے اور ہمہ وقت جذبہ جہاد سے سرشار رہے۔ کیونکہ جذبہ جہاد سے محروم شخص کو رسولِ محترم ﷺ نے منافق قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ)) (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ذم من مات ولم يغز.....)

”جس شخص کو اس حالت میں موت آگئی کہ اُس نے کبھی جہاد میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی اُس کے دل میں کبھی جہاد کی تڑپ پیدا ہوئی تو وہ منافقت کی موت مر گیا۔“

جہاد کی اقسام:

سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت مقدسہ اور دیگر قرآنی آیات میں جہاد کی دو اقسام بیان فرمائی گئی ہیں: (۱) مالی جہاد۔ (۲) جانی جہاد۔ جبکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان نبوت سے جہاد کی تیسری قسم ”زبانی جہاد“ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((جَاهِدُ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسِّنْتِكُمْ))

(سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب کراہیۃ ترک الغزو)

”مشرکوں کے ساتھ اپنے مالوں اور جانوں اور زبانوں کے ذریعے جہاد کرو۔“

جہاد کی ایک چوتھی قسم نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا یعنی اپنے نفس کو دینی احکام کا پابند بنانا اور اسے ممنوعہ اشیاء سے روکے رکھنا بھی ہے۔ جیسا کہ نبی محترم ﷺ کا فرمان ہے:

((الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ))

(المستدرک للحاکم، کتاب الایمان)

”اصل مجاہد تو وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کا پابند بنالیا۔“

اس طرح قرآن و حدیث کی روشنی میں جہاد کی چار اقسام ہیں۔ جن کا مختصر تعارف یہ ہے:

- (۱) مالی جہاد: یعنی اپنے مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا۔
- (۲) جانی جہاد: ضرورت پڑنے پر راہِ اللہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا۔
- (۳) زبانی جہاد: لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے احکام اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنا۔

(۴) نفس کے خلاف جہاد: خواہشات نفس کو قرآن و حدیث کے تابع بنانا۔

بعض اہل علم نے زبانی جہاد کو کئی حصوں میں تقسیم فرمایا ہے مثلاً قلمی جہاد۔ علمی اور فکری جہاد وغیرہ۔ مختصر یہ کہ دین کی سر بلندی، قرآن و حدیث کی تبلیغ و اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کی جانے والی ہر کوشش اور کاوش کا نام ”جہاد“ ہے اور اہل ایمان کو حسب موقع اور حسب ضرورت جہاد کے ان تمام محاذوں پر کام کرنا چاہیے۔ زمانے کے حالات و معاملات کے بدلنے سے جہاد کے محاذوں کی اہمیت اور حقیقت کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ کبھی جانی جہاد کا مرحلہ شدت اختیار کر جاتا ہے تو کبھی مالی جہاد کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ بسا اوقات زبانی جہاد افضل قرار پاتا ہے اور کسی وقت تزکیہ نفس اور اصلاح عقائد و اعمال کی تحریک چلانا زیادہ

ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ مگر ہر مومن کامل اور سچے ایماندار کو ہر وقت ان تمام محاذوں پر خدمات سرانجام دینے کے لیے مستعد اور تیار رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّدِيقُونَ ۝﴾

”یقیناً حقیقی مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔“

صحابہ کرام کا مالی جہاد:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت ایسے انداز سے فرمائی کہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ، خدمت دین اور راہ جہاد میں اپنا مال قربان کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے اور مالی جہاد میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش فرماتے تھے۔ تفصیل میں جائے بغیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مالی جہاد کے صرف دو واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آئیے! تصورات کی دُنیا میں مدینہ طیبہ چلتے ہیں۔ سرزمین مدینہ میں مسجد نبوی ہے اور امام الرسل ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہیں۔ غزوہ تبوک کی تیاری ہو رہی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ جہادی ضروریات کے لیے اپنے رفقاء کرام سے چندے کی اپیل کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ اے میرے رفقاء! غزوہ تبوک کے لیے اُونٹوں، گھوڑوں اور مال و دولت کی ضرورت ہے۔ صحابی رسول جناب عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”میں اُس وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا جب آپ ﷺ لوگوں کو جیش العسره (غزوہ تبوک) کے لیے مالی قربانی پر آمادہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی زبان نبوت سے چندے کی اپیل سن کر جناب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں ایک سواونٹ بمع ساز و سامان اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اپیل کی تو جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: آقا! میں دو سواونٹ اور اُن کا سامان پیش خدمت

کروں گا۔ سرور کونین ﷺ نے پھر مالی قربانی پر انگشت کی تو جناب عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔ اے حبیب مکرم ﷺ! میں خدمت نبوی میں تین سواونٹ اور اُن کا سارا ساز و سامان پیش کروں گا۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مالی قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے مال خرچ کرنے کے جذبے کو دیکھ کر منبر سے اترتے ہوئے فرمایا: مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذِهِ۔ مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذِهِ۔ عثمان کے لیے اس عمل کے بعد جنت جانے کے لیے مزید اعمال کی ضرورت نہیں ہے۔ عثمان کو اس کے بعد عمل کرنے کی حاجت نہیں ہے۔“

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب فی مناقب عثمان بن عفان)

اور جناب عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ”غزوہ تبوک کے موقع پر جناب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دیناروں کی ایک تھیلی لا کر آپ ﷺ کی گود میں بکھیر دی۔ وہ ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے تھے) تھے جنہیں آپ ﷺ اُلٹتے ہوئے فرما رہے تھے۔ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ۔ عثمان، آج کے بعد کوئی نیکی نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔“

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب فی مناقب عثمان)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے لیے مزید مالی تعاون بھی پیش فرمایا: ”یہاں تک کہ اُن کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سواونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔“ (الرحیق المختوم، غزوہ تبوک)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مالی جہاد، انفاق فی سبیل اللہ اور دین کے لیے مال خرچ کرنے کا ذکر خیر آیا ہے تو شائد بات مکمل نہ ہوگی جب تک خلیفہ بلا فصل، یارِ غار اور رسول پاک کے محب مخلص جناب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مالی قربانیوں اور مالی جہاد کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہی رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّ مِنْ أَمَنِ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ))

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب ابی بکر الصدیق)

”بے شک حقوق صحبت ادا کرنے کے اعتبار سے اور اپنا مال خرچ کرنے کے لحاظ سے لوگوں میں سے مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہیں۔“

اسی غزوہ تبوک کے موقع پر جناب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مالی جہاد، ایثار و قربانی اور اُلفتِ رسول کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا کہ آج تک دُنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”جب بھی نیکی، صدقہ، خیرات، مالی قربانی، اجتماعی فلاح اور نیک اعمال کا کوئی معاملہ ہوتا تو جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے سبقت لے جاتے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی قربانی اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا تو اُس وقت میرے پاس خاصا مال موجود تھا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اب میں نیکیوں میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چندے کی اپیل سن کر میں گھر گیا اور گھر کے تمام مال و اسباب کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر کے ایک حصہ یعنی کل متاع و دولت اور مال و اسباب کا نصف لے کر دربار رسالت میں حاضر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و اسباب کی کثرت اور گھریلو سامان دیکھ فرمایا: مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ اے عمر! گھر میں بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مثلاً جتنا لے کر آیا ہوں۔ اسی قدر گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔“

حضرات! امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ:

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت

ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
 ”سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام ساز و سامان اور مال و دولت اٹھائے
 تشریف لے آئے اور سب کچھ رسول محترم ﷺ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ رحمت
 مجسم ﷺ نے ان سے بھی وہی سوال کیا کہ۔ یا ابابکر! مَا أَبْقَيْتَ
 لِأَهْلِكَ؟ اے ابوبکر! اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ یا رِغَار نے
 عرض کی۔ آقا! گھر میں جو کچھ تھا، وہ سب آپ پر نچھار کرنے کے لیے لے آیا
 ہوں۔ أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولَهُ گھر والوں کے لیے اللہ تعالیٰ اور اُس
 کے رسول ﷺ کی اُلفت و محبت چھوڑ آیا ہوں۔“

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم کے الفاظ ہیں:

بولے رسول چاہیے فکر عیال بھی
 کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
 کہ.....

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
 صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس
 سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بے مثال مالی قربانی، جذبہ
 ایثار اور خلوص و محبت کو دیکھ کر اعلان فرمادیا کہ:
 وَاللَّهِ لَا أَسْبِقُهُ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا۔

”اللہ کی قسم! میں کسی معاملے میں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔“

(جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر و عمر، سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب الرخصة فی ذالک)

صحابہ کرام کا جانی جہاد:

سورۃ الحجرات کی زیر خطبہ آیت طیبہ میں سچے مومنوں اور حقیقی ایمانداروں کی آخری
 نشانی اور علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اِعْلَاءُ کَلِمَةِ اللہ، دین کی سربلندی اور حفاظت اسلام
 کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس بارے میں بھی حضرات صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں کہ انہوں نے اسلام اور صاحب اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے کس طرح جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ آئیے! چند لمحات کے لیے تصورات کی دُنیا میں ”میدانِ اُحد“ چلتے ہیں۔ عالم اسلام کے مایہ ناز محقق اور مصنف مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ:

”عین اُس وقت جبکہ اسلامی لشکرِ نرغے میں آ کر مشرکین کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بھی خوں ریز معرکہ آرائی جاری تھی۔ مشرکین نے گھیراؤ کی کارروائی شروع کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ محض نو ۹ آدمی تھے اور جب آپ نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارا کہ میری طرف آؤ! میں اللہ کا رسول ہوں، تو آپ کی آواز مشرکین نے سن لی اور آپ کو پہچان لیا۔ چنانچہ انہوں نے جھپٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا اور کسی مسلمان کی آمد سے پہلے پہلے اپنا پورا بوجھ ڈال دیا۔ اس فوری حملے کے نتیجے میں ان مشرکین اور وہاں پر موجود نو (۹) صحابہ کے درمیان نہایت سخت معرکہ آرائی شروع ہو گئی جس میں محبت و جاں سپاری اور شجاعت و جاں بازی کے بڑے بڑے نادر واقعات پیش آئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات انصار اور دو قریشی صحابہ کے ہمراہ الگ تھلگ رہ گئے تھے۔ جب حملہ آور آپ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: کون ہے جو انہیں ہم سے دفع کرے تو وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ اس کے بعد ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اُس کے بعد پھر مشرکین آپ کے قریب آ گئے اور پھر یہی ہوا۔ اسی طرح باری باری ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔ ان ساتوں میں آخری صحابی حضرت عمارہ بن یزید بن السکن تھے۔ وہ لڑتے رہے لڑتے رہے، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گرے پڑے۔ (ایک لحظہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی ایک جماعت آ گئی۔ انہوں نے کفار کو حضرت عمارہ سے پیچھے دھکیلا اور انہیں رسول

اللہ ﷺ کے قریب لے آئے۔ آپ نے انہیں اپنے پاؤں پر ٹیک لیا اور انہوں نے اسی حالت میں دم توڑ دیا کہ اُن کا رخسار رسول اللہ ﷺ کے پاؤں پر تھا۔ (ابن ہشام) گویا یہ آرزو حقیقت بن گئی کہ:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے ”اوپر“
یہی دل کی حسرت یہی ہی آرزو ہے
(الرحیق المختوم)

بہر حال اس موقع پر ایسی بے مثال جاں بازی اور تابناک قربانیوں کا مظاہرہ کیا گیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے آگے سپر بنا لیا۔ وہ اپنا سینہ سامنے کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ آپ ﷺ کو دشمن کے تیروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُحد کے روز لوگ (یعنی عام مسلمان) شکست کھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس (آنے کی بجائے ادھر ادھر) بھاگ گئے اور ابو طلحہ آپ کے آگے اپنی ایک ڈھال لے کر سپر بن گئے، وہ ماہر تیر انداز تھے، بہت کھینچ کر تیر چلا بٹے تھے۔ چنانچہ اُس دن دو یا تین کمائیں توڑ ڈالیں.....

حضرت ابو دُجانہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے آگے کھڑے ہو گئے اور اپنی پیٹھ کو آپ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ اُن پر تیر پڑ رہے تھے لیکن وہ ہلتے نہ تھے۔“ (الرحیق المختوم)

اسی مالی اور جانی جہاد کو سچے اور حقیقی اہل ایمان کی نشانی قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّدِيقُونَ ٥﴾
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ٥

علم الہی کی وسعت

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○
﴿قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللّٰهَ بِدِينِكُمْ ۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ ۖ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا
تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمُ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝﴾ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُونَ ۝﴾ (۳۹/ الحجرات: ۱۸ تا ۱۹)

”(اے رسول ﷺ!) آپ ان (بدویوں) سے فرمائیے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو
اپنے دین (قبول کرنے) کی خبر دے رہے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے جو کچھ
آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔
(اور) وہ (دیہاتی) آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ
فرمائیے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی
ہدایت دے کر تم پر احسان فرمایا ہے اگر تم سچے ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور
زمین کے غیب (پوشیدہ چیزوں) کو جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو
دیکھنے والا ہے۔“

ہر قسم کی تعریفات و تسبیحات کا حقیقی مستحق صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ جو رب
العالمین، احسن الخالقین اور احکم الحاکمین ہے۔ وہی رب السماوات والارض اور خالق کل،
رازق کل اور مالک کل ہے۔ سارا جہان اور تمام جہانوں کی تمام مخلوقات اس کی محتاج مگر وہ
کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور عبادات میں یک و
تنہا، اکیلا، واحد اور احد ہے۔ اس کا کوئی شریک، حصے دار، سہیم، وزیر، مشیر اور معاون و مددگار
نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے لاتعداد، بے شمار، ان گنت اور بے حساب درود و سلام اور برکات نازل فرمائے محسن انسانیت، رحمت کو نین، رسول الثقلین، ہادی برحق، شافع محشر، ساقی کوثر، سید البشر، خاتم الرسل، دانائے سبل اور راہبر کل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر جنہیں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، ختم نبوت کا تاج پہنایا اور کلاہ رسالت سے سرفراز فرمایا، خود ان پر درود و سلام اور رحمتوں کا نزول فرمایا، فرشتوں سے ان پر درود پڑھوایا اور تمام اہل ایمان کو ان پر درود و سلام پڑھنے کا حکم فرمایا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

شان نزول:

سورة الحجرات کی آیت ۱۲ کی توضیح و تذکیر اور تشریح و تعبیر میں رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ کے اطراف و اکناف میں رہائش پذیر ایسے بدوی قبائل کا تذکرہ ہو چکا ہے جو اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور پھیلتے ہوئے نظام کو دیکھ دنیوی مفادات اور حصول منفعت کی خاطر ظاہراً مسلمان ہو گئے تھے مگر ایمان ان کے قلوب و اذہان میں پختہ اور راسخ نہیں ہوا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب ہم اسلام، صاحب اسلام اور سرفرد شان اسلام کا مقابلہ تو کر نہیں سکتے۔ تو پھر عافیت کی راہ یہی ہے کہ ظاہری طور پر اسلام کو قبول کرنے کا اعلان کر کے مسلمانوں کے حملوں سے بھی محفوظ ہو جاؤ، مال غنیمت بھی حاصل کرو اور رسول اکرم ﷺ پر قبول اسلام کا احسان بھی جتلاتے رہو۔

ایسے بدوی قبائل دراصل اسلام کا اظہار کر کے آپ ﷺ پر یہ احسان جتلاتے تھے کہ دیکھیں جی! کہ ہم از خود ہی مطیع و فرمان بردار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔ دوسرے قبائل اور اقوام کی طرح ہم نے آپ کی مخالفت نہیں کی اور آپ کو ہمارے خلاف لشکر کشی کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ اب آپ کو ہمارا ممنون ہونا چاہیے..... ہماری نیکی یاد رکھنی

چاہیے..... ہمارے خلوص کی داد دینی چاہیے..... اور مختلف مقامات اور غزوات سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے وافر حصہ ہمارے لیے مختص کرنا چاہیے اور اسے ہمارے گھروں تک پہنچانا چاہیے..... اور ہاں..... یہ ہم پر آپ کی کوئی مہربانی اور عنایت نہیں..... بلکہ ہمارا استحقاق..... ہماری خدمت کا صلہ..... ہمارا حق اور آپ کا فرض ہے۔

سورۃ الحجرات کی ان آخری آیات مبارکات میں ایسے ہی دیہاتیوں، بدویوں اور نام نہاد مسلمانوں کو باور کروایا گیا ہے کہ تم نے اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے کہ تمہیں اسلام کے دامن عافیت میں پناہ دی ہے ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوتا جو دوسرے کافروں کا ہو رہا ہے۔ تم نے تو اسلام قبول کر کے اپنی جانیں، اموال اور جائیدادیں محفوظ کر لی ہیں..... یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے نا کہ تمہارا اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان..... تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کو احسان جتلا رہے ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے قبول اسلام کا علم نہیں ہے۔ وہ تو تمہارے سینوں کے رازوں کو جاننے والا، آسمانوں اور زمینوں کی تمام اشیاء کی حقیقتوں کو جاننے والا اور ہر قسم کی مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے۔ یہ اس بادشاہ حقیقی کا تم پر احسان ہے اس لیے تم اس کی مہربانی پر اس کا شکریہ ادا کرو۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کو احسان جتلا کر اپنے اعمال کی بربادی کا سامان کرو۔

﴿قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمُ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾

”اے رسول ﷺ آپ ان سے فرمائیے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دین داری کی خبر دے رہے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ تو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور وہ ہر شئی کا علم رکھنے والا ہے۔ اور وہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ مسلمان

ہونگے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا کوئی احسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ اگر تم سچے ہو (تو اللہ کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔“

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے معاشرے کے بعض لوگ بھی جب نماز کیلئے مسجد میں آتے ہیں۔ خطبہ جمعہ سننے کیلئے تشریف لاتے ہیں اور کسی دینی پروگرام میں شرکت فرماتے ہیں تو امام پر، خطیب پر اور جلسہ کے منتظمین پر احسان جتلاتے اور انہیں ممنون کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھیں ہم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے آئے ہیں۔ ہم اتنی دور سے آپ کا خطبہ سننے آتے ہیں اور ہم نے اپنا آرام قربان کر کے آپ کا تبلیغی پروگرام، جلسہ، درس اور کانفرس سنی ہے۔

یاد رکھیے! یہ کسی پر احسان نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت، اس کا فضل و کرم اور اس کا احسان ہے، اس خوش نصیب پر جسے باری تعالیٰ نے اپنے گھر میں حاضری کی۔ خطبہ سماعت کرنے کی اور دینی مسائل سے واقف ہونے کی توفیق و سعادت مرحمت فرمائی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار اور احسان مند ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ تو وہ ہے:

آپ نے ان آیات طیبات کے کلمات والفاظ اور ترجمے پر غور فرمایا کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ”علم“ کا مختلف اسالیب میں تذکرہ فرمایا گیا اور اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو تمام مخلوقات کے اگلے، پچھلے، گزشتہ، آئندہ اور ماضی و مستقبل کے تمام حالات کو پوری طرح جانتا اور ساری مخلوقات کو پہچانتا ہے، وہ کائنات کے ذرے ذرے سے واقف ہے۔ دنیا اور آخرت کے جمیع معاملات اس کے علم میں ہیں اور آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی کل اشیاء کے بارے میں ہر وقت مکمل معلومات رکھتا ہے۔ وہ کسی کے بتانے سے نہیں بلکہ بذات خود ہر چیز کی حقیقت، کیفیت اور ماہیت کا جاننے والا ہے۔ وہ آسمانوں کی وسعتوں، پہاڑوں کی بلندیوں، زمین کی گہرائیوں، سمندروں کی گہرائیوں، ستاروں کی تعداد،

آفتاب و ماہتاب کے نظام، کائنات کے طول و عرض، سدرۃ المنتہی کے خزینوں، تحت الثری کے دفینوں، سارے جہان کے مکینوں اور دریاؤں کے سفینوں..... الغرض ہر شئی کی پوری حقیقت کو ہر وقت پوری طرح جانتا ہے..... اس سے ہماری کوئی حرکت پوشیدہ اور کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔

وہ نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں، پرندوں، چرندوں، درندوں، فرشتوں اور جنوں کے بارے میں بھی کلی علم رکھتا ہے۔ وہ نباتات، جمادات، فصلات اور باغات کی تمام کیفیات سے ہر وقت باخبر اور فضائی، آبی، خاکی، نوری اور ناری مخلوقات کی ماہیات سے واقف ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝۔ وہ ان سب کے اگلے حالات کو بھی جانتا ہے اور پچھلے حالات سے بھی باخبر ہے۔ جس کے علم کی وسعت اتنی زیادہ اور اختیارات کی قدرت اتنی وسیع ہو، اسی کا حق بنتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ اور اتنے وسیع اختیارات کا مالک اور تمام جہانوں کی جزییات کا عالم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا ہر شخص کا فرض ہے کہ عبادت کی تمام اقسام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سرانجام دے کر اسے راضی کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ وہی اس کا اصل حقدار ہے۔

سورة الحجرات کی آخری آیت میں ارشاد الہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾^{۱۸} ۴

”بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو باریک بینی سے دیکھنے والا ہے۔“

غیب کیا ہے؟:

ہر وہ چیز جو انسان کی نگاہوں سے اوجھل ہو، اسے عرف عام میں ”غیب“ کہا جاتا ہے
تفسیر و تاریخ کے ماہر امام علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ غیب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَنْ نَاسٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا الْغَيْبُ فَمَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ))

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۱ جلد ۱)

”جناب عبداللہ بن مسعود اور کئی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ

غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو بندوں کی نظروں سے غائب ہوں۔“

علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول غیب کی تعریف یہ ہے کہ:

((مَا لَا يَقَعُ تَحْتَ الْحَوَاسِ وَلَا تَقْتَضِيهِ بِدَاهَةُ الْقُلُوبِ))

”وہ علم جو حواس کی رسائی سے بالاتر ہو اور قوت عقل سے بھی اُسے حاصل نہ کیا

جاسکے۔ اُسے ”غیب“ کہا جاتا ہے۔“

مجتہد العصر علامہ حافظ محمد عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ نے ”غیب“ کی بڑی جامع مانع تعریف

فرمائی ہے کہ

”علم غیب، پوشیدہ شے کا علم جو بذریعہ اسباب عادیہ نہ ہو۔“

(فتاویٰ علماء حدیث صفحہ ۱۱ جلد ۱۰)

اس قسم کے علم غیب کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات

میں اس مسئلہ کی وضاحت اور صراحت فرمائی گئی ہے..... بارہویں پارے میں سورۃ ہود کی

آخری آیت مبارکہ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ﴾

”اور آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اور سارے کام اسی

کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔“

جب وہی عالم الغیب اور تمام معاملات کا مرجع ہے تو..... فاعْبُدْہُ..... پھر اسی کی

عبادت کرو۔ کیونکہ عبادت اسی کے لائق ہے جو علم غیب کا مالک اور تمام حالات کو جاننے والا

اور اپنی طرف لوٹا نیوالا ہو۔ وَتَوَكَّلْ عَلَیْہِ۔ اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ کیونکہ بے اختیار پر

بھروسہ کرنا اور بے علم پر اعتماد کرنا کوئی دانائی، سمجھداری اور عقل مندی نہیں ہے۔ وَمَا رَبُّكَ

يَغْفِلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل اور بے خبر نہیں ہے۔ وہ

تمہارے اعمال و افعال، حرکات و سکنات اور طور و اطوار کو پوری طرح جانتا، دیکھتا اور پہچانتا

ہے۔ ماہر تورات جناب کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ۔ خَاتِمَةُ التَّوْرَةِ خَاتِمَةُ هُودٍ۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب تورات کا اختتام بھی سورۃ ہود کے اختتام جیسا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۶۶ جلد ۲)

گویا تورات کا آخری اعلان بھی یہی ہے کہ زمین و آسمان کے کلی غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور اس صفت میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے اور سورۃ ہود کا اعلان بھی یہی ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سورۃ الحجرات کی آخری آیت کریمہ بھی ہمیں یہی سمجھا رہی ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔“

غیب کی کنجیاں:

کائنات کی ہر چیز کا ہر وقت پورا علم رکھنا یہ صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کا خاصہ اور اسی کی صفت ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی دوسری صفات حمیدہ کی طرح اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہی عالم الغیب اور عالم مآکان وَمَا يَكُونُ ہے۔ یعنی جو واقعات و حوادث اب تک رونما ہو چکے اور جو قیامت تک وقوع پذیر ہوں گے وہ سب اللہ تعالیٰ پر آشکارا ہیں اور ذات الہی کے علم سے کوئی چیز بھی مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ چونکہ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے لہذا اس کا علم ہر شئی کی حقیقت پر حاوی ہے۔ وہ غیب و حاضر اور ماضی و مستقبل کا پورا علم رکھتا ہے۔ کوئی تاریکی، کوئی حجاب اور کوئی مانع اس کے علم میں کسی طرح بھی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ عَلِيمٌ۔ عَالِمٌ۔ عَلَامٌ۔ اَعْلَمُ۔ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، اور عَلَامُ الْغُيُوبِ اُسی کی صفات جلیلہ ہیں۔ غیب اور شہادت کی کوئی خشک و تر، چھوٹی اور بڑی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی سے خارج ہو اور زمین و آسمان کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو۔ کوئی نبی، ولی، پیر، پیغمبر، جن اور فرشتہ اللہ تعالیٰ کے علم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور گہرائی کو قرآن عزیز کے ساتویں پارے میں

بھی بیان کیا گیا اور یہ بات واضح کی گئی ہے کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔
فرمانِ الہی ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾

”اور غیب کی کنجیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اور خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے اسے وہ بخوبی جانتا ہے۔“

یعنی غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ جتنا چاہتا ہے، جب چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے کسی کو علم عطا فرما دیتا ہے۔ غیب کے کلی اور حقیقی علم کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ خشکی و تری کی تمام مخلوقات اور اشیاء کے بارے میں پوری طرح باخبر ہے۔ خشکی میں ان گنت درخت، سربفلک پہاڑ، ریت کے ذرات، بارش کے قطرات، جنگلات، باغات، فصلات، گھاس کے تنکے، انسانوں کی تعداد، حیوانوں کی گنتی، درندوں، پرندوں اور چرندوں کا شمار، حشرات الارض، کیڑے مکوڑے، پھولوں اور پھلوں، الغرض خشکی کی تمام اشیاء کا ہر وقت پورا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

سمندروں اور دریاؤں کی حقیقت، پانیوں میں رہنے والی مخلوقات، مچھلیاں، سانپ، دریائی درندے، مگر مچھ اور سمندروں کی تہہ میں چھپے ہوئے ہیرے، موتی، جواہرات اور دیگر اشیاء کے حجم، عمر اور وزن کی تفصیلات و کیفیات سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی باخبر ہے۔
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ اور خشکی اور سمندروں میں جو کچھ ہے اسے وہی پوری طرح جانتا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا ان حالات کو کسی صورت جان ہی نہیں سکتا۔ جس کے علم کی وسعت اتنی زیادہ ہو، عبادت صرف اسی کا حق ہے۔ اور ان تمام معاملات کو ہمہ وقت پوری طرح جاننے والا صرف اللہ رب العالمین ہے۔

”وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا۔ اور کسی درخت سے کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔“ آپ روئے زمین پر اگے ہوئے درختوں کا اندازہ فرمائیں اور پھر ان درختوں سے گرنے والے پتوں کی تعداد پر غور کریں کہ ایک لمحے میں دنیا بھر کے درختوں سے کتنے پتے گرتے ہوں گے۔ خصوصاً جب ہوا تیز ہو، آندھی ہو یا پت جھڑ کا موسم ہو تو

درختوں سے پتوں کے ٹوٹنے اور گرنے کی رفتار کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ میں زمین کی پشت پر اگے ہوئے تمام درختوں کو جانتا ہوں۔ درختوں پر لگے ہوئے پتوں کو جانتا ہوں اور جب کوئی پتا کسی درخت سے گرتا ہے تو وہ بھی مکمل طور پر میرے علم میں ہوتا ہے۔ سبحان اللہ۔

”وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ۔ اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ واقف نہ ہو۔“

یعنی اللہ تعالیٰ زمین میں پھینکنے جانے والے دانوں کی تعداد سے واقف ہے۔ وہی جانتا ہے کہ زمین کے پیٹ میں ہر دانے کی کیفیت کیا ہے۔ کون سے دانے سے کتنا بڑا درخت بنے گا۔ کون سا دانہ کو نیل نکالنے گا۔ کس کس دانے سے فصل لہلہائے گی اور کون کون سا دانہ زمین میں ہی گل سڑ جائے گا۔ یہ ساری باریکیاں اور ہر ہر دانے پر آنے والے تغیرات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں مختلف مراحل سے گزرنے والے ہر ہر دانے کی اس حالت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جانتا یا جان سکتا ہے۔ قطعاً نہیں..... ہر گز نہیں..... جب زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے کے حالات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو پھر ہر قسم کی عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

﴿وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ (۶/ الانعام: ۵۹)

”اور تر اور خشک جو کچھ بھی ہے وہ کتابِ مبین میں موجود ہے۔“

پانچ غیبی امور:

ویسے تو بہت سارے معاملات کا تعلق غیب کے ساتھ ہے۔ جن تک انسان کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ لیکن قرآن عزیز میں خاص طور پر پانچ اہم غیبی امور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور اس امر کی صراحت اور وضاحت کی گئی ہے کہ ان امور کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے۔ اکیسویں پارے میں سورۃ لقمان کی آخری آیت مقدسہ ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۚ

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ وَ مَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ

تَمُوتُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣١﴾ (لقمان: ۳۲)

”بے شک اللہ تعالیٰ (وہ ہے کہ) اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی نفس (شخص) نہیں جانتا کہ اسے موت کس زمین پر آئے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، پوری طرح باخبر ہے۔“

ان پانچ غیبی امور کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات اور غیر اللہ کیلئے نفی کا تذکرہ احادیث مبارکات میں بھی کیا گیا ہے چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدِ إِلَّا اللَّهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تَذَرِي نَفْسٌ بَايَ أَرْضٍ تَمُوتُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ))

(صحیح بخاری، کتاب التوحید باب قول اللہ عالم الغیب فلا ینظر علی غیبہ احدا)

”غیب کی پانچ کنجیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر میں کیا ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا؟۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون کس جگہ فوت ہوگا۔ (۵) اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔“

قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ اور صحیح بخاری کی حدیث طیبہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ان پانچ غیبی امور کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور کوئی فرشتہ..... جن..... انسان..... عالم..... فاضل..... مفتی..... علامہ..... مجتہد..... خطیب..... طبیب..... ادیب..... محدث..... مفسر..... مصنف..... مؤلف..... بزرگ..... پیر..... فقیر..... مجاہد..... غازی..... شہید..... امام..... استاد..... فقیہ..... حاجی..... نمازی..... کوئی زندہ..... کوئی فوت شدہ..... کوئی ولی..... اور کوئی نبی بھی ان غیبی امور کا علم نہیں رکھتا۔ یہ صرف

اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی ہے جو ان امور سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہی عَالِمُ الْغَيْبِ،
عَلَّامُ الْغُيُوبِ اور علیم بذات الصدور ہے۔

شان نزول:

کتب تفاسیر میں سورۃ لقمان کی اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ
ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا اور رسول محترم ﷺ سے پانچ سوالات کئے۔ اس نے
کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ!

(۱) مَتٰی قِيَامُ السَّاعَةِ فرمائیے قیامت کب قائم ہوگی؟

(۲) وَقَدْ أَجْدَبَتْ بِلَادُنَا فَمَتٰی تَخْصِبُ ہمارے شہر خشک سالی کا شکار ہیں،
بتائیے بارش کب برے گی؟

(۳) وَامْرَأَتِي حُبْلٰی فَمَا تَلِدُ میری بیوی حاملہ ہے، وہ کیا جنے گی؟

(۴) وَقَدْ عَلِمْتُ مَا كَسَبْتُ الْيَوْمَ فَمَاذَا أَكْسِبُ غَدًا میں نے آج جو کچھ کیا وہ
تو میرے علم میں ہے۔ آپ بتائیے میں کل کیا کروں گا؟

(۵) وَقَدْ عَلِمْتُ بِأَيِّ أَرْضٍ وُلِدْتُ فَبِأَيِّ أَرْضٍ أَمُوتُ مجھے اپنی جائے
پیدائش کا تو پتہ ہے۔ آپ فرمائیں کہ مجھے موت کہاں آئے گی؟

آپ ﷺ کے روبرو ابھی اس اعرابی سائل کے سوالات مکمل ہوئے ہی تھے کہ اللہ
تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ (روح المعانی سورۃ لقمان)

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۚ

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ وَ مَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ

تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝﴾ (۳۱/ لقمان: ۳۴)

”بے شک اللہ تعالیٰ (وہ ہے کہ) اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش

نازل فرماتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی نفس (شخص)

نہیں جانتا کہ اسے موت کس زمین پر آئے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے

والا، پوری طرح باخبر ہے۔“

ضروری وضاحت:

آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اور ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں جن کے ذریعے موسمی حالات، بارش کے امکانات اور رحم مادر میں پرورش پانے والے جنین کے بارے میں درست معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اس لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ محکمہ موسمیات کی موسمی پیش گوئیاں، اطلاعات اور خبریں اگر سو فیصد درست بھی ثابت ہوں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے قانون، علم اور ضابطے پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ سائنس دان آلات، مشینری اور اسباب کے ذریعے ہواؤں کا رخ دیکھ کر پیشین گوئی کرتے ہیں جو بالکل درست بھی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ بغیر اسباب، بغیر آلات اور بغیر ذرائع کے بارش کے نزول کی کیفیات، حالات اور جزئیات کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

محکمہ موسمیات والے بارش کے قطرات کی تعداد نہیں بتا سکتے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس تعداد کو نہ صرف جانتا بلکہ ہر قطرے کے گرنے کی جگہ سے بھی واقف ہے۔ اور ہاں۔ محکمہ موسمیات والے تو ایک خاص حد میں ہواؤں کے رخ سے بارش کا اندازہ لگاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو ان ہواؤں کو چلاتا اور ان کے رخ تبدیل فرماتا ہے اور موسمیات والے تو ایک محدود مقررہ جگہ پر بارش کے برسنے کی اطلاع دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو ساری کائنات کے نزول بارش کے مقامات، اوقات اور معاملات کو نہ صرف جاننے والا بلکہ پیدا کرنے والا ہے۔ وَيُنْزِلُ الْغَيْثَ۔ بارش برسانے والا اور اس کے تفصیلی حالات کو جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اب ایسے آلات بھی ایجاد ہو چکے ہیں جیسے الٹراساؤنڈ وغیرہ جن کے ذریعے مخصوص مدت کے بعد بطن مادر میں پرورش پانے والے کی جنس کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ مگر اس ترقی اور ایجادات کے باوجود قرآن حکیم کا دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے جسے کسی صورت بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ اس مخصوص مدت سے قبل رحم مادر میں موجودگی جنس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور قرآن عزیز نے صرف جنس کے علم کا ذکر نہیں کیا بلکہ ”مَا فِي الْأَرْحَامِ“ کے عموم سے بطن مادر میں پرورش پانے والے کی موجودہ اور آئندہ کیفیات اور حالات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا کالا ہے یا

گورا..... خوبصورت ہے یا بدصورت..... پینا ہے یا ناپینا..... عقل مند ہے یا احمق.....
 متناسب الاعضاء ہے یا ناقص..... اور دنیا میں آنے کے بعد یہ مسکین ہوگا یا غنی..... غریب ہوگا
 یا امیر..... شریف ہوگا یا شریر..... مخلص ہوگا یا منافق..... نیک ہوگا یا بد..... نمازی ہوگا یا بے
 نماز..... تاجر ہوگا یا ملازم..... مزدور ہوگا یا مالک..... صحت مند ہوگا یا بیمار..... خوش قسمت ہوگا
 یا بد قسمت..... شادی کرے گا یا نہیں کرے گا..... صاحب اولاد ہوگا یا بے اولاد..... بخیل و
 کنجوس ہوگا یا فیاض و سخی..... لمبی عمر پائے گا یا مختصر..... عالم ہوگا یا جاہل..... امام بنے گا یا
 مقتدی..... خطیب ہوگا یا سامع..... لوگوں کی نظروں میں پسندیدہ ہوگا یا ناپسندیدہ..... محبت
 ہوگا یا محبوب..... کریم النفس ہوگا یا شریر النفس..... متبع سنت ہوگا یا بدعتی..... دین دار ہوگا یا
 بے دین..... عامل ہوگا یا بے عمل..... شقی ہوگا یا سعید..... اور آخرت میں جنتی ہوگا یا جہنمی..... ان
 سب تفصیلات کا کلی علم اگر کسی کے پاس ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔
 وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ۔ اور وہی جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے۔

رسول محترم ﷺ کے ارشادات سے عیاں ہوتا ہے کہ جب رحم مادر میں ”جنین“ کے
 اندر روح ڈالی جاتی ہے تو اسی وقت اس کا رزق، عمر اور نیک بختی یا بد بختی لکھ دی جاتی ہے۔ کیا
 دنیا میں ایسا کوئی آلہ ہے جو رحم مادر میں موجود جنین کی کل عمر کا تعین کر سکے، اس کی روزی کی
 تفصیلات بتا سکے اور اس کے نیک بخت یا بد بخت ہونے کا فیصلہ کر سکے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔
 مگر اللہ تعالیٰ کو اس کے جمیع معاملات سے پوری طرح واقفیت ہے اور وہ اس میں لمحہ بہ لمحہ رونما
 ہونے والے تغیرات اور تخلیق کے مراحل سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کی ساری زندگی اور
 مرنے کے بعد والے حالات بھی اسے بخوبی معلوم ہیں۔ جو ایسا باخبر اور صاحب علم ہے۔ اسی
 ذات باری کے بارے میں سورۃ الحجرات کی آخری آیت ہمیں سمجھا اور بتا رہی ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝۱۵﴾

”بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور وہ تمہارے کواعمال
 کو دیکھنے والا ہے۔“

قرآن و حدیث اور عقل و نقل کے ان دلائل و شواہد سے یہ عقیدہ روز روشن کی طرح واضح

ہو گیا کہ کائنات ہست و بود میں غیب جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ البتہ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت جب اور جسے چاہے غیب کی باتوں، کاموں اور چیزوں پر آگاہ فرمادے اور اس پر غیبی امور منکشف فرمادے۔ یہ اس کی قدرت اور اختیارات کی وسعت ہے۔ یہ علم غیب نہیں بلکہ اطلاع علی الغیب ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کو نہ روکا جاسکتا ہے، نہ ٹوکا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی منع کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہر چیز کا مکمل اور تفصیلی علم۔ ظاہر و باطن سے پوری واقفیت..... غیبت اور حاضر کو برابر دیکھنا..... بلند اور پست آواز کو برابر سننا۔ اور اپنی تمام مخلوقات میں سے ہر ایک کے تمام معاملات و حالات کو ہر وقت جاننا یہ صرف اور صرف اللہ رب العالمین کا خاصہ ہے اور دوسری صفات کی طرح اس صفت ”عالم الغیب“ میں بھی اُس کا کوئی شریک، سہم اور حصہ دار نہیں ہے۔

چونکہ ”مسئلہ علم غیب“ عقیدے اور عقیدت کے درمیان توازن کا معاملہ ہے اس لیے سورۃ الحجرات کی آخری آیت مبارکہ کی تفسیر میں ہم اسے ذرا تفصیل سے عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ نفس مسئلہ کا کوئی پہلو نا مکمل اور تشنہ تکمیل نہ رہے۔ تو آئیے! مزید قرآنی دلائل سے علم الہی کی وسعت اور علم غیب صرف خاصہ خداوندی کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ملائکہ غیب نہیں جانتے:

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری اور فرماں بردار مخلوق ہیں، وہ احکام الہی کے پابند اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعریف و تقدیس اور تسبیح میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی آیات بینات میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ فرشتے ہر وقت ذکر الہی میں رطب اللسان رہنے کے باوجود عالم الغیب نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ جتنی بات سے انہیں آگاہ فرماتے ہیں بس وہ اتنی ہی جانتے ہیں۔ قرآن مجید فرقان حمید بیان فرماتا ہے کہ:

”جب اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو

اپنے فیصلے سے فرشتوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ

خَلِيفَةً ط﴾ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کی۔ مولا:

﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ج﴾ آپ زمین میں ایسی

مخلوق کو خلیفہ بنائیں گے جو وہاں (جنات کی طرح) فساد برپا کریں گے اور خون بہائیں گے۔ ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط﴾ اور ہم آپ کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ رب العزت نے ان الفاظ کے ساتھ فرشتوں کے عالم الغیب ہونے کی نفی اور اپنے عالم الغیب ہونے کا اثبات فرمایا۔ پھر جب اللہ رب العالمین نے جناب آدم علیہ السلام کو علم کی دولت سے نوازا۔ اور انہیں تمام اشیاء کے نام (اور صفات) سے آگاہ فرما کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے انہیں حکم دیا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو مجھے ان اشیاء کے نام بتلاؤ۔ فرشتوں نے عرض کی۔ اے ہمارے رب! آپ ہر عیب و نقص سے پاک ہیں۔ ہم تو صرف اتنی بات جانتے ہیں جتنی آپ نے ہمیں سکھلائی ہے۔ جس امر سے آپ نے ہمیں آگاہ نہیں فرمایا۔ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔ جبکہ آپ تو علم و حکمت کے مالک ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ تو جناب آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو ان چیزوں کے نام بتلا دیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسئلہ علم غیب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا! اے ملائکہ کی جماعت! ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۝﴾ (البقرة: ۳۳)

”کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کے ”غیب“ (پوشیدہ چیزوں) کو صرف میں ہی جانتا ہوں اور تمہاری ظاہر کردہ باتوں اور چھپائی ہوئی باتوں کا بھی علم رکھتا ہوں۔“

قرآن حکیم کی ان آیات طیبات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق فرشتوں کو علم غیب نہیں ہے۔ بلکہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جَنّات کو بھی علم غیب نہیں:

جَنّات اللہ تعالیٰ کی ناری اور سرکش مخلوق ہیں۔ نافرمانی ان کی سرشت اور حکم عدولی ان کی عادت ہے۔ اکثر لوگ اس مغالطے اور غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جنات کو علم غیب ہے اور کاہن، نجومی اور عامل حضرات، جنات سے غیب کی خبریں معلوم کر کے عام لوگوں کو آئندہ پیش آنے والے حالات سے آگاہ کرنے کا دعویٰ کر کے گمراہ کرتے ہیں۔ بعض شعبہ بازیہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ جنات ہمارے قبضے میں ہیں اور ہم ان سے جو چاہیں کام لے سکتے ہیں۔ جبکہ قرآن حکیم اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ جنوں سمیت کسی مخلوق کو بھی غیب کا علم نہیں ہے۔ میں تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے نام، مقام اور امتیازات سے آپ واقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دیگر مخلوقات کے علاوہ جنات پر بھی حکومت عطا فرما رکھی تھی۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جنات کی ایک جماعت کو بیت المقدس کی تعمیر پر مقرر فرما رکھا تھا اور خود تعمیری کام کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اشارہ کر دیا گیا کہ آپ عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو اس وقت ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا خاصا کام باقی تھا۔ آپ نے تعمیری کام کا مکمل نقشہ جنات کے سربراہ کے حوالے فرما دیا۔ اسے کام کی نوعیت اچھی طرح سمجھا کر خود شیشے کی بنائی ہوئی اپنی عبادت گاہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو گئے۔ اسی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آپ کا جسم لاٹھی کے سہارے اسی طرح کھڑا رہا۔ جنات نے یہ سمجھا کہ جناب سلیمان علیہ السلام عبادت الہی میں مشغولیت کے ساتھ ساتھ ہمارے کام کی نگرانی بھی فرما رہے ہیں۔ وہ دن رات تندہی اور تیز رفتاری سے بیت المقدس کی تعمیر میں مصروف رہے۔ تا آنکہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی وفات کے تقریباً چار ماہ بعد ہیکل سلیمانی کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ جونہی بیت المقدس کی تعمیر مکمل ہوئی اسی وقت سلیمان علیہ السلام کا عصا جسے دیمک نے چاٹ کر ختم کر دیا تھا اور جس کے سہارے وہ کھڑے تھے ٹوٹ گیا اور آپ کا جسد خاکی زمین پر گر پڑا۔ اب جنات کو معلوم ہوا کہ جناب

سلیمان علیہ السلام تو بہت عرصہ پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا کہ کاش ہم غیب دان ہوتے تو ہمیں سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہو جاتا اور ہم اتنا عرصہ تعمیری کام کی مشقت برداشت نہ کرتے۔ قرآن حکیم جناب سلیمان علیہ السلام کی موت اور جنات کی زبانی ان کے غیب دان نہ ہونے کا تذکرہ یوں فرماتا ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَاتِهِ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْ كَانَُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝﴾ (سبا: ۱۳)

”پس جب ہم نے ان (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا فیصلہ کر دیا تو جنات کو دیمک کے کیڑے کے سوا کسی نے ان کی موت کا پتہ نہ دیا جو ان کی لاٹھی کو کھائے جا رہا تھا۔ پھر جب وہ عصا گر پڑا تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) ذلت کے عذاب (مشقت) میں نہ پڑے رہتے۔“

اس قرآنی واقعہ نے جنوں کے غیب دان نہ ہونے کا صریح اعلان فرما دیا اور قرآن پڑھنے والوں کو اس امر سے آگاہ کر دیا کہ عبادت کا مستحق وہ ہوتا ہے جو غیب دان ہو۔ جنات چونکہ غیب دان نہیں ہیں۔ اس لیے ان کی عبادت کرنا، انہیں دور و نزدیک سے مدد کے لیے پکارنا اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

انسان..... عالم الغیب نہیں:

اللہ رب العزت کی مخلوقات میں سے تین مخلوقات بڑی اہم اور احکام کی مکلف ہیں..... انسان..... فرشتے اور جنات..... فرشتوں اور جنات کے غیب دان نہ ہونے کی تفصیل آپ نے قرآنی آیات سے سماعت فرمائی..... اب تیسری اہم مخلوق یعنی انسانوں کے غیب دان نہ ہونے کی بات بھی قرآن کریم سے ہی عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

قرآن مجید، فرقان حمید کے بیسویں پارے کے پہلے رکوع کی آیت کریمہ ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ

آيَاكَ يُبْعَثُونَ ﴿٥٦﴾ (۲۷/نمل: ۶۶)

”(اے رسول ﷺ) آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں اور زمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا (اور جنہیں تم غیب دان سمجھتے ہو) وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ انہیں (قبروں سے) کب اٹھایا جائے گا۔“

اس آیت مقدسہ نے انسانوں کے غیب دان ہونے کی قطعی تردید فرمادی اور واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ جن ہستیوں، شخصیتوں اور ذاتوں کو غیب دان سمجھا جاتا ہے۔ اُن بے چاروں کو تو اس بات کا بھی شعور و ادراک نہیں ہے کہ انہیں ان کی قبروں سے کب اٹھایا جائے گا۔ جو شخص اپنے لاچار اور بے شعور کو معبود مانتا اور جانتا ہے۔ اس کے نام کی نذریں دیتا، نیازیں پکاتا اور چڑھاوے چڑھاتا ہے۔ اسے عقل کا اندھا، دین سے ناواقف اور جاہل مطلق ہی کہا جاسکتا ہے۔ میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر پیر محمد کرم شاہ الازہری بھیروی کے الفاظ میں سنانا چاہتا ہوں تاکہ علم غیب کے بارے میں ان کے خیالات سے بھی آپ آگاہی حاصل کر سکیں۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ:

”آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہیں۔ فرشتے، جنات، انسان، جن میں علماء، اولیاء اور انبیاء اور اولوالعزم رسل بھی داخل ہیں اور دیگر لوگ کوئی بھی ”الغیب“ کو نہیں جان سکتے۔ صرف اور صرف اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ ”عالم الغیب“ ہے۔ جس طرح اس کی ذات میں اور اس کی دیگر صفات میں کوئی ہمسری کا دم نہیں مار سکتا، اسی طرح اس کی صفت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص اس کی صفت علم میں کسی کو شریک بنائے گا تو وہ بھی اسی طرح مشرک ہوگا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔ جس طرح اس کی دوسری صفات میں کسی کو شریک بنانے والا یا اس کی ذات کی طرح کسی کو واجب الوجود ماننے والا مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“

(تفسیر ضیاء القرآن جلد سوئم سورۃ نمل آیت: ۶۶)

پیر صاحب کی اس عبارت پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے کی بجائے ہم ان کے عقیدت مندوں کو دعوت دینا چاہتے ہیں کہ وہ ان الفاظ پر بار بار غور فرمائیں اور اس امر کو دل و جان

سے تسلیم کر لیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔
شاعر اسلام شیخ محمد سعید الفت نے رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ علم غیب پر شاعرانہ انداز میں اظہار خیال کرتے ہوئے سورۃ نمل کی اسی آیت کریمہ کا مفہوم واضح کیا ہے کہ:

سورۃ نمل وچ اس طراں آندا اے
اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوں ایہ حکم فرماندا اے
ساڈے دلوں لوکاں نوں پیغام ایہ پوچا دیو
دنیا نوں اے نبی! اعلان فرما دیو
زمین آسمان وچ غیب کوئی نہیں جاندا
عالم الغیب ہونا خاصہ اے رحمان دا
سورج وانگ روشن ایں اعلان ایہ قرآن دا
کہ اللہ باہجوں ہور کوئی غیب نہیں گا جان دا
علم غیب اور آدم علیہ السلام

سیدنا آدم علیہ السلام ابوالبشر اور مسجود ملائکہ ہیں۔ پہلے انسان اور سلسلہ انبیاء کی پہلی کڑی ہیں۔ اللہ نے انہیں اپنے دست مبارک سے تخلیق فرمایا اور وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کا مصداق ٹھہرایا۔ فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور تمام چیزوں کے اُسماء، صفات اور خواص سے آگاہ فرمایا۔ ابلیس کو آدم کے حضور جھکنے کا حکم فرمایا۔ جب اس نے آدم کی عظمت سے انکار کیا تو اسے راندہ درگاہ بنایا۔

عزیزانِ محترم! ابلیس نے دربارِ الہی سے ملعون اور راندہ درگاہ ہونے کے بعد ابوالبشر جناب آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا جنت کے پھل کھاتے، دودھ اور شہد پیتے۔ اعلیٰ محلات میں رہتے اور موجیں کر رہے تھے کہ ابلیس لعین کا داؤ چل گیا اور اس نے قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی ہمدردی کا یقین دلایا۔ وہ آدم و حوا کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا کہ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو تم نوری فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ جنت کے مکین رہو گے۔
فَتَنِيَ آدَمُ وَلَمَّا نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ پس آدم بھول گئے اور ہم نے ان میں نافرمانی کا کوئی

ارادہ نہیں پایا۔

جناب آدم اور سیدہ حوا نے ابلیس کے جھانے میں آکر اس درخت کا پھل کھالیا جس کے قریب جانے سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ بس دانہ چکھنے کی دیر تھی کہ فوراً جنت کا لباس اتار کر برہنہ کر دیا گیا اور جنت سے نکال کر دونوں کو زمین کے مختلف مقامات پر اتار دیا گیا۔ عرصہ دراز کے بعد میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو دونوں نے گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی اور اجتماعی دعا کرتے ہوئے عرض کی:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (۷/ الاعراف: ۲۳)

”اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہماری مغفرت

نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

بزرگانِ محترم! سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر جناب آدم علیہ السلام کو علم ہوتا کہ درخت کا پھل کھانے کے بعد ہمیں برہنہ کر دیا جائے گا، جنت سے نکال دیا جائے گا اور زمین پر اتار دیا جائے گا تو کیا وہ شیطان کے جھانے میں آتے، اس کی باتوں پر اعتبار کرتے ہوئے اس ممنوعہ درخت کا دانہ چکھتے؟ اگر وہ عالم الغیب ہوتے تو یقیناً ایسا نہ کرتے۔ پس حقیقت یہی ہے جناب آدم علیہ السلام بھول گئے اور جو بھول جائے وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔

جد الانبیاء بھی عالم الغیب نہیں تھے:

انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نام ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ آپ خود نبی، دو بیٹے اسحاق اور اسماعیل نبی، پوتا یعقوب نبی اور پڑپوتا یوسف بھی نبی، علیہم السلام۔ بلکہ بعد میں آنے والے تمام انبیاء کرام آپ ہی کی نسل سے آئے اور آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تشریف لائے۔ خلیل اللہ آپ کا لقب اور امام الموحدین آپ کا خطاب ہے۔ آپ کو جد الانبیاء کی معزز کنیت سے یاد کیا جاتا اور بت شکن کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔

ایک دفعہ نوری فرشتوں کی ایک جماعت انسانی شکل میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت

میں حاضر ہوئی اور آتے ہی آپ کو سلام کہا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے آنے والے مہمانوں کے سلام کا نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور مہمانوں کے لیے فوراً کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ فَمَا

لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِئٍ ۝﴾ (۱۱/ہود: ۶۹)

”اور تحقیق ہمارے پیغام بر (فرشتے) ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر

آئے تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو سلام کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور

تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ ایک بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے۔“

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گوشت مہمانوں کے آگے رکھا تو انہوں نے اس کی طرف کھانے

کے لیے ہاتھ نہ بڑھائے تو آپ نے فرمایا: اَلَا تَأْكُلُوْنَ۔ تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ جب

اصرار کے باوجود مہمان کھانا کھانے پر آمادہ نہ ہوئے تو جناب ابراہیم علیہ السلام کو خدشہ محسوس ہوا

کہ جو میرے گھر کا کھانا نہیں کھا رہے۔ یہ شاید میرے دشمن اور مخالف ہی نہ ہوں۔ چنانچہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشتبہ گردانتے ہوئے ان کی طرف غور سے دیکھا تو انہوں نے صورت

حال کو بھانپتے ہوئے فوراً کہا: اے ابراہیم! لَا تَخَفْ۔ آپ ہم سے کوئی ڈر، خوف اور خطرہ

محسوس نہ کریں۔ اِنَّا اُرْسَلْنَا اِلٰی قَوْمٍ لُّوْطٍ۔ ہم (اللہ کے فرشتے ہیں اور) لوط علیہ السلام کی

قوم پر عذاب دے کر بھیجے گئے ہیں اور آپ کو صاحب علم بیٹے کی خوشخبری سنانے کے لیے

حاضر ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ۔

اگر آپ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آمدہ اس واقعہ کے حقائق اور معارف پر غور فرمائیں

تو ان شاء اللہ العزیز عقیدے اور عقیدت کے کئی مسئلے حل ہو جائیں گے۔ مثلاً:

☆ اگر جناب ابراہیم علیہ السلام ”عالم الغیب“ ہوتے تو فرشتوں کو پہچان لیتے اور ان

کے لیے کھانے کا بندوبست نہ فرماتے کیونکہ فرشتے تو ہماری طرح کھانا نہیں کھاتے۔

☆ اگر جناب ابراہیم علیہ السلام ”عالم الغیب“ ہوتے تو مہمانوں کے کھانا نہ کھانے پر خوفزدہ نہ ہوتے۔

☆ اگر جناب ابراہیم علیہ السلام ”عالم الغیب“ ہوتے تو فرشتوں کو بتانا نہ پڑتا کہ ہم قوم لوط کی

طرف بھیجے گئے ہیں۔

☆ اگر جناب ابراہیم علیہ السلام ”عالم الغیب“ ہوتے تو فرشتوں کو یہ بتانے کی ضرورت بھی نہ پڑتی کہ ہم آپ کو بیٹے کی خوشخبری سنانے آئے ہیں۔

☆ اگر فرشتے ”عالم الغیب“ ہوتے تو وہ فوراً ابراہیم علیہ السلام کو گوشت بھوننے سے منع کر دیتے اور پیغمبر کا خرچہ نہ کرواتے۔

لہذا اس واقعہ سے یہ مسئلہ مزید واضح اور عیاں ہو گیا کہ نہ فرشتے ”عالم الغیب“ ہیں اور نہ ابراہیم علیہ السلام ”عالم الغیب“ ہیں۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات والا صفات ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام غیب والے نہیں:

حضرات گرامی! قرآن عزیز میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے ایسے واقعات بیان فرمائے گئے ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ انبیاء اور اصداقاء، شہداء اور صلحاء کو بھی غیب کا علم نہیں ہے۔ وہ اتنا ہی جانتے ہیں جتنا انہیں بتلا دیا گیا ہے۔ میں چند واقعات کی طرف اشارات کرنا چاہتا ہوں۔

☆ اگر جناب نوح علیہ السلام ”عالم الغیب“ اور جانتے ہوتے کہ مجھے بیٹے کے لیے دعا کرنے کے سبب رب العزت کی طرف سے ڈانٹا جائے گا۔ تو اپنے صاحبزادے کے لیے کبھی دعا نہ کرتے۔

☆ اگر جناب یعقوب علیہ السلام کو علم غیب ہوتا تو اپنے نورِ نظر یوسف علیہ السلام کو کبھی برادرانِ یوسف کے ہمراہ روانہ نہ کرتے۔

☆ اگر موسیٰ علیہ السلام کو علم ہوتا کہ پہاڑ پر ذات الہی کی تجلی کے باعث میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔ تو کبھی اللہ کی ذات کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار نہ فرماتے۔

☆ اگر یونس علیہ السلام کو علم ہوتا کہ میں مچھلی کے پیٹ میں قید ہوں گا تو کبھی دریا کا سفر اختیار نہ کرتے۔

☆ اگر عزیز علیہ السلام کو علم ہوتا کہ میں سو سال پڑا رہوں گا تو بستی والوں کے بارے میں ہرگز سوال نہ کرتے۔

☆ اگر سلیمان علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو جانوروں اور پرندوں کی حاضری نہ لگاتے اور ہد

کے بارے میں فکر مند نہ ہوتے۔

- ☆ اگر زکریا علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری سن کر نشانی طلب نہ کرتے۔
- ☆ اگر موسیٰ علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو مچھلی بھول کر دریا کے کنارے سفر جاری نہ رکھتے۔
- ☆ اگر جناب خضر علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو مَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي۔ ”میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیے۔“ نہ کہتے۔

- ☆ اگر لوط علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو فرشتوں کی آمد پر پریشان نہ ہوتے۔
- ☆ اگر سیدہ مریم رضی اللہ عنہا عالم الغیب ہوتیں تو خلوت گاہ میں اجنبی کو دیکھ کر گھبرانہ جاتیں۔
- ☆ اگر سیدہ سارہ (زوجہ ابراہیم) رضی اللہ عنہا عالم الغیب ہوتیں تو بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت پر تعجب کا اظہار نہ کرتیں۔
- ☆ اگر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو افک عائشہ کی وجہ سے پورا مہینہ پریشان اور غم زدہ نہ رہتے۔

یہ سارے واقعات اس امر کی نشاندہی بلکہ صراحت کرتے ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جسے، جس وقت اور جتنا مناسب سمجھتا ہے علم عطاء فرما دیتا ہے۔ مگر ہر چیز کا کلی علم صرف اسی کے پاس ہے اور وہی اگلے پچھلے حالات سے پوری طرح باخبر اور ہر مخفی چیز کو جاننے والا ہے۔

اگر میں غیب داں ہوتا:

جس طرح جنات، فرشتے، انسان اور انسانوں میں سب سے افضل و اعلیٰ ہستیاں انبیاء کرام علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہیں۔ اسی طرح امام الانبیاء، سید الاتقیاء، قدوة الصالحاء، بدر الدجی، شمس الضحیٰ، والی بطحا، شافع روز جزا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب اور عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے زیادہ علم عطا فرمایا۔ جنوں سے زیادہ علم عطا فرمایا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سے زیادہ علم عطاء فرمایا۔ مگر عالم الغیب نہیں بنایا۔ صرف دو قرآنی آیات پر اکتفا کرتا ہوں۔

کتاب الہی کا ساتواں پارہ سورۃ النعام کی آیت ۵۰۔ اللہ رب العزت نے حکم فرمایا کہ

اے میرے رسول ﷺ۔

☆ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ۔ آپ فرمادیجئے کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔

☆ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ اور میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔

☆ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ۔ اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں (نوری) فرشتہ ہوں۔

☆ إِن أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

☆ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ۔ فرمائیے! کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟

☆ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ۔ پھر تم لوگ غور و فکر کیوں نہیں کرتے ہو؟

میں نے آپ کے سامنے اس آیت مقدسہ کے ہر ہر جملے کا الگ الگ ترجمہ عرض کر دیا ہے۔ آپ خود اس بات پر غور فرمائیں کہ جن تین چیزوں کی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے۔ آج کے اکثر مسلمان وہی چیزیں آپ ﷺ کے لیے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی زبان نبوت سے اعلان کروا رہا ہے کہ:

☆ میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک نہیں ہوں۔ لوگ کہتے ہیں آپ ہی خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔

☆ میں عالم الغیب نہیں ہوں۔ لوگ کہتے ہیں آپ غیب دان ہیں۔

☆ میں نوری نہیں ہوں۔ لوگ کہتے ہیں آپ نور ہیں۔

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان سچا ہے یا لوگوں کی باتیں سچی ہیں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہی سچا ہے۔ کیونکہ:

☆ بڑے کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ چھوٹے کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ حاجی کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ نمازی کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ مولانا کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ پیر کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ امام کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ فقیہ کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ خطیبوں، ادیبوں اور مقرروں، مصنفوں کی بات غلط ہو سکتی ہے۔

☆ سارے جہان کی بات غلط ہو سکتی ہے۔ مگر رب کے قرآن اور مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔

کتاب مبین کی دوسری آیت اور اس کا سادہ ترجمہ سمجھئے۔ فرمان الہی ہے۔ اے میرے رسول ﷺ۔

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط وَ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ
الْغَيْبِ لَا سَتَكُنْتُ مِنَ الْخَيْرِ ؕ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ ؕ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ؕ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۸۸)

”آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے آپ کے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا۔ اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو اہل ایمان کو (عذاب سے) ڈرانے والا اور (جنت کی) خوشخبری سنانے والا ہوں۔“

جو لوگ حسن عقیدت کی بناء پر نبی محترم ﷺ کو عالم الغیب مانتے، جانتے اور گردانتے ہیں وہ اس آیت مطہرہ کے الفاظ اور ترجمے پر غور فرمانے کے ساتھ ساتھ سیرت طیبہ کے ان واقعات کی طرف بھی توجہ فرمائیں۔

☆ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منافقین کی ہرزہ سرائی کے بعد آپ ﷺ تقریباً ایک مہینہ تک سخت پریشان، از حد مغموم اور بڑے افسردہ رہے۔ اگر عالم الغیب ہوتے تو فوراً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت فرما دیتے۔ مگر آپ ﷺ نے وحی آنے تک کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔

☆ غزوہ اُحد میں اہل ایمان کا بے انتہا نقصان ہوا۔ ستر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ خود رسول محترم ﷺ کا جسد مبارک زخمی ہوا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے دانت ٹوٹ گئے اور گھٹنے میں زخم آیا۔ اگر آپ ﷺ کو قبل از وقت ان نقصانات کا علم ہوتا تو کیا آپ جنگ کے لیے میدانِ احد میں تشریف لاتے۔

☆ ماہِ صفر ۴ ہجری میں عضل اور قارہ قبیلوں کے لوگ دھوکے سے دس مبلغ صحابہ کرام کو ساتھ لے گئے، آٹھ کو راستے میں قتل کر دیا اور دو کو مکہ مکرمہ میں شہید کر دیا۔ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو کیا اپنے جاں نثار رفقاء کو کافروں کے حوالے کرتے؟۔

☆ اسی مہینے ایک شخص کی دعوت پر آپ ﷺ نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تبلیغ کے لیے روانہ فرمائی۔ بیر معونہ کے مقام پر ان سب کو دھوکے کے ساتھ بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ عالم الغیب ہوتے اور آپ کو علم ہوتا کہ اتنا بڑا سانحہ رونما ہوگا تو کیا آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرماتے۔

☆ مشرکین مکہ نے یہودیوں سے مشورے کے بعد آپ ﷺ سے تین سوالات کیے۔ آپ نے فرمایا۔ کل جواب دوں گا۔ مگر پندرہ دن وحی نہ آئی۔ آپ سخت پریشان رہے۔ آخر پندرہ دن کے بعد جبریل تشریف لائے اور سوالوں کے جوابات بتلائے۔ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو فوراً جواب دے دیتے۔ (اسی طرح کے درجنوں واقعات کتب سیرت میں موجود ہیں۔)

خلاصہ یہ ہے کہ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے کوئی پیر، پیغمبر، نبی، ولی، بزرگ، امام اور فقیر غیب دان نہیں ہے۔ سورۃ الحجرات کی آخری آیات اسی عقیدے، نظریے اور فکر کا اعلان کر رہی ہیں کہ:

﴿قُلْ اَتَعْلَمُونَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُلْ لَا تَمْنُوْا عَلٰى اِسْلَامِكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هٰدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۲ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

”اے رسول ﷺ! آپ ان سے پوچھئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین قبول کرنے کی خبر اور اطلاع دے رہے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ اور وہ لوگ اپنے اسلام قبول کرنے کا آپ پر احسان جتلا رہے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ اپنے اسلام کا مجھے احسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے ایمان کی طرف تمہاری راہنمائی فرمائی۔ اگر تم اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو (تو اللہ تعالیٰ کا احسان مانو اور اُس کا شکر ادا کرو) بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے۔ اور تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہے۔“

اللہ رب العالمین تمام انسانوں کو اپنے عقائد و اعمال قرآن و حدیث کے مطابق بنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اظہارِ تشکر و امتنان

میرا قلب و روح اور جان و جسم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز اور سراپا تشکر و امتنان ہیں کہ اُس ذاتِ رحیم و کریم نے اپنا خاص فضل و احسان فرما کر ”خطبات سورۃ الحجرات“ کو بیان کرنے اور پھر کتابی صورت میں مرتب کرنے کی سعادت و توفیق مرحمت فرمائی۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ آمین

راقمِ آثم

عبدالستار حامد

www.kitabosunnat.com

4 فروری 2013ء

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۴ ہجری 7:30 بجے صبح

خطبات
سورة
الحج

